مریض ومیّت اور وراثت

کے احکام

قرآن وحدیث کی روشنی میں

تحریک

مولانا مفتی جمال الدین شہیدؒ

تالیف

مفتی فیض الوحید

ناشر

ادارہ مرکز المعارف بٹھنڈی جموں

نام کتاب	جنازہ اور وراثت قرآن وحدیث کی روشنی میں
تحریک	مولانا مفتی جمال الدین شہیدؒ
تالیف	مفتی فیض الوحید
کتابت	المعارف کمپیوٹرس مرکز المعارف بٹھنڈی جموں
ناشر	شعبہ نشر واشاعت مرکز المعارف بٹھنڈی جموں

01912463251

انتساب

اپنے جملہ معزز ومحترم اساتذۂ کرام کے نام خصوصاً کاشف العلوم تھنہ منڈی کے زمانۂ طالب علمی کی ان دو مشفق، مربی ومحسن شخصیات کے نام جن کی نیک دعائیں زندگی کے نشیب وفراز، زیر و بم اور پیچ وخم کے ہر موڑ پر شاملِ حال پاتا ہوں۔

فبارک اللہ لھما فی العمر والحسنات.

حرف اولین

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم۔

حضرت امام مالکؒ کا مشہور ارشاد ہے کہ اس امت کا آخری فرد بھی بس اسی چیز سے فلاح و کامرانی حاصل کر سکتا ہے۔ جس سے پہلے افراد کامیاب ہوئے تھے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کے پیارے حبیب ﷺ کی احادیث کے ساتھ تمسک۔ یہی کچھ سوچ کر، اسی جزبہ کے تحت تفرق وتشتت اور اختلافات وفتنوں کے اس دور میں حضرت مولانا مفتی جمال الدین قاسمی شہیدؒ نے علم، عقائد، پاکی، نماز، روزہ، زکواۃ اور حج کے عنوان پر رحمتِ عالم ﷺ کے پاک ارشادات، احادیثِ مبارکہ کا ایک ذخیرہ مرتب فرمایا تھا۔ مگر ابھی خاکہ کے انداز میں بس ہر ایک عنوان کے تحت چند روایات نقل کر کے ترجمہ ہی کر پائے تھے کہ وقتِ موعود آپہونچا اور وادی گل پوش کے ضلع کپواڑہ کی بستی ''مقام شاہ ولیؒ'' میں علم وعرفان کی مشعل روشن کرنے والا، جامعہ تعلیم القرآن کا مہتمم یہ بطل جلیل راہِ خدا میں شہادت کی نعمتِ عظمیٰ سے سرفراز ہو کر ہم سب کو داغِ مفارقت دے گیا۔ انا للّٰہ و انا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ شہید کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے۔

مرحوم کی رحلت کے بعد ان کے والدِ محترم کے ذریعہ یہ مسودہ راقم اثم کے پاس پہنچا، راقم نے پسِ دیوارِ زنداں یا جامعہ یوسفیہ کے فرصت کے ایام کو کام میں لاتے ہوئے اپنی کم علمی کی حیثیت کے مطابق مسودہ پر نظرِ ثانی کی، اور بحمدہٖ چند ماہ کی محنتِ شاقہ سے نئی ترتیب، احادیث کی تشریح، سلف صالحین کی تحقیق اور فقہائے اربعہ کے اقوال کے ساتھ یہ مسودہ تکمیل کو پہنچ گیا۔ حق تو یہ تھا کہ یہ ہفتوں میں نہیں دنوں میں طبع ہو کر اُن سیکڑوں بلکہ ہزاروں شائقین علم کی پیاس بجھاتا جو حضرت مفتی صاحب مرحوم کے زمانہ سے ہی اس کا شدت سے انتظار کر رہے تھے۔

مگر ہر کام کیلئے اک وقت متعین ہے دیکھئے اس کا وقت کب آتا ہے! سرِ دست بعض احباب کے

اصرار پر جنازہ اور وراثت کے مسائل کا یہ مجموعہ الگ کر کے طبع کیا جا رہا ہے۔اس حصہ میں انتہائی سادہ، عام فہم اسلوب میں نہایت مختصر طور پر بیماری سے لیکر موت، پھر تجہیز و تکفین اور تدفین سے لیکر تعزیت و زیارت قبور اور وراثت کے تمام ہی مسائل کا قرآن و حدیث کی روشنی میں احاطہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے تا کہ ہمارا پڑھا لکھا طبقہ مسلکی تعصب، نظریاتی گروہ بندی اور خاندانی و علاقائی رسم و رواج کے بندھنوں کو توڑ کر ایک اللہ کو اپنا رب و مالک اور رحمتِ عالم ﷺ کو ہی اپنا رہبر و رہنما ماننے والے براہ راست کتاب و سنت کے چشمۂ صافی سے سیراب و مستفید ہو سکیں۔اسی لئے مسئلہ کا عنوان قائم کر کے کسی حدیث صحیح یا آیت پاک کے متن و ترجمہ کے نقل کے بعد مختصر سی تشریح پر ہی اکتفاء کیا گیا ہے۔اور سلف صالحین ائمہ مجتہدین و فقہاء کرام کی جہاں آراء نقل کی گئیں ہیں تو یہ دکھانے کیلئے کہ ان تمام اکابر کا مقصد بھی محض قرآن و حدیث کا اصل منشاء معلوم کر کے اس پر عمل کرنا تھا۔اور اُن کی رائے کا آپس میں مختلف ہونا محض مبنی بر اخلاص تھا؛ سب یہی فرماتے تھے کہ قرآن و حدیث سے ہم نے یہ سمجھا ہے ممکن یہ بھی ہے کہ جو فلاں بزرگ نے سمجھا ہے وہی اقرب الی الصواب ہو۔اور یہ دکھانے کی کوشش کی گئی ہے کہ آج اُمت کی فلاح و کامرانی اِسی میں مضمر ہے کہ وہ اپنے اسلاف کی تحقیق پر اعتماد کر کے کتاب و سنت سے استخراج کردہ مسائل پر عمل کرے۔

تقریباً تمام ہی مسائل میں فقہاء اربعہ کی آراء کو نقل کیا گیا ہے البتہ چونکہ یہاں احناف کی تعداد زیادہ ہے اس لئے فقہاء احناف کے اقوال تفصیل سے لکھ دیئے گئے ہیں۔

رب کریم اس حقیر کوشش کو قبول فرما کر اس کو گروہی تعصب کے مٹنے، جہالت والے رسم و رواج کے اُجڑنے اور کتاب و سنت کے نورِ عرفان سے سب کے منور ہو جانے کا ذریعہ بنا دے۔! راقم اثم اور اس کام میں تعاون کرنے والے ہر اک شخص کی بخشش کا بہانہ بنا دے۔!

”کہ رحمت حق بہانہ می جوید“ ع

امین یارب العلمین۔

فیض الوحید عفی عنہ

فہرست مضامین

بیماری وعیادت

بیماری اللہ کی رحمت اور گناہوں کی بخشش کا ذریعہ ہے:-

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ وَاَبِیْ سَعِیْدٍ عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ مَا یُصِیْبُ الْمُسْلِمَ مِنْ نَصَبٍ وَلَا وَصَبٍ وَلَا هَمٍّ وَلَا حُزْنٍ وَلَا اَذًی وَلَا غَمٍّ حَتَّی الشَّوْکَةَ یُشَاکُهَا اِلَّا کَفَّرَاللّٰهُ بِهَا مِنْ خَطَایَاهُ... (رواه البخاری ومسلم)

حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:- بندہ مومن کو جو بھی دکھ اور جو بھی بیماری اور جو بھی پریشانی جو بھی غم اور جو بھی تکلیف اور جو بھی رنج والم پہنچتا ہے یہاں تک کہ اس کو کانٹا بھی چبھتا ہے تو اللہ تعالیٰ ان تمام چیزوں کے ذریعہ اس کے گناہ معاف کردیتا ہے (بخاری، مسلم)

یعنی جسطرح صحت وعافیت کے ایام اللہ کی بڑی نعمت ہیں اسی طرح بیماری وپریشانی کے دن بھی اس کی رحمت ہی کے دن ہیں اس سے بندۂ مومن کو تنبیہ ہوجاتی ہے وہ توبہ واصلاح کیطرف متوجہ ہوجاتا ہے اور اللہ پاک ان تکالیف کے ذریعہ بندہ کے گناہوں کا صفایا کردیتا ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ سے ہی روایت ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ جب اپنے کسی بندہ کے ساتھ بھلائی کرنا چاہتا ہے تو اسے اپنی طرف سے کسی بیماری وپریشانی میں مبتلا کردیتا ہے۔(بخاری)

لیکن بیماری اللہ کی رحمت اور گناہوں کی بخشش کا ذریعہ تب بنتی ہے جب آدمی اس پر ثواب وتقربِ باری تعالیٰ حاصل کرنے کی نیت سے صبر کرے۔

بیماری پر صبر اور اس کا ثواب:-

عَنْ اَنَسٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم یَقُوْلُ قَالَ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰی اِذَاابْتُلِیْتُ

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب میں اپنے کسی بندہ سے اسکی

عَبْدِیْ بِحَبِیْبَتَیْہِ ثُمَّ صَبَرَ عَوَّ ضْتُہٗ مِنْھُمَا الْجَنَّۃَ یُرِیْدُ عَیْنَیْہِ (رواہ البخاری)

دو پیاری چیزیں لے لیتا ہوں پھر وہ اس پر صبر کرتا ہے تو میں اس کو اس کے بدلے جنت عطا کرتا ہوں اور آپ ﷺ دو پیاری چیزوں سے دو آنکھیں مراد لیتے تھے۔ (بخاری)

حضرت صہیب بن سنانؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: مومن کا معاملہ بھی عجیب ہے اس کے لئے ہر حال میں خیر ہی خیر ہے اور یہ حال مومن ہی کا ہے اگر اس کو کوئی خوشی حاصل ہوتی ہے اور وہ اس پر اللہ کا شکر بجالاتا ہے تو یہ اس کیلئے خیر ہے اور اگر اس کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے اور وہ اس پر صبر کرتا ہے تو یہ بھی اس کیلئے رحمت و خیر کی چیز ہوتی ہے (مسلم) اللہ ہم سب کو صبر کی توفیق عطا فرمائے ۔وھو الموفق والمعین.

بیماری میں صحت کے اعمال کا ثواب

عَنْ اَبِیْ مُوْسیٰؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اِذَا مَرِضَ الْعَبْدُ اَوْسَافَرَ کُتِبَ لَہٗ بِمِثْلِ مَا کَانَ یَعْمَلُ مُقِیْماً صَحِیْحاً (رواہ البخاری)

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب بندہ مومن بیمار ہوجاتا ہے یا وہ سفر میں ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کیلئے وہی نیکیاں لکھتا ہے جو وہ مقیم ہونے کی حالت میں کرتا تھا۔ (بخاری شریف)

اللہ کے نیک بندوں کو بیماری میں سب سے زیادہ دکھ وقلق اس بات کا ہوتا ہے کہ جو نیک اعمال وہ تندرستی وصحت میں کرتے تھے وہ چھوٹ جاتے ہیں اللہ پاک نے ایسے نیک بندوں کی دلجوئی کیلئے فرمایا کہ بیماری میں اس کے نامہ اعمال میں وہی نیکیاں لکھی جائیں گی جو کہ وہ تندرستی میں کرتا تھا۔سبحان اللہ۔

علاج ودوا:-

دوا وعلاج بھی اللہ تعالیٰ کی تقدیر اور مشیت کے تحت ہے اس لئے توکل اللہ پر کرتے ہوئے اپنی

امکانی حد تک دوا اور علاج کرانا رسولِ پاک ﷺ کی سنت ہے حضرت ابو درداءؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مرض بھی نازل کیا اور اس کے ساتھ دوا بھی اتاری اور ہر مرض کیلئے دوا پیدا کی دوا کرو لیکن حرام چیز سے دوامت کرو (ابوداؤد شریف)

آپ ﷺ کا ارشاد ہے اللہ کے بندو! دوا کیا کرو اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر مرض کیلئے شفاء مقرر فرمائی ہے سوائے ایک مرض کے لوگوں نے عرض کیا وہ کیا ہے فرمایا:- بہت زیادہ بڑھاپا۔ (ترمذی)

بہر حال دوا کرنا اور علاج کیلئے تگ و دو کرنا بھی اپنی طاقت و ہمت کی حد تک ضروری ہے لیکن بھروسہ دوا و علاج پر نہیں اللہ پر ہی رکھنا چاہیئے اس لئے کہ صحت یابی تو اس کے فضل سے ہی ہے اگر دوا سے صحت مند ہو جانا ضروری ہی ہوتا تو موت کیوں کر آتی! اور علاج کراتے ہوئے حرام دوائیوں سے بچنا چاہیئے!

تداوی بالمحرمات:-

یعنی حرام چیزوں کو بطورِ دوا استعمال کرنا کیسا ہے؟ اگر مریض حالتِ اضطرار میں ہو اور ماہر ڈاکٹر یہ کہہ رہا ہو کہ اس حرام دوا کے استعمال ہی سے مریض زندہ رہ سکتا ہے ورنہ مر جائے گا ظاہری خطرہ ہے تو اس حالت میں بالاتفاق ایسی دوا استعمال کرنا جائز ہے لیکن اگر جان کا خطرہ نہ ہو بلکہ بیماری کو دور کرنے کیلئے ایسی دوا استعمال کیجائے تو ایسی حالت کیلئے امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ تداوی بالمحرم جائز ہے جبکہ امام شافعیؒ کے نزدیک مطلق ناجائز ہے، فقہاء احناف میں سے بھی خود امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کا تو یہی مسلک ہے لیکن امام ابو یوسفؒ یہ فرماتے ہیں کہ اگر ماہر ڈاکٹر یہ کہے کہ اس دوا کے بغیر اس مرض سے چھٹکارا حاصل نہیں ہو سکتا ہے تو ایسی دوا استعمال کرنا جائز ہے ورنہ نہیں، اور عموماً اسی قول پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ہر حال میں حرام چیزوں سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

بیمار کی عیادت اور اسکی فضیلت:-

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ حَقُّ الْمُسْلِمِ عَلَی الْمُسْلِمِ خَمْسٌ

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :- مسلمان کے دوسرے مسلمان بھائی پر پانچ حق ہیں

رَدُّ السَّلَامِ وَعِيَادَةُ الْمَرِيْضِ وَاِتْبَاعُ الْجَنَائِزِ وَاِجَابَةُ الدَّعْوَةِ وَتَشْمِيْتُ الْعَاطِسِ (رواہ البخاری ومسلم)	(۱)سلام کا جواب دینا (۲) بیمار کی عیادت (تیمارداری) کرنا (۳) جنازہ کے ساتھ جانا۔ (۴) دعوت قبول کرنا۔ (۵) چھینک آنے پر یرحمک اللہ کہنا۔ (بخاری ومسلم)
عَنْ اَبِیْ مُوْسیٰ الْاَشْعَرِی ؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللہِ ﷺ اَطْعِمُوا الْجَائِعَ وَعُوْدُوْا الْمَرِیْضَ وَفُکُّوْا الْعَانِیْ. (رواہ البخاری)	حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:-بھوکے کو کھانا کھلاؤ اور بیمار کی عیادت کرو، اور قیدی کو چھڑاؤ۔ (بخاری شریف وغیرہ)
عَنْ ثَوْبَانَ ؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللہِ ﷺ اِنَّ الْمُسْلِمَ اِذَا عَادَ اَخَاهُ الْمُسْلِمَ لَمْ یَزَلْ فِیْ خُرْفَةِ الْجَنَّةِ حَتّٰی یَرْجِعَ... (رواہ مسلم والترمذی)	حضرت ثوبانؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:- جب کوئی مسلمان اپنے بھائی کی عیادت کرتا ہے تو وہ وہاں سے لوٹنے تک جنت کے خرفہ (پھلوں) میں رہتا ہے۔ (مسلم،ترمذی)

ابوداؤد شریف اور ابنِ ماجہ کی ایک حدیث میں ہے کہ جب کوئی شخص کسی مریض کی عیادت (مزاج پرسی) کرتا ہے تو اللہ کا منادی آسمان سے پکارتا ہے تو مبارک ہے اور تیرا عیادت کیلئے جانا مبارک ہے تو نے یہ عمل کر کے جنت میں اپنا گھر بنالیا ہے۔

ایک اور حدیث شریف میں ہے کہ جب کوئی صبح کے وقت اپنے بھائی کی عیادت کیلئے جاتا ہے تو شام تک ستر ہزار فرشتے اس کیلئے رحمت کی دعا کرتے ہیں اور اگر شام کو عیادت کیلئے جاتا ہے تو صبح تک ستر ہزار فرشتے رحمت کی دعا کرتے ہیں۔(ابوداؤد شریف)

غیر مسلم کی عیادت کیلئے جانا

عَنْ اَنَسٍ ؓ قَالَ کَانَ غُلَامٌ یَهُوْدِیٌّ یَخْدِمُ النَّبِیَّ	حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ایک یہودی لڑکا رسول اللہ ﷺ کی خدمت کیا کرتا تھا وہ بیمار ہو گیا

فَمَرِضَ فَاَتَاهُ النَّبِیُّ ﷺ یَعُوْدُهُ فَقَعَدَ عِنْدَ رَأْسِہٖ فَقَالَ لَهٗ اَسْلِمْ فَنَظَرَ اِلٰی اَبِیْهِ وَهُوَ عِنْدَهٗ فَقَالَ اَطِعْ اَبَاالْقَاسِمِ فَاَسْلَمَ فَخَرَجَ النَّبِیُّ ﷺ وَهُوَ یَقُوْلُ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَنْقَذَهٗ مِنَ النَّارِ (رواه البخاری وغیره)

تو آپ ﷺ اسکی عیادت کی غرض سے اس کے پاس تشریف لے گئے اور اس کے سرہانے بیٹھ گئے اور آپ ﷺ نے اس سے فرمایا: تم اسلام قبول کرلو! تو اس نے اپنے والد کی طرف دیکھا جو وہاں ہی موجود تھے اس کے والد نے کہا بیٹے! ابوالقاسم ﷺ کی بات مان لو چنانچہ اس لڑکے نے اسلام قبول کرلیا اور آپ ﷺ یہ کہتے ہوئے باہر تشریف لائے تمام تعریفیں اللہ پاک کیلئے ہیں جس نے اس کو جہنم سے بچالیا۔ (بخاری شریف وغیرہ)

معلوم ہوا کہ اپنے شناسا غیر مسلموں کی عیادت کیلئے جانا چاہئے اور وہاں ان کو کلمات خیر کہنا چاہئے!

عیادت کے آداب:-

الف: مریض کی دلجوئی کریں اور اس سے دل بہلانے والی باتیں کریں۔

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا دَخَلْتُمْ عَلَی الْمَرِیْضِ فَنَفِّسُوْلَهٗ فِیْ اَجَلِهٖ فَاِنَّ ذَالِکَ لَا یَرُدُّ شَیْئًا وَیُطِیْبُ بِنَفْسِہٖ (رواه ترمذی و ابن ماجه)

حضرت ابوسعیدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم کسی بیمار کے پاس جاؤ تو اس کی عمر کے بارے میں اس کا دل خوش کرو (یعنی اس کو لمبی عمر کی امید دلاؤ) اس سے اللہ تعالیٰ کی قضاء تو نہیں ٹل سکتی لیکن بیمار کی ڈھارس بندھ جاتی ہے۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

ب: مریض پر دم کریں اور اس کیلئے دعائیں کریں۔ اس موقع کیلئے آپؐ سے بہت سی دعائیں منقول ہیں چند ایک نقل کی جاتی ہیں۔

عَنْ عَائِشَةَؓ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا شْتَكىٰ مِنَّا اِنْسَانٌ مَسَحَهٗ بِيَمِيْنِهٖ ثُمَّ قَالَ (اَذْهَبِ الْبَأْسَ رَبَّ النَّاسِ وَاشْفِ اَنْتَ الشَّافِيْ لَا شِفَاءَ اِلَّا شِفَائُكَ شِفَا ئًلا يُغَادِرُ سَقْماً (رواہ البخاری ومسلم)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب ہم میں سے کوئی شخص بیمار ہوجاتا تو حضورﷺ اس کے جسم پر اپنا داہنا ہاتھ مبارک پھیر تے اور یہ دعا پڑھتے :اے انسانوں کے رب اس بندے کی تکلیف کو دور فرمادے اور اس کو شفاء عطا فرمادے بس تو ہی شفاء دینے والا ہے تیری شفاء کے علاوہ کوئی شفاء نہیں تو ایسی شفاء عطا فرما کہ بالکل بیماری نہ رہے (بخاری،مسلم)

حضرت عائشہ صدیقہؓ سے ہی روایت ہے کہ حضورﷺ جب خود بیمار ہوتے تھے تو اپنے اوپر معوذات (قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقَ،قُلْ اَعُوْذُبِرَبِّ النَّاسِ، قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ) پڑھ کردم کرتے تھے پھر جب آپ کو وہ آخری تکلیف لاحق ہوئی جسمیں آپ ﷺ اللہ کو پیارے ہوگئے تو میں وہی معوذات پڑھ کر آپﷺ پردم کرتی تھی جنکو آپﷺ پڑھ کردم کیا کرتے تھے اور میں آپﷺ کا دستِ مبارک آپﷺ کے جسمِ اطہر پر پھیرتی تھی۔(بخاری،مسلم)

حضرتِ عثمان ابن ابی العاصؓ فرماتے ہیں کہ میرے جسم میں درد تھا میں نے اس کا ذکر آپﷺ سے کیا اس پر آپﷺ نے فرمایا: جسم کے جس حصہ میں درد ہے وہاں اپنا ہاتھ رکھ کر تین بار بسم اللہ پڑھو پھر سات بار یہ دعا پڑھو!

اَعُوْذُبِعِزَّةِ اللّٰهِ وَقُدْرَتِهٖ مِنْ شَرِّ مَااَجِدُ وَاُحَاذِرُ (رواہ مسلم)

میں اللہ تعالیٰ کی قدرت وقوت کے ذریعہ ہر اس تکلیف سے جس کو اب میں محسوس کررہا ہوں اور جسکا مجھے اندیشہ ہے پناہ مانگتا ہوں۔(مسلم)

حضرتِ عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں آپﷺ جب کسی کی عیادت کیلئے تشریف لے جاتے تو فرماتے:

لَابَأْسَ طُهُوْرٌ اِنْشَاءَ اللّٰهُ (رواہ بخاری)

کوئی فکر کی بات نہیں یہ بیماری گناہوں سے پاک کرنے والی ہے انشاءاللہ تعالیٰ۔

ج:-مریض کیلئے تکلیف دہ کوئی کام نہ کریں:-

حضرتِ عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ بیماروں کے پاس عیادت کرنے میں شور و شغب نہ کرنا، اور کم بیٹھنا بھی سنت ہے (مشکوٰۃ شریف)

موت کے متعلق ہدایات

(۱) موت کی یاد اور اس کا شوق:-

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اَکْثِرُوْ ذِکْرَ هَاذِمِ اللَّذَّاتِ اَلْمَوْتِ.. (رواه الترمذی، والنسائی وابن ماجه)

حضرتِ ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:- لذتوں اور مزوں کو کرکرا کردینے والی یعنی موت کو کثرت سے یاد کیا کرو۔ (ترمذی، نسائی، ابنِ ماجہ)

عَنْ عُبَادَةَ ابْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مَنْ اَحَبَّ لِقَاءَ اللهِ اَحَبَّ لِقَائَهُ وَمَنْ کَرِهَ لِقَاءَ اللهِ کَرِهَ اللهُ لِقَائَهُ.... (رواه البخاری ومسلم)

حضرت عبادۃ ابن صامتؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو بندہ اللہ کی ملاقات کو پسند کرتا ہے اللہ اسکی ملاقات کو پسند کرتا ہے اور جو اللہ کی ملاقات کو نا پسند کرتا ہے اللہ اسکی ملاقات کو بھی ناپسند کرتا ہے (بخاری، مسلم وغیرہ)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں کچھ لوگ بیٹھے ہوئے تھے جن میں میں بھی تھا انصار میں سے ایک آدمی نے عرض کیا یا رسول اللہ! سب سے عقل مند و ہوشیار آدمی کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ جو موت کو سب سے زیادہ یاد کرتا ہے اور اسکے لئے سب سے زیادہ تیاری کرتا ہے۔ (طبرانی)

(۲) موت کے وقت اللہ کی مغفرت کی امید رکھنا:

عَنْ جَابِرٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَبْل

حضرتِ جابرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے وصال سے صرف تین

مَوْتِہٖ بِثَلاثَۃِ اَیَّامٍ یَقُوْلُ لَا یَمُوْتَنَّ اَحَدُکُمْ اِلَّا وَھُوَ یُحْسِنُ الظَّنَّ بِاللّٰہِ. (رواہ مسلم)

دن پہلے یہ سنا کہ تم میں سے ہر ایک کو ایسی حالت میں موت آنی چاہیئے کہ اس کو اللہ کے ساتھ اچھا گمان ہو۔ (مسلم شریف)

یعنی مرتے وقت اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم پر ہی نظر رکھنی چاہیئے! اور پاس والوں کو بھی چاہیئے کہ وہ ایسی باتیں کریں جن سے اللہ کی رحمت کی امید پیدا ہو۔

(۳) دنیاوی پریشانیوں پر تمنائے موت کی ممانعت

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ لَا یَتَمَنَّیَنَّ اَحَدُکُمُ الْمَوْتَ مِنْ ضُرٍّ اَصَابَہٗ فَاِنْ کَانَ لَا بُدَّ فَاعِلاً فَیَقُلْ (اَللّٰھُمَّ اَحْیِنِیْ مَا کَانَتِ الْحَیٰوۃُ خَیْراً لِیْ وَ تَوَفَّنِیْ اِذَا کَانَتِ الْوَفَاۃُ خَیْراً لِّیْ) (رواہ البخاری ومسلم)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:۔ تم میں سے کوئی شخص کبھی بھی کسی پریشانی ودکھ کیوجہ سے ہرگز ہرگز موت کی تمنا ودعا نہ کرے اور اگر زیادہ ہی لاچار ہو تو یہ دعا کرلے (اے اللہ جب تک میرے لئے زندہ رہنا بہتر ہو تو مجھے زندہ رکھ! اور جب موت میرے لئے بہتر ہو تو اس وقت مجھے اُٹھالے۔ (بخاری ومسلم)

ایک دوسری حدیث میں آپ ﷺ نے اسکی حکمت اس طرح بیان فرمائی اگر وہ نیک ہوگا تو مزید نیک اعمال کریگا اور اگر وہ گناہ گار ہوگا تو آئندہ زندگی میں وہ توبہ کرکے اللہ کو راضی کرلیگا۔ (بخاری)

(۴) خودکشی کی حرمت

عَنْ ثَابِتِ ابْنِ الضَحَّاکِؓ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ مَنْ حَلَفَ بِمِلَّۃٍ غَیْرِ الْاِسْلَامِ کَاذِباً مُتَعَمِّداً فَھُوَ کَمَا قَالَ وَمَن

حضرت ثابت بن ضحاکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے اسلام کے علاوہ کسی اور دین کی جان بوجھ کر جھوٹی قسم کھائی تو وہ ویسا ہی ہے جیسا اس نے کہا اور جس

قَتَلَ نَفْسَهٗ بِحَدِيْدَةٍ عُذِّبَ بِهٖ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ (رواه البخاری)	نے اپنے آپ کو کسی لوہے کے ہتھیار سے قتل کیا اس کو قیامت کے دن اسی آلہ سے دوزخ میں عذاب دیا جائیگا۔ (بخاری وغیرہ)

حضرت جندبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایک زخمی آدمی نے اپنے آپ کو مار ڈالا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:- میرے بندے نے اپنی جان خود ہی دیدی میں نے اس پر جنت حرام کردی ہے (بخاری)

(۵) جان کنی کے وقت کیا کریں

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ لَقِّنُوْ مَوْتَاکُمْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ.. (رواہ مسلم وابو داؤدو الترمذی والنسائی)	حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اپنے مردوں کو یعنی قریب الموت بیماروں کو کلمہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی تلقین کرو۔ (مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی)

اکثر علماء کرام فرماتے ہیں کہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه کی تلقین سے مراد پورا کلمہ طیبہ پڑھوانا ہے اور یہ تلقین تمام فقہاء کے نزدیک مستحب ہے لیکن متوفی کو پڑھنے کیلئے نہ کہیں بلکہ اس کے پاس اس کو سنا کر خود کلمہ طیبہ پڑھیں اور جب ایک مرتبہ کلمہ طیبہ پڑھ لے تو دوبارہ پڑھوانے کی ضرورت نہیں ہے ہاں! اگر اس کے بعد کوئی دنیاوی بات چیت کرے تو دوبارہ پڑھوادیں مگر تنگ نہ کریں کہ اپنی پریشانی میں نہ جانے کیا کہہ دے آخری وقت میں کلمہ طیبہ نصیب ہوجانا بڑی خوش نصیبی کی بات ہے۔

عَنْ مُعَاذِ ابْنِ جَبَلٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ كَانَ آخِرُ كَلَامِهٖ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ رواه ابو دائود)

حضرت معاذ بن جبلؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص کا آخری کلام لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہو وہ جنت میں داخل ہوگا۔ (ابوداؤد شریف)

جب موت کے آثار ظاہر ہو جائیں تو مریض کے پاس سورۃ یٰسٓ پڑھنا بھی مستحب ہے۔

عَنْ مَعْقِلِ ابْنِ يَسَارٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِقْرَءُوْا سُوْرَةَ يٰسٓ عَلٰى مَوْتَاكُمْ..... (رواه ابو داؤد وابنُ ماجه)

حضرت معقل ابن یسارؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ تم اپنے مردوں پر سورۃ یٰسٓ پڑھا کرو۔ (ابوداؤد شریف وابن ماجہ)

اگر بیمار کو تکلیف نہ ہو تو اسکی چار پائی اس طرح کر دیں کہ اس کا منہ قبلہ رخ ہو جائے اور اس وقت مریض کے قریب ایسی باتیں کریں جس سے اس کا ذہن آخرت کی طرف رہے دنیاوی باتیں کر کے اس کا دھیان اس آخری وقت میں دنیا کی طرف کرنا بُرا ہے۔

جب موت واقع ہو جائے تو کیا کریں ؟

عَنْ اُمِّ سَلْمَةَؓ قَالَتْ دَخَلَ النبی ﷺ عَلٰى اَبِیْ سَلْمَةَ وَقَدْ شَقَّ بَصَرُهٗ فَاَغْمَضَهٗ ثُمَّ قَالَ اِنَّ الرُّوْحَ اِذَا قُبِضَ تَبِعَهُ الْبَصَرُ.. (رواه مسلم و ابو داوٗد)

حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ ان کے شوہر حضرت ابوسلمہؓ کے انتقال کے بعد حضور ﷺ تشریف لائے حضرت ابوسلمہؓ کی آنکھیں کھلی رہ گئی تھیں آپ ﷺ نے ان کی آنکھوں کو بند کر کے فرمایا: جب روح جسم سے نکالی جاتی ہے تو اسکے ساتھ بینائی بھی چلی جاتی ہے۔ (ابوداوٗد ومسلم)

لہٰذا جب روح پرواز کر جائے تو سب سے پہلے آنکھیں بند کر دیں، پھر منہ بند کر دیں اور کسی کپڑے کو

ٹھوڑی کے نیچے سے نکال کر سر کے اوپر باندھ دیں تا کہ کھل نہ جائے۔ اگر اس وقت منہ تھوڑی دیر بھی کھلا رہا تو پھر بند نہ ہوگا۔ پھر پاؤں کو سیدھا کر کے دونوں پاؤں کے انگوٹھے جوڑ کر ان کو باندھ دیں اور دونوں ہاتھوں کو دائیں بائیں پہلوؤں پر سیدھا کر کے ہاتھ کی انگلیاں بھی سیدھی کر دیں[1]۔ اور اگر مُردہ قبلہ رُخ نہ ہو تو اس کو قبلہ رخ کر دیں مستدرک حاکم اور بیہقی میں ہے کہ حضرتِ براء ابن معرورؓ نے وصیت فرمائی تھی کہ جب میرا آخری وقت ہو تو مجھے قبلہ رخ کر کے لٹایا جائے۔ جب حضور ﷺ کو ان کی اس وصیت کا علم ہوا آپ ﷺ نے فرمایا: انہوں نے فطرت کے مطابق کیا ہے۔ حضرت فاطمہ زُہرٰیؓ وفات کے وقت قبلہ رخ ہو گئیں اور اپنے سر کو بازوؤں پر رکھ دیا۔ (مسند احمد) ان روایات کا تقاضا ہے کہ اگر مریض کو تکلیف نہ ہو تو موت کے اثار ظاہر ہوتے ہی اس کو قبلہ رخ کر کے لٹا دیں۔ اس کے بعد میت پر کوئی چادر ڈال کر اس کو ڈھانپ دیں۔

عَنْ عائشةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ حِيْنَ تُوَفِّيْ سُجِّيَ بِبُرْدِ حِبْرَةٍ... (رواه البخاری ومسلم)

حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ دنیا سے پردہ فرما گئے تو آپ ﷺ کو ایک حبری یمنی چادر سے ڈھانپ دیا گیا۔ (بخاری ومسلم)

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ پڑھنا:-

عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَا مِنْ مُسْلِمٍ تُصِيْبُهُ مُصِيْبَةٌ فَيَقُوْلُ مَا اَمَرَ اللّٰهُ بِهِ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ اَللّٰهُمَّ اَجِرْنِيْ فِي

حضرت اُمّ سلمہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس مسلمان کو کوئی مصیبت آئے اور وہ اس وقت وہ کہے جو کہنے کا حکم ہے یعنی یہ کہے:- اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ اَللّٰهُمَّ اَجِرْنِيْ فِيْ مُصِيْبَتِيْ

---

[1] وادی کشمیر کے بعض علاقوں میں دیکھا کہ ہاتھوں کو نماز کی حالت کیطرح سامنے رکھ دیتے ہیں مجھے اس بارے میں کوئی روایت تو نہیں ملی لیکن کتب فقہ میں بالاتفاق یہی لکھا ہے کہ ہاتھوں کو پہلوؤں پر سیدھا کر دیں بلکہ فقہاء احناف میں سے بعض نے اس کو ناجائز لکھا ہے کہ اس میں غیر مسلموں کی مشابہت ہے چونکہ وہ میت کے ہاتھ سینہ پر رکھتے ہیں۔

مُصِيْبَتِىْ وَاَخْلِفْ لِىْ خَيْراً مِّنْهَا ...(رواہ مسلم) | وَاَخْلِفْ لِیْ خَیْراً مِّنْھَا ۱ تو اللہ تعالیٰ اس کو کھو جانے والی چیز سے زیادہ بہتر چیز ضرور عطا فرماتا ہے۔ (بخاری ومسلم)

خَیْراً مِّنْھَا اِلَّا اَخْلَفَ اللّٰہُ لَہٗ

حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہے کہ جب میرے شوہر حضرت ابوسلمہؓ کا انتقال ہو گیا تو میں نے اپنے دل میں سوچا کہ میرے شوہر حضرت ابوسلمہؓ سے بہتر کون ہوسکتا ہے؟ وہ سب سے پہلے مسلمان تھے جنھوں نے رسول اللہ ﷺ کیطرف ہجرت کی تاہم۔ میں نے ان کی وفات پر حضور ﷺ کی تعلیم کے مطابق یہی دعا پڑھی تو مجھے اللہ تعالیٰ نے ان کے بدلے رسولِ اکرم ﷺ عطا فرمائے۔ چونکہ حضور ﷺ نے انکی دلجوئی کے لئے ان سے نکاح فرمایا تھا۔

احباب واقارب کو موت کی اطلاع دینا:

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَؓ اَنَّہٗ قَالَ نَعیٰ لَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ النَّجَاشِیَّ صَاحِبَ الْحَبْشَۃِ فِیْ الْیَوْمِ الَّذِیْ مَاتَ فِیْہِ فَقَالَ اِسْتَغْفِرُوْا لِاَخِیْکُمْ.. (رواہ مسلم)

حضرت ابوہریرۃؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں نجاشیؒ کی موت کی اطلاع دی جس دن ان کا انتقال ہوا آپ ﷺ نے فرمایا: تم اپنے بھائی کیلئے مغفرت مانگو۔ (مسلم شریف)

اس کے علاوہ اور بھی بہت سی روایات سے ثابت ہے کہ صحابہ کرام آپس میں ایک دوسرے کو موت کی اطلاع دیتے تھے اور آپ ﷺ کو بھی صحابہؓ کے انتقال کی خبر دی جاتی تھی۔ اور یہ سب کے نزدیک جائز ہے۔ لیکن جگہ جگہ گلی گلی کسی کی موت کا اعلان کرنا تاکہ شہرت ہو اس سے آپ ﷺ نے سختی سے منع فرمایا ہے۔ بعض صحابہ کرامؓ مطلقاً اطلاع دینے سے بھی منع فرماتے تھے کہ یہ دورِ جہالت کی رسم ہے۔ علماء کرام نے ان دونوں طرح کی روایتوں میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ اطلاع کر دینا تو اچھا ہے لیکن جگہ جگہ اعلان کرنا مکروہ ہے۔

---

۱ ہم اللہ ہی کے ہیں اور اللہ ہی کیطرف ہمیں لوٹ کر جانا ہے۔ اے اللہ مجھے میری مصیبت میں اجر عطا فرما اور جو چیز مجھ سے چلی گئی ہے اس سے بہتر مجھے عطا فرما۔

موت کے صدمہ پر صبر اور اس کا ثواب:

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ یَقُوْلُ اللّٰہُ مَا لِعَبْدِیَ الْمُؤْمِنِ جَزَاءٌ اِذَا قَبَضْتُ صَفِیَّہٗ مِنْ اَھْلِ الدُّنْیَا ثُمَّ احتَسَبَہٗ اِلَّا الْجَنَّۃَ.. (رواہ البخاری)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اپنے مومن بندے کے کسی پیارے کو جب میں اٹھالوں پھر وہ ثواب کی امید میں صبر کرے تو میرے پاس اس کیلئے سوائے جنت کے کوئی بدلہ نہیں ہے۔ (بخاری ونسائی)

ایک دوسری روایت میں ہے کہ جس شخص کی تین اولاد جوان ہونے سے پہلے اللہ کو پیاری ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ اس کو ضرور جنت میں داخل کریگا۔ (بخاری ونسائی)

حضرت معاذؓ کا ایک صاحبزادہ اللہ کو پیارا ہوگیا تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو ایک تعزیتی پیغام ارسال فرمایا جسکے آخر میں لکھوایا ''اے معاذ صبر کرو ایسا نہ ہو کہ تمہارا واویلا کرنا تمہارے اجر کو ضائع کردے۔ پھر تمہیں ندامت ہو اور جان لو کہ جزع فزع سے نہ تو مرنے والا واپس آتا ہے اور نہ ہی رنج وغم دور ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو ہونے والا ہے وہ ہو کر رہتا ہے بلکہ وہ تو ہو چکا ہے۔'' (طبرانی)

لیکن یاد رکھیئے! کہ صبر سے مراد بھی خاص مصیبت کے وقت شروع میں ہی صبر کرنا ہے پھر رفتہ رفتہ تو خود ہی صبر آجاتا ہے۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ ایک ایسی عورت کے پاس سے گزرے جو اپنے بیٹے کے انتقال پر رو رہی تھی تو آپ ﷺ نے فرمایا اللہ سے ڈر اور صبر کر اسنے جواب دیا تم کو میری جیسی مصیبت نہیں پہنچی ہے۔ لیکن جب آپ ﷺ تشریف لے گئے اور لوگوں نے اس کو بتایا کہ یہ تو حضور ﷺ تھے۔

فَاَخَذَھَا مِثْلُ الْمَوْتِ فَاَتَتْ بَابَہٗ فَلَمْ تَجِدْ عَلٰی بَابِہٖ بَوَّابِیْنَ فَقَالَتْ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ لَمْ اَعْرِفْکَ فَقَالَ اِنَّمَا الصَّبْرُ عِنْدَ اَوَّلِ الصَّدْمَۃِ.. (رواہ مسلم)

تو اس کو وہ جواب دینا ایسا گراں ہوا جیسا کہ اسکی موت ہوگئی ہو۔ تو وہ (جلدی میں) آپ ﷺ کے دروازہ پر آئی اور اس نے وہاں (دنیاداروں کیطرح) چوکیدار نہیں پائے۔ پھر اس نے عرض کیا اے رسول اللہ ﷺ میں نے آپ ﷺ کو پہچانا نہیں تھا آپ ﷺ نے فرمایا: صبر تو وہی ہے جو صدمہ کے شروع میں ہو۔ (مسلم شریف)

اورقرآنِ کریم میں صبر کرنے کا بہترین طریقہ یہ بتایا گیا ہے کہ آدمی نماز میں مشغول ہو جائے، ذکر الٰہی میں لگ جائے۔تا کہ اپنی توجہ دوسری طرف ہو جائے۔(سورۃ بقرۃ)

میت پر آنسو بہانے کی اجازت

عَنْ اَنَسٍ ؓ قَالَ دَخَلْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ عَلٰی اَبِیْ سَیْفِ الْقِیْنِ وَکَانَ ظِئْرًا لِاِبْرَاھِیْمَ فَاَخَذَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ فَقَبَّلَہٗ وَشَمَّہٗ ثُمَّ دَخَلْنَا عَلَیْہِ بَعْدَ ذَالِکَ وَاِبْرَاھِیْمُ یَجُوْدُ بِنَفْسِہٖ فَجَعَلَتْ عَیْنَا رَسولِ اللّٰہِ ﷺ تَذْرِ فَانِ فَقَالَ لَہٗ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ اِبْنَ عَوْفٍ وَاَنْتَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ ﷺ ؟ فَقَالَ یَاابْنِ عَوْفٍ اِنَّھَا رَحْمَۃٌ ثُمَّ اَقْبَعَھَا بِاُخْرٰی فَقَالَ اِنَّ الْعَیْنَ تدمَعُ وَالْقَلْبُ یَحْزُنُ وَلَا نَقُوْلُ اِلَّا مَا یَرْضٰی رَبُّنَا وَاِنَّا بِفِرَاقِکَ یَا اِبْرَاھِیْمُ لَمَحْزُنُوْنَ.

(رواہ البخاری ومسلم)

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ہم حضور ﷺ کے ہمراہ ابوسیفؓ لوہار کے یہاں گئے جو اس خاتون کے شوہر تھے جو آپ ﷺ کے صاحبزادے حضرت ابراہیمؓ کو دودھ پلاتی تھیں تو آپ ﷺ نے حضرتِ ابراہیمؓ کو لیکر بوسہ دیا اور پیار کرتے ہوئے اپنی ناک مبارک ان کے رخساروں پر رکھی۔ پھر ایک دوسری مرتبہ ہم حضرت ابراہیمؓ کی بیماری میں وہاں گئے اس وقت وہ جان دے رہے تھے ان کی یہ حالت دیکھ کر رسول اللہ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگ گئے۔اس پر حضرت عبدالرحمان ابن عوفؓ نے عرض کیا! یارسول اللہ ﷺ آپ بھی روتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا:۔اوعوف کے بیٹے! یہ دردمندی اور رحمت ہے، آپ ﷺ کی آنکھوں میں دوبارہ آنسو بھر آئے تو آپ ﷺ نے فرمایا آنکھیں آنسو بہاتی ہیں اور دل غمگین ہے۔مگر زبان سے ہم وہی کہیں گے جو اللہ کو پسند ہو اور اے ابراہیم ہم تمہاری جدائی پر غمگین ہیں۔

(بخاری ومسلم)

اسی طرح اور بھی بہت سے مواقع پر آپ ﷺ سے آنسوں بہانا ثابت ہے۔لہٰذا عزیز واقارب کے انتقال پر آنسو بہانا جائز ہے لیکن نوحہ کرنا، سر پیٹنا، چہرہ نوچنا، کپڑے پھاڑنا اور چلانا جاہلیت کی رسم ہے جس سے آپ ﷺ نے سختی سے منع فرمایا ہے۔

میت پر نوحہ و ماتم کرنیکی ممانعت

عَـنْ عَبْـدِ اللهِ ابْـنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ لَيْـسَ مِنَّا مِنْ ضَرَبَ الْـخُـدُوْدَ وَشَـقَّ الْـجُيُوْبَ وَدَعٰى بِدَعْوٰى الْجَاهِلِيَّةِ (رواه البخاری ومسلم)

حضرتِ عبداللہ ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو موت کے وقت اپنے رخساروں پر تمانچے مارے اور منہ پیٹے گریبان پھاڑے، اور جاہلیت کے طریقہ پر بین اور واویلا کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ (بخاری ومسلم)

حضرتِ ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں جو عورت ماتم کرے اور جو اسکی ماتم کو سنے حضور ﷺ نے ان پر لعنت فرمائی ہے۔ (ابوداؤد)

ہمارے یہاں کے غیر مسلموں کی طرح عرب کے مشرکین بھی رشتیداروں کی موت پر سر منڈا دیتے تھے آپ ﷺ نے اس سے بھی منع فرمایا اور فرمایا:۔

اَنَـا بَـرِئٌ مِّـمَّـنْ حَلَقَ وَسَلَقَ وَخَرَقَ ..... (رواه البخاری ومسلم)

میں اس شخص سے بے تعلق اور بری ہوں جو کسی کی موت پر سر منڈائے اور جہالیت کیطرح چلائے اور کپڑے پھاڑے۔ (بخاری ومسلم)

مسندِ احمد کی ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جاہلیت کی دو رسمیں ایسی ہیں جنہیں لوگ چھوڑیں گے نہیں ایک ماتم کرنا دوسرے نسب کا طعنہ دینا۔

میت پر بین اور واویلا کرنے سے اس کو عذاب ہوتا ہے

عَـنْ عَبْـدِ اللهِ ابْـنِ عُـمَـرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَالَ اِنَّ الْمَيِّتَ يُعَذَّبُ بِبُكَاءِ الْحَيِّ.. (رواه البخاری ومسلم)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میت کو زندوں کے اس پر رونے سے عذاب دیا جاتا ہے۔ (بخاری ومسلم)

اس مضمون کی حدیثیں دوسرے بھی کئی صحابہ کرامؓ سے صحیح سند کے ساتھ مروی ہیں لیکن حضرت

عائشہ صدیقہؓ اور کچھ دوسرے صحابہ کرامؓ اس سے اختلاف کرتے تھے۔ اور فرماتے تھے کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ایک اصول بیان فرمایا ہے کہ وَلَا تَــزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْـرٰی o اور کوئی کسی کا بوجھ نہیں اُٹھائیگا۔ پھر روئیں زندہ اور عذاب متوفی کو ہو یہ کیسے ہوسکتا ہے؟

علماء کرام نے ان دونوں طرح کی روایتوں میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ زندہ لوگوں کے رونے سے متوفی کو تب عذاب ہوتا ہے جب ان کے ماتم کرنے بین کرنے اور چلانے میں متوفی کا دخل ہو مثلاً اس نے رونے کی وصیت کی ہو یا اس نے اپنی زندگی میں بین کرنیکا رواج ڈالا ہو، یا اس کے گھر والے اس کی زندگی میں اسطرح روتے ہوں مگر اس نے ان کو منع نہ کیا ہو۔ واللہ اعلم۔

کسی کے مرنے پر سوگ کرنے کی مدت

عَـنْ اُمِّ حَبِيْبَةَ وَزَيْـنَـبَ بِنْتِ جَـحْـشٍ عَنْ رَّسُوْلِ اللهِ ﷺ قَـالَ لَا يَحِلُّ لِامْرَأَةٍ تُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَـوْمِ الْآخِـرِ اَنْ تُـحِـدَّ عَلٰى مَيِّتٍ فَوْقَ ثَلَاثِ لَيَالٍ اِلَّا عَلٰى زَوْجٍ اَرْبَـعَةَ اَشْهُـرٍ وَّعَشْراً. (رواہ البخاری ومسلم)

حضرت ام حبیبہؓ اور حضرت زینب بنت جحشؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:۔ کسی ایسی عورت کیلئے جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتی ہو یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کسی کے مرنے پر تین دن سے زیادہ سوگ منائے ہاں! وہ اپنے شوہر کے انتقال پر چار ماہ دس دن تک سوگ منائیگی۔ (بخاری ومسلم)

یہاں اگرچہ عورت کا ذکر ہے چونکہ عورت زیادہ کمزور دل ہوتی ہے لیکن یہ حکم تمام رشتیداروں، مردوں اور عورتوں کیلئے عام ہے کہ وہ عزیز و اقارب کے انتقال پر زیادہ سے زیادہ صرف تین دن تک سوگ وغم منا سکتے ہیں اس کے بعد نہیں ہاں متوفی کی بیوہ اپنی عدت کے ایام چار ماہ دس دن تک سوگ منائیگی اس درمیان خوشبو سرمہ وغیرہ ایسی چیز کا استعمال منع ہے جس سے زینت کا اظہار ہو۔

یہ جو بعض مقامات پر کئی دن تک چولہا نہ جلانے اور سوگ کرنے کا رواج ہے یہ اس حدیث کے خلاف ہے۔

میت کا قرض ادا کرنے میں جلدی کرنا

جب کسی کا انتقال ہوجائے تو اور باتوں کے علاوہ ایک اہم بات یہ بھی ہے کہ اس کے قرض ادا کرنے میں جلدی کیجائے اگر متوفی نے کچھ ترکہ (مال و دولت) چھوڑا ہو تو تدفین و تکفین کرنے کے علاوہ سب سے پہلے اس میں سے اس کا قرض ادا کریں اور اگر بیوی کا مہر ابھی تک ادا نہ کیا گیا ہو تو وہ بھی قرض ہے اس کا ادا کرنا بھی ضروری ہے حضور ﷺ نے قرض ادا کرنے کی سخت تاکید فرمائی ہے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ نَفْسُ الْمُؤْمِنِ مُعَلَّقَةٌ بِدَیْنِہٖ حَتّٰی یُقْضٰی عَنْهُ......

(رواہ الترمذی و ابن ماجه)

حضرتِ ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:- مومن کی جان قرض کے ساتھ لٹکی ہوئی ہے یہاں تک کہ اس کی طرف سے وہ ادا کردیا جائے۔

(ترمذی و ابن ماجہ)

مسند احمد میں حضرتِ عبداللہ بن جحش سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جسکے قبضہ میں محمد ﷺ کی جان ہے اگر کوئی شخص اللہ کی راہ میں شہید کیا جائے پھر زندہ ہو پھر شہید کیا جائے، پھر زندہ ہو پھر اللہ کی راہ میں شہید کیا جائے اور اس پر قرض ہو تو وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا یہاں تک کہ اس کا قرض ادا کردیا جائے۔

اس لئے اگر متوفی نے کچھ ترکہ چھوڑا ہو تو سب سے پہلے اس میں سے اس کا قرض ادا کیا جائے۔
حضرت سعدؓ فرماتے ہیں کہ میرے بھائی کا انتقال ہوگیا اور اس نے تین سو اشرفیاں چھوڑیں اور اس کے چھوٹے چھوٹے بچے رہ گئے میں نے ارادہ کیا کہ ان اشرفیوں کو ان بچوں پر خرچ کروں۔ مگر آپ ﷺ نے مجھے فرمایا:- تمہارا بھائی اپنے قرض میں قید ہے تم اس کا قرض ادا کرو! تو میں نے پہلے ان اشرفیوں میں سے ان کا قرض ادا کیا۔ (مسند احمد)

اور اگر متوفی نے کچھ چھوڑا ہی نہ ہو تو پھر اگر قرض خواہ اس کا قرض معاف کردیں ایسے ہی اسکی رفیقۂ زندگی اپنا مہر معاف کردے تو وہ بڑے ثواب کے مستحق ہوں گے۔ اور میت بھی قرض کی قید

سے رہائی پالیگا۔حضرتِ ابوالیسیرؓ رسولِ اکرم ﷺ کا یہ ارشاد پاک نقل کرتے ہیں

مَنْ اَنْظَرَ مُعْسِرًا اَوْ وَضَعَ عَنْهُ اَظِلَّهُ اللهُ فِیْ ظِلِّهٖ..... (رواہ ومسلم)

جس نے کسی محتاج قرض دار کو مہلت دی یا اس کو قرض معاف کردیا تو اللہ تعالیٰ اس کو اپنے خاص سایہ میں جگہ عطا کریگا۔(مسلم)

اور اگر قرض خواہ بھی معاف نہ کریں پھر اگر کوئی صاحبِ ہمت اہلِ دل اپنی طرف سے اس کے قرض کو ادا کردے تو بڑے ہی ثواب کی بات ہے۔حضور ﷺ قرضدار میت کی خود نمازِ جنازہ اس وقت تک نہ پڑھاتے تھے جب تک کوئی اس کے قرض کی ذمہ داری نہ لے لیتا تھا۔اور جب اللہ نے فتوحات و غنیمتیں عطا فرمادیں تب آپ ﷺ قرضدار جنازہ کا قرض اپنی طرف سے ادا فرمادیتے تھے۔اللہ اپنے فضل سے تمام ایمان والوں کو قرض کے بوجھ سے محفوظ رکھے۔آمین

میت کی تجہیز و تکفین میں جلدی کرنا

جب کسی کی موت واقع ہو جائے تو پھر اسکی تجہیز و تکفین میں یعنی کفن و دفن کے انتظام کرنے میں جلدی کرنی چاہیئے بلاوجہ تاخیر کرنا بالکل درست نہیں ہے۔

عَنْ حُصَیْنِ ابْنِ وَحْوَحٍ اَنَّ طَلْحَةَ ابْنَ الْبَرَاءِ مَرِضَ فَاَتَاهُ النَّبِیُّ ﷺ یَعُوْدُهُ فَقَالَ اِنِّیْ لَا اُرٰی طَلْحَةَ اِلَّا قَدْ حَدَثَ بِهِ الْمَوْتُ فَاٰذِنُوْنِیْ بِهٖ وَعَجِّلُوْا فَاِنَّهُ لَا یَنْبَغِیْ لِجِیْفَةِ مُسْلِمٍ اَنْ تُحْبَسَ بَیْنَ ظَهْرَانَیْ اَهْلِهٖ (رواہ ابو داؤد)

حضرت حصین ابن وحوح فرماتے ہیں کہ حضرت طلحہ ابن برار بیمار ہوگئے تو آپؐ ان کی عیادت کیلئے تشریف لائے اور ان کی حالت دیکھ کر فرمایا: میں یہی محسوس کرتا ہوں کہ ان کی موت کا وقت آہی گیا ہے۔لہٰذا جب ان کا انتقال ہوجائے تو مجھے اطلاع دینا اور ان کی تجہیز و تکفین میں جلدی کرنا اس لئے کہ مسلمان کی میت کیلئے مناسب نہیں ہے کہ وہ اس کے گھر والوں کے درمیان روک کر رکھی جائے۔

(ابوداؤد)

حضرت علیؓ کی مشہور روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:- تین کام کرنے میں دیر نہ کرو! ایک نماز جب اس کا وقت ہو جائے دوسرے جنازہ جبکہ موت ہو جائے تیسرے کسی عورت کی شادی جبکہ اس کیلئے مناسب رشتہ مل جائے۔(ابنِ ماجہ، ترمذی، مسند احمد)

اگر کسی کا رات کے وقت انتقال ہو جائے تو اگر رات ہی کو اس کے کفن دفن کا انتظام ہو سکے پھر شب میں ہی اس کو دفن کر دیں دن کا انتظار نہ کریں۔ بخاری شریف میں ہے وَ دُفِنَ اَبُوْبَکْرٍ ؓ لَیْلاً یعنی حضرتِ ابوبکرؓ رات ہی میں دفن کئے گئے ان کے علاوہ حضرتِ فاطمہ زہریؓ اور کئی دوسرے صحابہ کرامؓ کے متعلق ان کے حالات میں بھی لکھا ہے کہ ان کو رات ہی میں دفن کیا گیا۔ الغرض تجہیز و تکفین میں امکانی حد تک جلدی کرنی چاہیئے۔

غسل میت اور اس کے مسائل

غسل میت کا حکم

جمہور علماء کرام کے نزدیک میت کو غسل دینا فرضِ کفایہ ہے یعنی ہے تو ضروری لیکن اگر چند لوگ اس فریضہ کو ادا کرلیں تو باقی سے یہ فریضہ ساقط ہو جائیگا اور یہ آپ ﷺ کے عمل وقول سے ثابت ہے اور میت کے غسل دینے میں اپنی سعادت سمجھنی چاہئے۔

عَنْ اَبِیْ رَافِعٍ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ مَنْ غَسَلَ مَیِّتًا فَکَتَمَ عَلَیْهِ غُفِرَلَهٗ اَرْبَعُوْنَ کَبِیْرَةً (رواہ البیھقی والطبرانی واحمد)

حضرتِ ابورافعؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص میت کو غسل دے اور چھپائے اس بات کو جو ظاہر کرنے کے قابل نہ ہو تو اس کے چالیس کبیرہ گناہ بخش دئے جاتے ہیں (مسند احمد، طبرانی، بیہقی)

حضرتِ معاویہ بن خدیجؓ سے موقوفاً روایت ہے کہ جس شخص نے کسی میت کو غسل دیا اور اسے کفن پہنایا اور اسکے جنازہ کے ساتھ گیا تو وہ اس طرح لوٹتا ہے کہ اس کے تمام گناہ معاف ہوتے ہیں۔ (مسند احمد)

میت کو غسل دینے کا سب سے زیادہ حق کس کا ہے؟

حضرتِ عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے میت کو غسل دیا وراس میں امانت کو ادا کیا (یعنی سنت کے مطابق غسل دیا) اور اگر میت سے کوئی ناپسندیدہ بات معلوم ہوئی تو اس کو ظاہر نہ کیا تو وہ اپنے گناہوں سے اس دن کی طرح نکل جاتا ہے جس دن وہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا اور چاہئے کہ تم میں سے جو شخص میت سے قریب کا تعلق رکھتا ہو وہ اس کو غسل دے بشرطیکہ اس کو علم ہو اور اگر اس کو علم نہ ہو تو پھر وہ شخص اس کو غسل دے جسکو تم متقی اور امانت دار سمجھتے ہو۔ (مسند احمد، بیہقی، طبرانی،)

تمام فقہاء کرام کا اس پر اتفاق ہے کہ میت کو وہ شخص غسل دے جو قرابت میں اس سے زیادہ قریب ہو اور اگر اس کو سنت طریقہ معلوم نہ ہوتو پھر متقی وامانت دار آدمی سے غسل دلوانا چاہیئے ۔معلوم ہوا میت کو غسل دینا بڑی خوش نصیبی اور ثواب کا کام ہے لیکن بعض جگہ دیکھا گیا کہ کرایہ کے غسال رکھے ہوتے ہیں اور عام لوگ غسل میت کو اپنی شان کے خلاف ومعیوب سمجھتے ہیں جیسا کہ ان کو مرنا ہی نہیں ۔

مسئلہ:- اگر کبھی مجبوری سے اُجرت دیکر غسل دلوانا پڑے تو اُجرت دینا تو بوجہ عذر جائز ہے لیکن غسلِ میت چونکہ ایک نیکی کا کام ہے اس لئے اس پر اُجرت لینے کو علامہ ابنِ ہمامؒ نے ناجائز لکھا ہے ۔(فتح القدیر) نیز مرد میت کو چاہیئے کہ مرد ہی غسل دیں اور عورتوں کو عورتیں ۔

اگر کوئی مرد موجود نہ ہوتو بیوی اپنے شوہر کو غسل دے

اگر کسی مرد کا ایسی جگہ پر انتقال ہو جائے جہاں کوئی مرد موجود نہ ہوتو کوئی اور عورت تو مرد کو غسل نہیں دے سکتی لیکن اسکی بیوی اگر موجود ہوتو وہ اس کو غسل دیگی ۔اس پر تمام آئمہ کا اتفاق ہے ابو داوٗد شریف میں ہے۔

وَكَانَتْ عَائِشَةُ تَقُوْلُ لَوِ اسْتَقْبَلْتُ مِنْ اَمْرِیْ مَااسْتَدْبَرْتُ مَا غَسَلَهٗ اِلَّا نِسَاءُ هٗ....

حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں جو بات مجھے بعد میں یاد آئی اگر پہلے یاد آتی تو حضور ﷺ کو آپ ﷺ کی بیویاں ہی غسل دیتیں ۔

اور صحابہ کرامؓ میں سے بھی کئی صحابہؓ کو ان کی بیویوں نے غسل دیا مثلاً حضرتِ ابوبکر صدیقؓ کو ان کی بیوی حضرتِ اسماء بنتِ عمیسؓ نے اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو ان کی اہلیہ حضرتِ ام عبداللہؓ نے غسل دیا تھا (المغنی لابن قدامہ) ان روایات سے امت نے بالاتفاق یہی سمجھا ہے کہ بیوی اپنے شوہر کی میت کو غسل دے سکتی ہے۔

لیکن اگر عورت کا انتقال ایسی جگہ ہو جائے جہاں کوئی عورت موجود نہ ہو البتہ اس کا شوہر موجود ہوتو کیا خاوند اپنی بیوی کی میت کو غسل دے سکتا ہے یا نہیں؟ اس بارے میں اہلِ علم حضرات کے درمیان اختلاف ہے ۔علماء احناف اور ایک روایت کے اعتبار سے امام احمدؒ کا مسلک یہ ہے کہ جب بیوی کا انتقال ہوجائے تو رشتۂ زوجیت ختم ہو جاتا ہے لہٰذا بیوی کی میت کو نہ شوہر غسل دے سکتا ہے نہ بغیر پردہ

چھوسکتا ہے۔اور بیوی شوہر کی میت کو اس وجہ سے نہلا سکتی ہے چونکہ شوہر کے مرنے کے بعد چار ماہ دس دن تک عدت باقی رہتی ہے اور رشتہ زوجیت بالکل ختم نہیں ہوتا ہے۔

لیکن اس کے برخلاف علماء شوافع، مالکیہ اور اکثر علماء حنابلہ کا مسلک یہ ہے کہ جس طرح مرد اپنی بیوی کی میت کو غسل دے سکتا ہے ایسے ہی بیوی بھی اپنے شوہر کو مرنے کے بعد غسل دے سکتی ہے [۱]۔

ان حضرات کی متدل یہ روایات ہیں۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ لَوْ مُتِّ قَبْلِیْ لَغَسَلْتُکِ

حضرتِ عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں حضور ﷺ نے مجھ سے فرمایا اگر تم مجھ سے پہلے مرتیں تو میں تم کو غسل دیتا۔

(رواہ احمد وابن ماجہ) (مسند احمد، ابنِ ماجہ)

نیز دارِقطنی اور بیہقی میں ہے کہ حضرتِ فاطمہ زہریؓ کو حضرتِ علی کرم اللہ وجہہ نے غسل دیا تھا علماء احناف ان روایات کے بارے میں یہ فرماتے ہیں کہ اگر ایسا جائز ہوتا تو پھر اور صحابہ کرام بھی اپنی بیویوں کو غسل دیتے۔لہٰذا ممکن ہے کہ حضرتِ عائشہ صدیقہؓ سے آپ ﷺ کا یہ فرمانا ''اگر تم میرے سامنے مرتیں تو میں تمہیں غسل دیتا،، سے مراد یہ ہو کہ میں تمہارے غسل کا انتظام کرتا ایسے ہی حضرتِ علیؓ کا حضرتِ فاطمہؓ کو غسل دینے سے بھی ہوسکتا ہے یہی مراد ہو کہ انہوں نے حضرتِ فاطمہؓ کے غسل کا انتظام کیا تھا چونکہ دارِقطنی میں ہی یہ روایت بھی ہے کہ حضرتِ فاطمہؓ کو حضرتِ اسماء بنتِ عمیسؓ نے غسل دیا تھا [۲]۔واللہ اعلم۔

چھوٹے بچے، بچیوں کو مرد و عورت سب غسل دے سکتے ہیں

چھوٹا بچہ جو ابھی اچھی طرح بات نہ کرسکتا ہو کو عورتیں غسل دے سکتی ہیں ایسے ہی وہ چھوٹی بچی جو ابھی بات اچھی طرح نہ کرسکتی ہو کو مرد بھی غسل دے سکتا ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

---

[۱] اہلِ حدیث علماء کرام کا بھی یہی مسلک ہے [۲] اس واقعہ کی اور بھی توجیہیں کی گئی ہیں۔

اگر کوئی مرد یا کوئی عورت اجنبیوں میں انتقال کرے تو

حضرتِ مکحولؒ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب کوئی عورت مر جائے اور وہاں مردوں کے سوا کوئی عورت نہ ہو ایسے ہی کوئی مرد مر جائے اور وہاں عورتوں کے سوا کوئی مرد نہ ہو تو ایسے مرد و عورت کو تیمّم کرایا جائے اور دفن کر دیا جائے۔ وہ دونوں ایسے شخص کے مانند ہیں جسکو پانی نہ ملے (یعنی جیسے پانی نہ ملنے کی شکل میں تیمّم کرایا جاتا ہے (مراسیلِ ابوداؤد)

لہٰذا ایسی اجنبی عورت کو مرد صرف تیمّم کرائیں اور ایسے اجنبی مرد کو عورتیں تیمّم کرا کے دفن کریں گی نیز علماء کرام فرماتے ہیں تیمّم کرانے والے کو ہاتھوں میں دستانے پہن لینا چاہئے! چونکہ اجنبی مرد و عورت کو ننگے ہاتھ چھونا درست نہیں ہے۔ یہ مسلک جمہور علماء کرام (حنفی، مالکی حنبلی) کا ہے[۱] لیکن امامِ شافعیؒ کے نزدیک چونکہ مرسل روایت حجت نہیں ہے[۲]۔ وہ فرماتے ہیں کہ ایسے وقت تیمّم کے بجائے کپڑے اتارے بغیر اوپر ہی سے دستانے پہن کر غسل دیدیا جائے۔ واللہ اعلم۔

میت کو غسل دینے کا مسنون طریقہ

عَنْ اُمِّ عَطِیَّةَ ؓ قَالَتْ دَخَلَ عَلَیْنَا رَسُوْلُ اللهِ ﷺ وَنَحْنُ نَغْتَسِلُ اِبْنَتَهٗ فَقَالَ اِغْسِلْنَهَا ثَلَاثًا اَوْ خَمْسًا اَوْاَكْثَرَ مِنْ ذَالِکَ اِنْ رَأَیْتُنَّ ذَالِکَ بِمَاءٍ وَسِدْرٍ وَاجْعَلْنَ فِی الْاٰخِرَةِ كَافُوْرًا اَوْ شَیْئًا مِنْ كَافُوْرٍ فَاِذَافَرَغْتُنَّ فَاٰذِنَّنِیْ فَلَمَّا فَرَغْنَا آذَنَّاهُ فَاَلْقٰی اِلَیْنَا

حضرت امِ عطیہؓ سے روایت ہے کہ ہم حضور ﷺ کی صاحب زادی حضرتِ زینبؓ کو غسل دے رہی تھیں کہ حضور ﷺ گھر میں تشریف لائے اور ہم سے فرمایا:- اس کو بیری کے پتوں میں جوش دیئے ہوئے پانی سے تین بار یا پانچ بار یا اور اگر تم ضرورت محسوس کرو تو اس سے بھی زیادہ مرتبہ غسل دینا! اور آخری دفعہ پانی میں کافور بھی شامل کرنا یا آپ ﷺ نے یوں فرمایا: کہ کچھ کافور ملا لینا اور جب تم غسل سے فارغ ہو جاؤ تو مجھے اطلاع کرنا حضرتِ ام عطیہؓ فرماتی ہیں

---

[۱] اہل حدیث حضرات کا بھی یہی مسلک ہے کما صرح به الشیخ عبدالرحمٰن المبارکفوریؒ۔ [۲] یہ روایت مرسل ہے مرسل ایسی روایت کو کہتے ہیں جسمیں صحابیؓ کا نام موجود نہ ہو بلکہ تابعی صحابی کا نام لئے بغیر ہی کہے کہ حضور ﷺ نے ایسے فرمایا۔

حِقْوَهٗ فَقَالَ اِشْعَرْ نَهَا اِیَّاهُ وَفِیْ رِوَایَةِ اِغْسِلْنَهَا ثَلَاثًا اَوْ خَمْسًا اَوْ سَبْعًا وَابْدَأْنَ بِمَیَا مِنِهَا وَمَوَاضِعِ الْوُضُوْءِ مِنْهَا (روک فی المشکوة عَنِ البخاری ومسلم)

کہ پھر جب ہم فارغ ہوگئیں تو ہم نے آپ ﷺ کو اطلاع کردی تو آپ نے ہماری طرف اپنی تہبند مبارک پھینک دی اور فرمایا: ان کو سب سے پہلے اس میں لپیٹنا اور اسی حدیث کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ غسل تین بار یا پانچ بار یا سات بار دینا اور دائیں طرف سے شروع کرنا اور وضو کے اعضاء سے شروع کرنا۔ (بخاری و مسلم)

اس روایت سے اگرچہ یہ معلوم نہیں ہوتا کہ حضرتِ زینبؓ کو کتنے کپڑوں میں کفن دیا گیا لیکن یہی حدیث ایک دوسری سند کے ساتھ مروی ہے جس کے آخر میں ہے۔

فَکَفَّنَا هَا فِیْ خَمْسَةِ اَثْوَابٍ وَ خَمَرْ نَا هَا کَمَا یُخْمَرُ الحَیُّ (رواہ فی فتح الباری)

ہم نے ان کو پانچ کپڑوں میں کفنایا اور ان کو اوڑھنی بھی اوڑھائی جسطرح زندوں کو اوڑھاتے ہیں۔ (فتح الباری)

ایک اور روایت دیکھئے!

عَنْ اُمِّ عَطِیَّةَؓ قَالَتْ تُوَفِّتْ اِحْدٰی بَنَاتِ النَّبِیِّ ﷺ فَاَرْسَلَ اِلَیْنَا فَقَالَ اِغْسِلْنَهَا بِمَاءٍ وَّ سَدْرٍ وَاغْسِلْنَهَا وَتْرًا ثَلَاثًا اَوْ خَمْسًا اَوْ سَبْعًا اِنْ رَأَیْتُنَّ ذَالِکَ وَجْعَلْنَ فِیْ الْاٰخِرِ شَیْئًا مِّنْ کَافُوْرٍ.. (رواہ النسائی)

حضرت ام عطیہؓ فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ کی ایک صاحبزادی کا انتقال ہوگیا آپ ﷺ نے ہم کو بلایا اور فرمایا ان کو غسل دو پانی اور بیری کے پتوں میں اور ان کو طاق مرتبہ غسل دو تین بار یا پانچ بار یا سات بار اگر تم ضرورت محسوس کرو تو اور آخر میں تھوڑا سا کافور ملا لینا۔ (نسائی شریف)

معلوم ہوا کہ مقصود طاق عدد ہے غسل کے طریقہ کے سلسلہ میں حضرتِ اُمِّ عطیہؓ کی یہ روایت دوسری تمام روایات سے زیادہ صریح اور صحیح ہے اس لئے تمام عُلماء کرام کا اسی پر عمل ہے اور اس روایت کے مطابق غسل کا یہ طریقہ بیان کیا گیا ہے کہ سب سے پہلے غسل کیلئے ایک دو مٹھی بیری کے پتے ڈالکر پانی گرم

کرلیں اگر بیری کے پتے میسر نہ ہوں تو سادہ پانی ہی نیم گرم کرلیں۔ اور جہاں غسل دینا ہو وہاں پردہ کا انتظام کرلیں پانی کے نکاس کیلئے نالی بھی بنالیں پھر کوئی پاک صاف تختہ رکھیں جس پر رکھ کر میت کو غسل دینا ہے پھر میت کو لاکر اس تختہ پر رکھیں اور بعض علماء کرام نے لکھا ہے کہ اگر بآسانی ممکن ہو تو اس طرح قبلہ رخ رکھیں جسطرح قبر میں میت رکھی جاتی ہے[۱] (فتح الباری) پھر کسی موٹے کپڑے کی لنگی سے میت کا ستر چھپائیں اتنا موٹا کپڑا ہونا ضروری ہے کہ بھیگنے کے بعد اس میں ستر نظر نہ آئے اس کے بعد میت کے کپڑے چاک کرکے تہبند کے اندر ہی اندر سے اس طرح نکالیں کہ ناف سے گھٹنے تک کا ستر نظر نہ آئے پھر غسل دینا شروع کریں تو پہلے اپنے ہاتھوں پر دستانے وغیرہ لگالیں تاکہ ستر کی جگہ ننگا ہاتھ نہ لگے پھر میت کو تین یا پانچ ڈھیلوں سے استنجا کرائیں اور پھر پانی ڈالکر پاک بھی کرائیں۔ پھر میت کو سنت کے مطابق وضو کرائیں لیکن پہلے نہ تو دونوں ہاتھوں کو گھٹنوں تک دھوئیں اور نہ ہی کلی کرائیں اور نہ ناک میں پانی ڈالیں بلکہ روئی کا پھایہ یا کوئی کپڑا ابھگو کر انگلیوں پر لپیٹ کر تین مرتبہ دانتوں اور مسوڑوں پر پھیر دیں اور ہر مرتبہ نیا پھایہ یا کپڑا لیں پھر اسی طرح تین بار ناک صاف کریں[۲]۔ لیکن اگر میت پر پہلے سے غسل فرض ہو مثلاً وہ جنبی ہو یا حیض یا نفاس والی خاتون ہو تو اس کو کلی کرانا اور ناک میں پانی ڈالنا ضروری ہے پانی ڈالکر کپڑے سے نکال لیں۔

اس کے بعد ناک اور کانوں میں روئی رکھدیں تاکہ غسل کے دوران پانی اندر نہ چلا جائے۔ جب وضو کرا چکیں تو سر کو خطمی یا صابن سے اچھی طرح مل کر دھوئیں۔ پھر میت کو بائیں کروٹ پر لٹا کر تین مرتبہ دائیں کروٹ پر اتنا پانی ڈالیں کہ نیچے سے نکل جائے اس کے بعد دائیں کروٹ پر لٹا کر بائیں طرف ایسے ہی اتنا پانی ڈالیں کہ وہ دائیں کروٹ سے نکل جائے۔ پھر وہ پانی لائیں جسمیں خوشبو کیلئے کافور ڈالا گیا تھا اور میت کو دائیں کروٹ لٹا کر تین مرتبہ اس طرح بہائیں کہ بائیں کروٹ تک پانی پہنچ جائے۔

بعض علماء کرام فرماتے ہیں کہ دو مرتبہ سادہ پانی سے غسل دیں تیسری بار کافور والے پانی سے

---

[۱] بعض اکابر نے لکھا ہے کہ تختہ کو پہلے تین بار لوبان یا اگربتی اور کسی خوشبو کی دھونی دینی چاہیئے! لیکن کسی روایت کا ذکر نہیں کیا اور راقم کو بھی اپنی تلاش کی حد تک اس مضمون کی کوئی روایت نہیں ملی واللہ اعلم۔ [۲] فقہاء احناف کا تو یہی موقف ہے چونکہ میت کی ناک اور منہ میں پانی پڑنے کے بعد نکلتا نہیں ہے۔ البتہ بعض علماء شوافع فرماتے ہیں کہ اگر کلی کرنا و ناک میں پانی ڈالنا ممکن ہو تو ایسا کرلینا چاہیئے اکثر اہلِ حدیث علماء کرام بھی یہی لکھتے ہیں حدیث میں اس کی صراحت نہیں ہے۔

تاکہ کل تین بار ہو جائے یا تین بار سادہ پانی سے اور دو بار کافور والے پانی سے تاکہ کل پانچ مرتبہ ہو جائے[1]۔

اسکے بعد سر کی طرف سے تھوڑا سا سہارا دیکر پیٹ کو ملیں اگر کوئی گندگی نکلے تو اس کو دھو دیں دوبارہ غسل دینے کی ضرورت نہیں ہے اس کے بعد تولیہ سے بدن کو خشک کریں اور ستر پر دوسرا کپڑا ڈالکر یہ بھیگا ہوا تہبند اتارلیں اور میت کو اس چارپائی پر رکھکر کفن دیں جس پر پہلے سے کفن بچھایا گیا ہے۔

غسل کے چند متفرق مسائل

غسل کا یہ جو طریقہ بیان ہوا ہے یہ سنت طریقہ ہے اگر ایک ہی دفعہ میت کو اس طرح دھو دیا کہ کوئی جگہ خشک نہ رہی تب بھی غسل ہو گیا۔ نیز غسل دیتے ہوئے انتہائی نرمی اور آہستگی اختیار کرنی چاہیئے۔ سختی نہیں۔

میت کے ستر کے دیکھنے کی ممانعت

عن علیؓ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ لَا تُبْرِزْ فَخِذَکَ وَلَا تَنْظُرْ اِلٰی فَخِذِ حَیٍّ وَّلَا مَیِّتٍ (رواہ ابوداود)

حضرتِ علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:- اپنی ران مت کھولو۔ اور کسی زندہ یا مردہ کی ران کو مت دیکھو۔ (ابوداؤد)

چنانچہ اس پر علماء کا اتفاق ہے کہ ناف سے گھٹنے تک کا ستر کا حصہ دیکھنا جائز نہیں ہے بلکہ بغیر دستانے کے ننگا ہاتھ بھی اتنے حصہ پر لگانا درست نہیں ہے۔

میت کے عیوب کو چھپانا

میت کو غسل دینے والا اگر اس کے کسی عیب پر مطلع ہو جائے تو اس کو چاہیئے کہ اس کو چھپائے۔ جیسا کہ ابھی حضرتِ عائشہؓ اور حضرتِ ابو رافعؓ کی حدیثوں میں گزرا۔ نیز حضرتِ عبداللہ ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مُردوں کی خوبیاں بیان کرو اور ان کی برائیوں کے ذکر سے باز رہو۔ (ترمذی وابوداؤد)

---

[1] ابوداؤد شریف میں محمد بن سیرینؒ کا بھی غسل دینے کا یہی طریقہ بیان ہوا ہے اور انہوں نے غسل حضرت اُمِّ عطیہؓ ہی سے سیکھا تھا۔

انہی روایات کی بناء پر علماء فرماتے ہیں کہ غسل کے دوران اگر کوئی اچھی بات مثلاً چہرہ کا چمکنا خوشبو مہکنا وغیرہ دیکھے تو لوگوں کو بیان کردے لیکن اگر کوئی بری بات مثلاً چہرہ یا بدن کا سیاہ ہوجانا صورت بدل جانا وغیرہ دیکھے تو اس کو ہرگز بیان نہ کرے آپ ﷺ کا مشہور ارشاد گرامی ہے کہ جو کسی مسلمان کی پردہ پوشی کریگا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسکی پردہ پوشی کریگا۔ (بخاری و مسلم)

میت کو غسل دینے کے بعد خود غسل کرنا

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ مَنْ غَسَلَ الْمَيِّتَ فَلْيَغْتَسِلْ وَمَنْ حَمَلَهٗ فَلْيَتَوَضَّأْ.... (رواه ابو داؤد والترمذی)

حضرت ابو ہریرۃؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے میت کو غسل دیا اس کو بھی غسل کرلینا چاہیئے! اور جو جنازہ کو اٹھائے اسکو وضو کرنا چاہیئے۔ (ابوداؤد و ترمذی)

لیکن یہ غسل یا وضو ضروری نہیں ہے بلکہ تمام علماء کے نزدیک بس مستحب ہے اس لئے کہ دوسری حدیثوں میں نہ کرنے کی بھی اجازت ہے مثلاً حضرتِ عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جب تم میت کو غسل دو تو اس کو غسل دینے سے تم پر غسل نہیں ہے تمہارا مردہ پاک مرتا ہے نجس نہیں۔ لہٰذا تمہارے لئے یہ کافی ہے کہ تم ہاتھ دھولو (بیہقی) بعض اکابر فرماتے ہیں کہ میت کو غسل دینے والا اگر پہلے خود وضو کرلے تو اچھا ہے۔

شہداء کو غسل نہ دینا چاہیئے

عَنْ جَابِرُ ابْنِ عَبْدِاللّٰهِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يَجْمَعُ بَيْنَ الرَّجُلَيْنِ مِنْ قَتْلٰى اُحُدٍ وَيَقُوْلُ اَيُّهُمَا اَكْثَرُ اَخْذًا لِلْقُرْاٰنِ فَاِذَا اُشِيْرَ لَهٗ اِلٰى اَحَدِ هِمَا

حضرتِ جابر ابن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ غزوۂ احد کے دن دو دو آدمیوں کو اکٹھا دفن کرتے تھے اور فرماتے تھے ان دونوں میں سے قرآن کریم زیادہ کس کو یاد

قَـدّمَـهُ فِـی الـلَّـحدِ فَقَالَ اَنَا شَهِیـدُ عَلٰی هٰؤُلَآءِ یَوۡمَ الۡقِیَامَةِ وَاَمَـرَ بِـدَفۡـنِهِـمۡ بِـدِمَائِهِمۡ وَلَمۡ یَـغۡسِـلۡهُـمۡ (رواہ ابـو داؤد و، التـــرمـذی،وابــن مــاجـــه ، والبخاری،واللفظ لِاَبِیۡ داؤد))

ہے جب کسی کے بارے میں بتایا جاتا تو آپ ﷺ اس کو قبر میں آگے کرتے اور آپ ﷺ نے فرمایا: میں قیامت کے دن ان پر گواہ ہوں گا اور آپ ﷺ نے ان کو اپنے خون آلود کپڑوں میں دفن کرنے کا حکم دیا اور ان کو غسل نہیں دیا۔

(ابوداوٗد وترمذی وابن ماجہ وبخاری)

اس پر بھی امت کا اتفاق ہے کہ شہداء کو بغیر غسل ہی انہی کپڑوں میں دفن کیا جائیگا۔البتہ شہید پر ان احکام کے جاری ہونے کیلئے کچھ شرطیں ہیں جو نمازِ جنازہ کے باب میں دیکھیں۔

کفن اور اس کے مسائل

کفن کون دے؟

غسل کی طرح میت کو کفن دینا، نمازِ جنازہ پڑھنا، اور دفن کرنا بھی فرضِ کفایہ ہے۔ اگر میت نے کچھ مال چھوڑا ہو تو اس کی تکفین اس کے مال میں سے کیجائیگی اور اگر اس نے اپنے پیچھے کچھ بھی ترکہ نہ چھوڑا ہو تو اس کے کفن و دفن کا خرچ ان لوگوں کے ذمہ ہے جن پر اس کی زندگی میں اس کا خرچ واجب تھا۔ مثلاً میت کا والد، بیٹا، یا بھائی وغیرہ اور اگر ایسے لوگوں میں سے بھی کوئی نہ ہو تو میت کے کفن کا خرچہ بیت المال سے کیا جائیگا لیکن اگر بیت المال کا کوئی نظام ہی نہ ہو تو وہاں کے مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ آپس میں چندہ کر کے ایسی لاوارث میت کے کفن و دفن کا انتظام کریں۔ اور اس چندہ میں سے اگر کچھ بچ جائے تو وہ انہیں لوگوں کو لوٹا دیا جائے اور اگر یہ لوگ لینا ہی نہ چاہیں یا ان کا پتہ نہ چلے تو پھر اس رقم کو آئندہ کیلئے کسی ایسی ہی لاوارث میت کیلئے رکھ چھوڑیں یا خیرات کر دیں (درمختار)

مرد و عورت کیلئے مسنون کفن

اگر میسر ہو تو مرد کو تین کپڑوں (لفافہ، ازار، قمیص) میں اور عورتوں کو پانچ کپڑوں (لفافہ، ازار، قمیص، سینہ بند، سر بند) میں کفن دینا سنت ہے اور مرد کیلئے تین کپڑے اور عورت کیلئے پانچ کپڑے میسر نہ ہوں تو پھر جتنے بھی کپڑے میسر ہوں ان میں کفن دیدیں۔ یہاں تک کہ اگر صرف ایک چادر ہی دستیاب ہو سکے تو مرد کو بھی ایک چادر میں اور عورت کو بھی ایک چادر میں کفنا دینا جائز ہے۔ بلکہ اگر چادر بھی اتنی بڑی نہ ملے کہ جسمیں مکمل میت کو کفنایا جا سکے تو پھر سر کی جانب چادر ڈالدیں اور پاؤں کی طرف گھاس وغیرہ ڈالکر چھپا دیں۔ خود رسول اللہ ﷺ کے مبارک زمانہ میں بھی ایسے حالات پیش آئے ہیں۔

عَنْ خَبَّابٍ قَالَ هَاجَرْنَا مَعَ النَّبِیِّ ﷺ نَلْتَمِسُ وَجْهَ اللّٰهِ فَوَقَعَ اَجْرُنَا عَلَی اللّٰهِ فَمِنَّا مَنْ مَّاتَ لَمْ یَأْكُلْ مِنْ اَجْرِهٖ

حضرت خبّابؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے حضور ﷺ کے ہمراہ محض اللہ کی رضا کیلئے ہجرت کی اور ہمارا اجر اللہ کے ذمہ واجب ہوگیا۔

شَيْـئًـا مِّـنْهُـمْ مُصْعَبُ ابْنِ عُـمَيْـرٍ وَمِـنَّـا مَـنْ اَيْنَعَتْ لَهٗ ثَـمَـرَتُهٗ فَهُوَ يَهْدِبُهَا قُتِلَ يَوْمَ اُحُـدٍ فَـلَمْ نَجِدْ مَا نُكَفِّنُهٗ اِلَّا بُـرْدَةً اِذَا غَـطَّيْـنَـا بِهَا رَأْسَهٗ خَـرَجَتْ رِجْلَاهُ وَاِذَا غَطَّيْنَا رِجْـلَيْـهِ خَـرَجَ رَأْسُـهٗ فَاَمَرَنَا الـنَّبِـيُّ ﷺ اَنْ نُغَطِّيَ رَأْسَهٗ وَاَنْ نَـجْـعَلَ عَلٰى رِجْلَيْهِ مِنَ الْاِذْخَرِ.... (رواه البـخاری ومسلم)

پھر ہم سے بعض لوگ اپنے اجر میں سے دنیا میں کچھ لئے بغیر رخصت ہوگئے انہیں میں سے ایک حضرتِ مصعب ابن عمیرؓ بھی تھے اور ہم میں سے بعض لوگ وہ ہیں جنکے پھل پک گئے اور وہ اپنا پھل کھا رہے ہیں۔ حضرتِ مصعب ابن عمیرؓ کا یہ حال تھا کہ جب غزوہ احد میں وہ راہِ خدا میں شہید ہوگئے تو ہمیں ان کے کفن کیلئے ایک چھوٹی سی چادر ملی جس سے سر ڈھانپتے تو پاؤں کھل جاتے اور پاؤں ڈھانپتے تو سر ننگا ہو جاتا۔ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حکم دیا کہ ان کا سر ڈھانپ دو اور پاؤں کی جانب اذخر نام کی گھاس ڈال دو۔ (بخاری، مسلم)

صحابہ میں سے حضرت حمزہؓ اور کچھ دوسرے صحابہ کرامؓ کے کفن کا بھی یہی حال بیان کیا گیا ہے بلکہ حضرت انسؓ یہاں تک بیان کرتے ہیں کہ غزوہ احد میں شہداء زیادہ تھے اس لئے ایک، دو، اور تین آدمیوں کو ایک ہی کپڑے میں کفن دیکر انہیں ایک ہی قبر میں دفن کر دیا جاتا تھا۔ (ابوداؤد، ترمذی) تاہم یہ شدید تنگی کے وقت کی بات ہے ورنہ اگر کسی طرح میسر ہو سکے تو مرد کو کم از کم دو کپڑوں میں (لفافہ، ازار) میں اور عورت کو تین کپڑوں (لفافہ، ازار، سر بند) میں کفنانا چاہئے!

کفن میں کیسے کپڑے ہوں

الف:- سفید کپڑے!

عَـنْ اِبْـنِ عَبَّـاسٍ قَـالَ قَـالَ رَسُـوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِلْبَسُـوْا مِـنْ ثِيَابِكُمُ الْبَيَاضَ فِاِنَّهَا مِنْ خَيْرِ

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم لوگ سفید کپڑے پہنا کرو وہ تمہارے بہترین کپڑے ہیں۔

ثِيَابِكُمْ وَ كَفِّنُوا فِيْهَا مَوْتَاكُمْ. اور انہیں میں اپنے مردوں کو کفنایا کرو۔

(رواہ ابو داؤد والترمذی وابن ماجه) (ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ)

ب:- کپڑے صاف ستھرے اور اچھے ہوں۔

عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اِذَا كَفَّنَ اَحَدُكُمْ اَخَاهُ فَلْيُحْسِنْ كَفَنَهُ.... حضرتِ جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی اپنے متوفی بھائی کو کفن دے تو اچھا کفن دے۔

(رواہ مسلم وغیرہ) (مسلم وغیرہ)

ابن ماجہ اور ترمذی میں حضرتِ ابوقتادہؓ سے بھی اسی قسم کی ایک روایت ہے اور ان احادیث کا علماء کرام نے یہ مقصد ومنشاء لکھا ہے کہ کوئی شخص طاقت کے باوجود اس خیال سے کہ اب تو قبر میں جارہا ہے پھٹے پرانے ردی کپڑوں میں کفن نہ دے بلکہ اپنے بھائی کو اعزاز واکرام کیساتھ رخصت کرے ان روایات کا مقصد بہت زیادہ قیمتی کپڑوں میں کفن دینا نہیں ہے اس سے تو منع کیا گیا ہے۔

ج:۔ زیادہ قیمتی کپڑے نہ ہوں۔

عَنْ عَلِيٍّؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ لَا تُغَالُوْا فِي الْكَفَنِ فَاِنَّهُ يُسْلَبُ سَرِيْعًا.... حضرتِ علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بہت قیمتی کفن استعمال نہ کرو اس لئے کہ وہ تو جلد ہی چھین لیا جائیگا یعنی ختم ہو جائیگا۔

(رواہ ابو داؤد) (ابوداؤد)

یعنی اگر خدا نے وسعت دی ہے تو بہت قیمتی کفن بھی نہ دیں کیونکہ آخر تو اس کو گل سڑ جانا ہے گویا کہ نہ افراط ہو نہ تفریط۔ سبحان اللہ کیا احسان ہے انسانیت پر اسلام کا!

صاف ستھرے مستعمل کپڑوں میں بھی کفن دینا جائز ہے۔

کپڑے بالکل نئے ہونا ہی ضروری نہیں ہیں بلکہ استعمال شدہ اگر صاف ستھری چادریں ہوں تو ان

میں بھی کفن دینا جائز ہے ابھی غسل کے بیان میں گزرا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنا استعمال شدہ تہبند اپنی لختِ جگر سیدہ زینبؓ کے کفن کیلئے دیا تھا نیز

قَالَ اَبُوْ بَکْرٍ خُذُوْا هٰذَا الثَّوْبَ عَلَیْهِ قَدْ اَصَابَهٗ مِشْقٌ اَوْزَعْفَرَانٌ فَاغْسِلُوْهُ ثُمَّ کَفِّنُوْا لِیْ فِیْهِ مَعَ ثَوْبَیْنِ اٰخَرَیْنِ فَقَالَتْ عَائِشَةُ مَاهٰذَا؟ فَقَالَ اَبُوْ بَکْرٍ اَلْحَیُّ اَحْوَجُ اِلَی الْجَدِیْدِ مِنَ الْمَیِّتِ وَاِنَّمَا هٰذَا لِلْمُهْلَهِ... (رواه المالک واللفظ له والبخاری ایضا)

حضرتِ ابوبکر صدیقؓ نے مرض الوفات میں اپنے پہنے ہوئے کپڑے کیلئے فرمایا اس کو دھولو ! اس پر زعفران یا گیرو لگا تھا اور دو نئے کپڑے لیلو پھر اس پرانے اور نئے میں مجھے کفن دینا۔ حضرتِ عائشہؓ نے عرض کیا: ابو جی یہ کیا؟ یعنی پرانے کپڑے میں کیوں کفن دیں۔ تو انھوں نے فرمایا مردے سے زیادہ زندہ آدمی کو نئے کپڑے کی حاجت ہے کفن تو خون پیپ کیلئے ہے یعنی آخر تو یہ خون پیپ میں ملکر مٹی ہوجائیگا۔ (موطا امام مالک، بخاری)

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے انتقال کے وقت ایک پرانا جبہ نکلوایا اور لوگوں سے فرمایا: مجھے اس پرانے جبہ میں کفن دینا اس لئے کہ غزوہ بدر کے دن یہی جبہ پہن کر میں نے رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ راہِ خدا میں قتال کیا تھا۔ تب ہی سے میں نے اس کو اپنے کفن کیلئے چھپا رکھا تھا۔ (تذکرۃ الحفاظ)

اسی طرح کی ایک اور روایت پڑھئے: رسول اللہ ﷺ ایک مرتبہ ایک اچھی چادر پہن کر باہر تشریف لائے ایک شخص نے اسکی تعریف کی اور کہا کیا خوب ہے! اور عرض کیا کہ حضرت! یہ مجھے عنایت ہوجائے! لوگوں نے کہا تم نے اچھا نہیں کیا حضور ﷺ نے تو یہ ضرورت کیلئے زیبِ تن فرمایا تھا، اور تم مانگ بیٹھے جبکہ تم جانتے ہو کہ رسول اللہ ﷺ کسی کا سوال رد نہیں فرماتے ان صاحب نے کہا خدا کی قسم میں نے یہ پہننے کیلئے نہیں مانگا ہے بلکہ اپنا کفن بنانے کیلئے حضرتِ سہلؓ فرماتے ہیں کہ پھر وہ چادر ان صاحب کیلئے بطورِ کفن استعمال ہوئی۔ (بخاری شریف)

امام بخاریؒ نے بخاری شریف میں یہ روایت اس مسئلہ کیلئے نقل فرمائی ہے کہ پہلے سے کفن تیار رکھنا

جائز ہے۔ اوراس پر علماء کا اتفاق ہے لیکن قبر کھود کر تیار رکھنے کو تمام علماء مکروہ لکھتے ہیں اس لئے کہ نہ تو آپ ﷺ کے ارشادات سے اس کا جواز ملتا ہے اور نہ ہی صحابہؓ کے عمل سے! ان روایات سے علماء کرام نے ایک دوسرا مسئلہ یہ بھی نکالا ہے کہ اگر کسی خاص نیک کام کے وقت استعمال شدہ کپڑوں کو بطورِ برکت کفن کیلئے رکھلیا جائے تو یہ جائز ہے اور ایسے کپڑوں میں اگر کفنانے کی وصیت کر جائے تو یہ بھی جائز ہے اور یہ بھی کہ بطورِ برکت کسی بزرگ کسی عالمِ دین کا استعمال شدہ کپڑا بھی کفن میں دیا جاسکتا ہے ۔ ایسے ہی زمزم میں دُھلے ہوئے کپڑوں میں بھی کفنانا جائز ہے۔ بعض حضرات خانہ کعبہ کے غلاف کے اندر کے کپڑے کو برکت کیلئے کفن میں شریک کر لیتے ہیں۔ لیکن علماء احناف نے اسکے لئے یہ شرط رکھی ہے کہ اس پر کچھ لکھا ہوا نہ ہو۔ اسلئے کہ قبر میں کسی طرح کی بھی کوئی چیز لکھکر رکھنا درست نہیں ہے۔ اور یہ بھی ضروری ہے کہ غلافِ کعبہ کا یہ کپڑا ریشم کا نہ ہو اسلئے کہ ریشم کا کپڑا مردوں کے کفن کیلئے جائز نہیں ہے۔ ہاں عورتوں کیلئے جائز ہے[۱]۔ (درمختار)

کفن کو دھونی دینا اور خوشبو لگانا

عَنْ النَّبِيِّ ﷺ اِذَا جَمَرْ تُمُ الْمَيِّتَ فَاجْمِرُوْهُ ثَلَثًا... (رواه البزار واحمد)

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میت کو دھونی دو تو تین مرتبہ دو۔ (مسند بزار، مسند احمد)

اب مرد و عورت دونوں کا کفنِ مسنون علاحدہ علاحدہ ملاحظہ فرمائیں۔

مردوں کیلئے تین کپڑے

عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كُفِّنَ فِىْ ثَلٰثَةِ اَثْوَابٍ

حضرتِ عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ تین سفید یمنی کپڑوں میں

---

[۱] واضح رہے کہ ان تبرکات کا فائدہ بھی تب ہی ہے جب اپنا ایمان کامل ہو اور اعمال صالحہ بھی ہوں اور اگر اپنا ایمان و عمل ہی کھوٹا ہو تو ان تبرکات کا بھی کچھ نفع نہیں ہوگا۔ بخاری و مسلم میں ہے کہ جب عبداللہ بن ابی منافق مرگیا تو آپ ﷺ نے اس کے بیٹے حضرتِ عبداللہؓ جو صحابی تھے کی سفارش پر اس کو کفن دینے کیلئے اپنا مستعمل کرتا دیا اور اپنا لعابِ دہن اس کے منہ میں ڈالا لیکن چہ سود! اسلئے محض تبرکات پر بھروسہ کر کے اعمال میں غفلت برتنا گمراہی اور خسارہ کے سوا کچھ نہیں۔

يَـمَـانِيَّةٍ بِيْـضٍ سُـحُوْلِيَّةٍ لَيْـسَ فِيُهَا قَمِيُصُ وَلَا عِمَامَةٌ ...... (رواه البخاري ومسلم)

کفنائے گئے جو سحولی۲؎ تھے ان میں نہ تو عمامہ تھا اور نہ کُرتا۔ (بخاری ومسلم)

حضور ﷺ کے کفن کے متعلق حضرتِ عائشہ صدیقہؓ کے علاوہ دوسرے صحابہ کرامؓ سے بھی کئی روایتیں ہیں اور ان میں تھوڑا بہت اختلاف بھی ہے۔ مثلاً

عَـنُ ابُـنِ عَبَّـاسٍ قَـالَ كُفِّنَ رَسُـوُلُ اللهِ ﷺ فِـيُ ثَـلٰثَةِ نَـجُـرَانِيَّةٍ اَلُـحُـلَّةُ ثَـوُبَـانِ وَقَمِيُصُهٗ مَاتَ فِيُهِ.. (رواه ابـو داؤد وابـن مـاجـه والبهقي واحمد)

حضرتِ عبداللہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو تین نجرانی کپڑوں میں کفن دیا گیا ان تین میں ایک حلّہ کے دو کپڑے تھے (ہوسکتا ہے ازار اور لفافہ مراد ہوں) اور ایک وہ قمیص جسمیں آپ ﷺ کا وصال ہوا۔ (ابوداوٗد، ابن ماجہ، مسند احمد، بیہقی)

حضرتِ انسؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ تین کپڑوں میں کفنائے گئے جن میں ایک کرتہ تھا (طبرانی) علماء احناف نے ان روایتوں میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ حضرتِ عائشہ صدیقہؓ کی روایت میں جو یہ فرمایا گیا ہے کہ ''حضور ﷺ کے کفن میں کرتا نہیں تھا اس سے مراد یہ ہے کہ سلا ہوا کرتا نہیں تھا اور حضرتِ انسؓ کی روایت میں جو کرتے کا ذکر ہے اس سے مراد بھی بے سلا کرتا ہو سکتا ہے۔ اسکے علاوہ کفن کے ذکر میں بعض روایتوں میں تہبند (لنگی) کا ذکر بھی ہے۔ مثلاً: موطا امام مالکؒ و مؤطا امام محمدؒ میں ہے!

عَـنُ عبـدِاللهِابُـنِ عَـمُـرٍ وابُنِ الُـعَـاصِ ؓ اَنَّهٗ قَالَ اَلُمَيِّتُ يُقَمَّصُ وَيُؤْزَرُ وَيُلَفُّ بِالثَّوُبِ الثَّالِثِ...

حضرتِ عبداللہ ابن عمرو ابن العاصؓ فرماتے ہیں میت کو کرتا، تہبند اور ایک تیسرے کپڑے میں کفن دیا جائے۔

علماء احناف فرماتے ہیں کہ یہاں لنگی سے مراد وہ چادر ہے جو سر سے لیکر پاؤں تک ہو اسی چادر کو بعض روایتوں میں لنگی اور بعض میں صرف چادر کہا گیا ہے نیز حضرتِ زینبؓ کو کفن دینے کے لئے بھی

۲؎ سحول یمن میں کوئی جگہ ہے جہاں کے کپڑوں کو سحولی کہتے تھے اور وہاں کے کپڑے مشہور تھے۔

آپ ﷺ نے اپنی لنگی عنایت فرمائی تھی[1]۔ اس طرح ان تمام روایات میں تطبیق دیتے ہوئے افضل یہ ہے کہ مرد کو تین کپڑوں میں کفن دیا جائے

ایک بے سلا کرتا، ایک سر سے لیکر پاؤں تک چادر جسکو لنگی تہبند یا ازار کہتے ہیں۔ اور ایک بڑی چادر جو میت سے تقریباً ایک ہاتھ لمبی ہوتا کہ اس میں میت کو اچھی طرح چھپایا جا سکے۔ لیکن امام شافعیؒ واحمدؒ حضرتِ عائشہ صدیقہؓ کی روایت کو دوسری روایتوں پر ترجیح دیتے ہیں چونکہ وہ سنداً سب سے زیادہ قوی ہے۔ لہٰذا ان کے نزدیک برابر کی تین چادروں میں کفن دینا افضل ہے[2]۔ اور علماء مالکیہ ان مختلف روایتوں کے پیشِ نظر پانچ کپڑوں میں کفن دینا افضل کہتے ہیں۔

عورتوں کیلئے پانچ کپڑے

عَنْ لَيْلٰى بِنْتِ قَائِفٍ الثَّقَفِيَّةِ قَالَتْ كُنْتُ فِيْمَنْ غَسَلَ اُمَّ كُلْثُوْمٍ ابْنَةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ عِنْدَ وَفَاتِهَا فَكَانَ اَوَّلَ مَا اَعْطَانَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلْحِقَاءَ ثُمَّ الدِّرْعَ ثُمَّ الْخِمَارَ ثُمَّ الْمِلْحَفَةَ ثُمَّ اُدْرِجَتْ بَعْدُ فِي الثَّوْبِ الْاٰخِرِ قَالَتْ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ جَالِسٌ عِنْدَ الْبَابِ مَعَهٗ كَفْنُهَا يُنَاوِلُنَاهَا ثَوْبًا ثَوْبًا..

(رواہ ابوداؤد واحمد)

حضرتِ لیلٰی ثقفیہؓ فرماتی ہیں کہ میں ان عورتوں میں تھی جنھوں نے رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی حضرتِ ام کلثومؓ کو ان کے انتقال کے بعد غسل دیا تھا تو رسول اللہ ﷺ نے ہمیں پہلے تہبند، پھر کرتہ، پھر اوڑھنی، پھر چادر عنایت فرمائی، اسکے بعد ایک اور کپڑا دیا جس میں انہیں لپیٹا گیا، حضرت لیلیٰؓ فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ دروازہ کے پاس بیٹھے تھے اور آپ ﷺ کے پاس کفن تھا آپؐ اس میں سے ہمیں ایک ایک کپڑا عنایت فرماتے جاتے تھے۔

(ابوداؤد، مسند احمد)

---

[1] سفر السعادۃ میں ہے کہ آپ ﷺ کی لنگی چار ہاتھ اور ایک بالشت لمبی تھی اور دو ہاتھ وایک بالشت چوڑی تھی اس میں کفن دینے کی بھی بظاہر یہی شکل نظر آتی ہے کہ سر سے پاؤں تک اس میں کفنایا ہوگا واللہ اعلم۔ [2] اہلِ حدیث علماء کرام میں سے مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوریؒ کا جھکاؤ بھی اسی طرف معلوم ہوتا ہے۔

تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ عورت کے کفن کیلئے پانچ کپڑے مسنون ہیں ازار، لفافہ، کرتہ، سینہ بند، اور سر بند روایت میں جو یہ آیا ہے کہ ''اس کے بعد ایک اور کپڑا دیا جسمیں انہیں لپیٹا گیا''، اس سے مراد احناف کے نزدیک سینہ بند ہے۔ اور دوسرے علماء اسکو چادر کہتے ہیں۔ لیکن نتیجہ کے اعتبار کوئی اختلاف نہیں چونکہ سینہ بند ہمارے نزدیک بغل سے گھٹنے تک ہے دوسرے حضرات کے نزدیک اس کے قریب قریب ازار کی مقدار ہے۔ تو گویا طریقہ کفن میں سب کی رائے یکساں ہے۔

کفنانے کا طریقہ

مردوں کے کفن کیلئے ایک گز عرض والا کپڑا 12 میٹر اور عورتوں کے کفن کیلئے پردہ کی چادر کے علاوہ 18 میٹر کافی ہوتا ہے۔ مرد کے کفن میں یہ تین کپڑے ہوتے ہیں۔

(۱) ازار:- اس کو تہبند یا لنگی بھی کہتے ہیں۔ یہ میت کے سر سے پاؤں تک لمبی ہوتی ہے۔ اور اتنی چوڑی ہونی چاہیئے کہ دائیں طرف والا حصہ بائیں پسلیوں تک اور بائیں طرف والا حصہ دائیں پسلیوں تک پہنچ جائے یعنی میت اس میں لپٹ سکے اور یہ ایک گز عرض والے کپڑے کا ڈھیڑھ پاٹ عمومًا کافی ہوتا ہے۔

(۲) لفافہ:- اس کو چادر بھی کہتے ہیں یہ چوڑائی میں تو ازار کے برابر ہوتی ہے لیکن لمبائی میں میت سے ایک ہاتھ یا چار گرہ بڑھی ہوئی ہونی چاہیئے۔

(۳) کرتہ:- اس کو قمیص اور کفنی بھی کہتے ہیں اسکی چوڑائی میت کے جسم کے برابر ہونی چاہیئے اور لمبائی اس طرح کہ گردن سے لیکر پاؤں تک [۱] جتنی لمبائی بنتی ہو اس سے دوگنی۔

پھر دوہرا کر کے بالکل بیچ میں سے اتنا چاک کھولدیں کہ سر کی طرف سے گلے میں آجائے۔ بس اس کو کرتہ کہتے ہیں۔ عورتوں کے کفن میں تین کپڑے تو بالکل یہی ہیں دو کپڑے ان کے علاوہ اور ہیں۔

(۱) سر بند:- اس کو اوڑھنی بھی کہتے ہیں۔ اسکی لمبائی ڈھیڑھ گز اور چوڑائی 12 گرہ ہونی چاہیئے یعنی جس میں سر اور بال اچھی طرح چھپ سکیں۔ (۲) سینہ بند:- اسکی چوڑائی ازار کے برابر اور لمبائی بغل سے گھٹنے تک ہونی چاہیئے۔ پہلے کفن کاٹ کر مذکورہ طریقہ پر تیار کرلیں پھر کفن کو طاق مرتبہ لوبان یا کسی اور خوشبو کی دھونی دیکر رکھدیں پھر جس چارپائی پر کفن دینا ہو ترتیب سے بچھائیں۔

---

[۱] عموماً فقہاء کرام کفنی کی لمبائی پاؤں تک ہی بیان کرتے ہیں لیکن قاضی ثناء اللہ پانی پتی حنفی نے کفنی کی لمبائی نصف پنڈلی تک تحریر فرمائی ہے۔ (مالابد منہ)

مردوں کو کفنانے کا طریقہ

چار پائی پر سب سے پہلے لفافہ (چادر) بچھائیں پھر اس پر ازار (تہبند) والی چادر بچھائیں اس کے اوپر کرتے (کفنی) کا نچلا حصہ بچھا دیں اور باقی حصہ لپیٹ کر سرہانے رکھ دیں۔ پھر میت کو بالکل آہستہ سے غسل کے تختہ سے اٹھا کر اس کفن پر رکھیں پھر کرتے کا جو حصہ سرہانے کی طرف لپیٹ کر رکھا تھا اس کے چاک میں سے میت کا سر نکال کر اس کو پاؤں کی طرف بڑھا دیں۔ یہ گویا کرتہ پہنا دیا گیا۔ اب غسل کے بعد جو تہبند ستر پر ڈالا گیا تھا اس کو کرتے کے نیچے سے نکال دیں اور میت کے سر اور داڑھی میں عطر لگا دیں۔ نیز پیشانی اور دونوں ہتھیلیوں، دونوں گھٹنوں اور دونوں پاؤں (یعنی جن اعضاء پر آدمی سجدہ کرتا ہے کافور یا عطر مل دیں حضرتِ عبداللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میت کے سجدوں کی جگہوں پر کافور مل دینا چاہئے (بیہقی) اس کے بعد ازار کا بائیں پلہ میت کے اوپر لپیٹ دیں پھر دائیں پلہ یعنی اس طرح کہ دائیں پلہ اوپر اور بائیں نیچے رہے پھر ایسے ہی لفافہ کو لپیٹ دیں۔

پھر دائیں بائیں کے کناروں اور بیچ میں سے کسی دھجی سے ہلکا سا باندھ دیں تا کہ ہوا سے کفن ادھر اُدھر نہ اُڑ جائے۔

عورتوں کو کفنانے کا طریقہ

پہلے لفافہ بچھائیں پھر ازار اس کے بعد سینہ بند پھر حسبِ سابق کرتے کا آدھا حصہ بچھا دیں اور آدھا تہہ کر کے سرہانے رکھ دیں۔ پھر آہستہ سے میت کو لا کر اس کفن پر رکھیں اور کرتے کو گلے میں ڈال کر پاؤں کیطرف بڑھا دیں۔ اور جو تہبند غسل کے بعد ڈالا تھا وہ نکال لیں اور سر میں عطر وغیرہ کوئی خوشبو لگا دیں اور اعضاء سجدہ پر کافور ملیں پھر سر کے بالوں کے دو حصہ کر کے سینے کے اوپر کرتے پر ڈال دیں[۱] ایک حصہ دائیں جانب اور دوسرا بائیں جانب، پھر سر بند (اوڑھنی) کو سر

---

[۱] اس مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف ہے آئمہ ثلاثہ فرماتے ہیں سر کے بالوں کے تین حصے کئے جائیں گے یعنی تین چوٹیاں۔ دو دائیں بائیں کے بالوں کی اور ایک اوپر کے آگے کے بالوں کی اور تینوں حصے پیچھے ڈالے جائیں گے وہ بخاری و مسلم کی اس روایت سے استدلال کرتے ہیں کہ حضرتِ زینبؓ کی تین چوٹیاں کر کے پیچھے کی جانب ڈالی گئی تھیں احناف یہ کہتے ہیں کہ اس میں زینت ہے اور اُمِّ عطیہؓ کی اس روایت میں یہ معلوم نہیں ہوتا کہ ایسا کرنے کیلئے کیا آپ ﷺ نے ان کو فرمایا تھا یا انہوں نے خود ایسا کیا تھا واللہ اعلم روایت کا ظاہر آئمہ ثلاثہ ہی کے ساتھ ہے۔

اور بالوں پر ڈالدیں اسکو باندھیں نہیں۔ پھر سینہ بند کو بغلوں سے نکال کر اوپر ڈالیں اور اس کے دونوں کناروں کو باندھ دیں۔ پھر ازار اس طرح لپیٹیں کہ دائیں پلہ اوپر اور بائیں نیچے رہے۔ (اب سربند بھی ازار کے نیچے آئیگا) پھر اسی طریقہ سے لفافہ کو لپیٹ دیں اس کے بعد کپڑے کی ایک دھجی سے سر اور پاؤں کیطرف سے اور بیچ میں سے ہلکا سا باندھ دیں تا کہ ہوا سے نہ ہلے۔ اس ترکیب میں سینہ بند کرتے کے اوپر اور ازار کے نیچے رہیگا اس کو ازار کے اوپر سے باندھنا بھی جائز ہے۔ بلکہ اگر لفافہ کے بھی اوپر سے آخر میں باندھا جائے تو بھی درست ہے۔[1]

کفن کے بس یہی کپڑے ہیں اس کے علاوہ جو چادر میت کے اوپر یا چار پائی پر ڈالی جاتی ہے وہ کفن میں داخل نہیں اسکو قبر پر جا کر اُتار لیں۔

شہداء کا کفن

عَنْ جَابِرٍ ؓ قَالَ رُمِیَ رَجُلٌ بِسَهْمٍ فِیْ صَدْرِهٖ اَوْفِیْ حَلْقِهٖ فَمَاتَ فَاُدْرِجَ فِیْ ثِیَابِهٖ کَمَا هُوَ قَالَ وَنَحْنُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ (ابو داؤد و ترمذی واحمد)

حضرتِ جابرؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص کو غزوہ میں سینہ میں یا حلق میں تیر لگا جس سے ان کا انتقال ہو گیا تو ان کو انہیں کپڑوں میں کفنا دیا گیا جو ان کے بدن پر تھے اور اس وقت ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے (ابوداؤد، ترمذی، مسند احمد)

اس کے علاوہ اور بہت سی روایات ہیں جن میں یہ صراحت ہے کہ شہداء کو انہی کپڑوں میں لپیٹ کر کفنا دیا جاتا تھے جن میں شہادت واقع ہوتی تھی علاحدہ سے کپڑا لیکر ان کو کفن نہیں دیا جاتا تھا۔

لیکن علماء کرام اس طرح کی تمام روایات کو سامنے رکھ کر فرماتے ہیں کہ اگر گنجائش ہو تو سنت مقدار پوری کرنی چاہیئے۔ یعنی مرد کے تین کپڑے اور عورت کے پانچ۔ وہ اس طرح کہ قمیص اور تہبند یا پائجامہ وغیرہ تو اس کے جسم پر پہلے سے ہوں گے۔ اور ایک چادر اگر اس کے ساتھ موجود ہو تو اس میں لپیٹ دیا جائے اور اگر اس کے ساتھ نہ ہو تو علاحدہ سے کپڑا خرید کر لفافہ بنا کر اس میں کفنائیں۔ ایسے ہی عورت کے بھی اگر کم کپڑے ہوں تو خرید کر پانچ کپڑے کر دیں۔

---

[1] مولانا عبدالحیؒ کا رجحان اس طرف ہے کہ سینہ بند کرتے کے بھی اندر یعنی سب سے اندر ہونا چاہیئے۔ (حاشیہ شرح وقایہ)

اوراگر شہید کے جسم پر کفن سے زائد کپڑے مثلاً کوٹ، شیروانی، اچکن، سویٹر، جاکٹ، ٹوپی، موزے وغیرہ ہوں تو ان کو نکال لیا جائے۔

فینزع عنہ مالا یصلح الکفن وَ یزاد وَ ینقص.... (رواہ ابن عابدین، وروی فی الھندیہ عن الکافی)

پس جو چیزیں کفن نہیں بن سکتیں انہیں اتار لیا جائے۔ اور ضرورت ہو تو کپڑے زیادہ کئے جائیں اور زیادہ ہوں تو کم کئے جائیں۔(درمختار، عالمگیری بحوالہ کافی)

بچوں کا غسل و کفن

چھوٹے بچے بچیوں اور ایسے ہی ہر وہ بچہ جو پیدا ہونے کے بعد انتقال کر جائے خواہ وہ ایک لمحہ ہی زندہ رہا یا اس نے حرکت کی، چھینک ماری یا رویا تو اس کا حکم وہی ہے جو بڑوں کا ہے یعنی اس کا نام رکھا جائے غسل دیا جائے اور سنت کے مطابق کفن دیا جائے البتہ بڑوں کیلئے یہ حکم تاکیدی ہے بچوں کیلئے تاکیدی نہیں ہے اگر کچھ تنگی ہو تو بچے کو ایک کپڑے میں اور بچی کو دو کپڑوں میں بھی کفن دینا جائز ہے اور اگر بچہ مردہ پیدا ہو تو اس کو نہلا کر ایک ہی کپڑے میں لپیٹ کر دفن کر دیں اس پر نماز جنازہ بھی نہیں پڑھی جائیگی۔(اسکی تفصیل بچے کی نماز جنازہ کے عنوان میں دیکھیں)

جنازہ اٹھانا

جنازہ کو جلد از جلد قبرستان پہنچانا

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللہِ ﷺ اِسْرَعُوْ بِالْجَنَازَۃِ فَاِنْتَکُ صَالِحَۃً فَخَیْرٌ تُقَدِّمُوْنَھَا اِلَیْہِ وَاِنْ تَکُ سِوٰی ذَالِکَ فَشَرٌّ تَضَعُوْنَہٗ عَنْ رِقَابِکُمْ.... (رواہ البخاری ومسلم)

حضرت ابوھریرۃؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جنازہ کو تیزی سے لیکر (قبرستان کو) چلو اس لئے کہ اگر وہ نیک ہے تو تم جلد اس کو خیر تک پہونچا دو گے اور اگر وہ نیک نہیں ہے تو پھر ایک بُرا بوجھ ہے جسکو تم جلدی کندھوں سے اُتار کر چھٹکارا حاصل کر لو گے۔ (بخاری ومسلم)

یعنی جب غسل وکفن سے فارغ ہو جائیں تو پھر بلا تاخیر فوراً میت کو قبرستان پہنچائیں یہاں تک کہ جب اٹھا کر چلیں تب بھی جلدی جلدی عام رفتار سے تیز چلیں۔ حضرتِ عبدالرحمانؓ فرماتے ہیں کہ ہم حضرتِ عثمان ابن ابی العاصؓ کے جنازہ کے ساتھ تھے اور آہستہ آہستہ چل رہے تھے اتنے میں حضرتِ ابوبکرہؓ آپہنچے تو انہوں نے اس طرح آہستہ چلتے ہوئے دیکھکر ہمیں مارنے کو اپنا کوڑا اٹھایا اور فرمایا: ہم حضور ﷺ کے ہمراہ جنازہ کولیکر جلدی جلدی چلتے تھے۔ (ابوداؤد)

لیکن تیز چلنے سے مراد تیز چلنا ہی ہے دوڑنا نہیں ہے۔ اس سلسلہ کا ارشاد دیکھئے

عَــنِ ابْــنِ مَسْـعُـوْدٍ ؓ قَـالَ سَـئَـالْـنَـا نَبِيَّـنَـا ﷺ عَنِ الْـمَشْـيِ مَـعَ الْجَنَازَةِ فَقَالَ مَادُوْنَ الْخَبَبِ اِنْ يَّكُنْ خَيْرٌ تَـعَـجَّـلُ اِلَيْهِ وَاِنْ يَّكُنْ غَيْرُ ذَالِکَ فَبُـعْـدًا لِاَهْـلِ النَّـارِ وَالْـجَـنَازَةُ مَتبُوعَةٌ وَلَا تُتَّبَعُ لَيْسَ مَعَهَا مَنْ تَقَدَّمَهَا . . .

(رواہ ابـــــــوداؤد)

حضرتِ عبداللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں ہم نے حضور ﷺ سے دریافت کیا کہ جنازہ کے ساتھ کس طرح چلنا چاہیئے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: دوڑنے سے کم عام رفتار سے تیز چلنا چاہیئے اگر اسکی آخرت کی منزل اچھی ہے تو وہاں جلدی پہونچانے کیلئے اور اگر اچھی نہیں ہے تو دوزخیوں کا دور رہنا ہی بہتر ہے اور جنازہ آگے رہنا چاہیئے پیچھے نہیں جو جنازہ سے آگے چلتا ہے وہ گویا جنازہ کے ساتھ ہے ہی نہیں۔

(ابوداؤدشریف)

کیونکہ دوڑنے میں جنازہ کو جھٹکے اور ہچکولے لگیں گے جس سے منع کیا گیا ہے۔ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ نے مقام شرف میں ام المومنین حضرتِ میمونہؓ کی نماز جنازہ پڑھا کر فرمایا: دیکھو! یہ حضرتِ میمونہؓ کا جنازہ ہے اس کو جھٹکے اور ہچکولے نہ آنے پائیں۔ (مسلم، مسند احمد)

جنازہ کے ساتھ چلنے کا ثواب

عَـنْ اَبِـیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مَــنِ التَّبَـعَ جَـنَـازَـۃ مُـسْـلِمٍ اِيْمَاناً وَّاِحْتِسَاباًوَ كَان

حضرتِ ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص ایمان کی صفت اور ثواب کی نیت سے کسی مسلمان کے جنازہ کے ساتھ جائے اور نمازِ

مَعَهُ حَتّٰی یُصَلِّیَ عَلَیْهَا وَیَفْرُغَ مِنْ دَفْنِهَا فَاِنَّهُ یَرْجِعُ مِنَ الْاَجْرِ بِقِیْرَاطَیْنِ کُلُّ قِیْرَاطٍ مِثْلَ اُحُدٍ وَمَنْ صَلّٰی عَلَیْهَا ثُمَّ رَجَعَ قَبْلَ اَنْ تُدْفَنَ فِاِنَّهُ یَرْجِعُ بِقِیْرَاطٍ... (البخاری ومسلم ابو داؤد)	نمازِ جنازہ پڑھنے اور دفن کرنے تک اس کے ساتھ ہی رہے تو وہ ثواب کے دو قیراط لیکر واپس ہوگا ہر ایک قیراط گویا احد پہاڑ کے برابر ہوگا اور جو نمازِ جنازہ پڑھکر دفن سے پہلے ہی واپس آجائے تو وہ ثواب کا ایسا ہی ایک قیراط لیکر واپس ہوگا۔ (بخاری،مسلم،ابوداوًد)

قیراط عربی میں ایک درہم کے بارہویں حصہ کو کہتے تھے اور چونکہ اس دور میں مزدور کو اجرت ومزدوری قیراط کے حساب سے دی جاتی تھی اس لئے آپ ﷺ نے سمجھانے کی غرض سے فرمایا کہ جنازہ کے ساتھ جانے کا بدلہ وثواب دو قیراط ہے لیکن وہ دنیا کے قیراط نہ ہوں گے بلکہ آخرت کے قیراط اتنے بڑے ہوں گے کہ ایک قیراط احد پہاڑ سے بھی بڑا ہوگا۔

جنازہ اٹھانے کا مسنون طریقہ

عن ابی عبیدۃ قالَ قالَ عبد اللہ ابن مسعودٍ رضی اللہ عنہ من اتبع جنازۃَ فَلْیَحْمِلْ بِجوانب السریر کلھا فانہ من السنۃِ ثم انشاءَ فلیتطوع وانشاء فلیدع (ابن ماجہ)	حضرتِ عبداللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ جو شخص جنازہ کے ساتھ چلے اس کو چاہئے کہ چارپائی کے چاروں کونوں کو اُٹھائے ۔کیونکہ یہ سنت ہے پھر چاہے تو اور اٹھا کر ثواب حاصل کر لے چاہے تو چھوڑ دے۔۔(ابن ماجہ)

اس حدیث کی بنا پر جمہور علماء کرام کا یہی مسلک ہے کہ جنازہ کو اٹھانے کا سنت طریقہ یہ ہے کہ جنازہ کی چارپائی کو چاروں پایوں سے اٹھایا جائے۔ نیز جنازہ کا چونکہ احترام ضروری ہے اس لئے کسی بھی ایسے طریقہ سے جنازہ کو اٹھانا ممنوع ومکروہ ہے جس میں جنازہ کی اہانت ہو مثلاً دو لکڑیوں کے درمیان ایسے اٹھانا جیسے کسی بوجھل چیز کو اُٹھاتے ہیں یا زمین سے ہاتھوں پر اٹھانے کے بجائے بھاری سامان کی طرح کندھا دیکر اُٹھانا یا ایک ہی آدمی کا میت کو اُٹھا کر کے کندھے پر رکھ لینا وغیرہ ہاں اگر کوئی مجبوری وعذر ہو تو جس طرح بآسانی ممکن ہو اٹھایا جاسکتا ہے۔

ابراہیم بن سعدؒ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرتِ سعد بن ابی وقاصؓ کو دیکھا کہ انہوں نے حضرتِ عبدالرحمان بن عوفؓ کا جنازہ اس طرح اُٹھا رکھا تھا کہ چارپائی کے اگلے حصہ کو اپنے کندھوں کے بیچ میں لے رکھا تھا۔ (بیہقی) اس طرح گویا آگے پیچھے دو آدمی تھے۔ جمہور علماء کرام یہ کہتے ہیں کہ یہ مجبوری وعذر والی شکل ہے کہ جب کسی تنگ گلی سے گذرنا ہو اور چار آدمی چار کونے نہ پکڑ سکتے ہوں تو پھر آگے پیچھے سے ایک ایک آدمی اٹھا لے۔ لیکن امام شافعیؒ اس روایت اور کچھ دوسرے آثار کی وجہ سے اسی طریقہ کو افضل کہتے ہیں۔ واللہ اعلم

جنازے کو تین یا چار بار کندھا دینا

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ ؓ قَالَ رَسُوْ لُ اللہ ﷺ مَنْ تَبِعَ جَنَازَةً وَحَمَلَهَا ثَلَاثَ مِرَارٍ فَقَدْ قَضیٰ مَا عَلَیْهِ مِنْ حَقِّهِ...

(رواه الترمذی)

حضرتِ ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص جنازہ کے ساتھ چلا اور اس نے اس کو تین بار اُٹھایا تو میت کا جو حق اس کے ذمہ تھا اس نے ادا کر دیا۔

(ترمذی)

یعنی یکے بعد دیگرے تین بار جنازہ اٹھایا تو اس نے اس کا حق ادا کر دیا۔

مصنف عبدالرزاق میں یہ روایت اس طرح ہے: کہ جس آدمی نے جنازہ کو اس کے چاروں طرف سے اٹھایا تو اس نے اپنی ذمہ داری کو پورا کر دیا۔

علماء کرام نے ان روایتوں میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ ایک ایک مرتبہ تو جنازہ کو چاروں کونوں سے اٹھانا چاہیئے اور اگر ممکن ہو سکے تو اسی طرح تین مرتبہ اٹھائیں۔ اور جنازہ کو چاروں کونوں سے اٹھانے کی صورت کیا ہوگی؟ امام محمدؒ فرماتے ہیں۔

اَنْ یَبْدَءَ الرَّجُلُ فَیَضَعُ یَمِیْنَ الْمَیِّتِ الْمُقَدَّمِ عَلٰی یَمِیْنِهٖ ثُمَّ یَعُوْدُ اِلٰی

پہلے میت کے سرہانے والے اگلے دائیں پائے کو دائیں کندھا دے پھر دائیں طرف کے پائتانہ کو دائیں کندھا دے پھر میت کے بائیں

اَلْـمُـقَدَّمِ الْاَیْسَرِ فَیَضَعُہٗ عَلٰی یَسَارِہٖ .... (کتاب الاثار)	طرف آئے اوراسی طرح پہلے اگلے بائیں پائے کو بائیں کندھا دے پھر پچھلے بائیں پائے کو بائیں کندھادے۔ (کتاب الاثار)

اسی صورت پر سب علماء کا اتفاق ہے اور علماء احناف فرماتے ہیں کہ اگر ہر مرتبہ کم ازکم دس دس قدم چلے کہ کل چالیس قدم ہوجائیں تو بہت اچھا ہے اس لئے کہ بعض آثار میں کم ازکم چالیس قدم چلنے کی بھی فضیلت آئی ہے۔(درمختار)

ایک غلط فہمی:-

یہ ہے جنازہ کو کم ازکم چالیس قدم اٹھانے کی حقیقت! لیکن بعض مقامات پر آپ کو یہ جہالت دیکھ کر یقیناً رونا آئیگا کہ جنازہ کو قبرستان تک پہنچا دیتے ہیں پھر وہاں پہنچ کر میت کو لیکر چالیس قدم کا ایک چکر لگاتے ہیں اور اس کو چہل قدمی یا کہیں کہیں دہ قدمی کہتے ہیں گویا جنازہ کو بھی چہل قدمی (ٹہلانے) کی ضرورت ہے۔ یہ ہے جہالت کی دسیسہ کاری کہ جنازہ کے ساتھ چالیس قدم چلنے کا مطلب قبرستان میں جاکر چکر لگانا نکال لیا گیا۔جی ہاں! جب علم کی مشعل بجھ جاتی ہے تو جہالت اس خلا کو پُر ہی نہیں کرتی بلکہ ڈیرا بنا لیتی ہے ایک علاقہ کے متعلق سنا کہ وہاں پہ رواج ہے کہ جب جنازہ گھر سے نکالا جاتا ہے تو اس کے پیچھے گھر میں دھواں کرکے یہ خیال کرتے ہیں کہ اس سے موت ڈر جائیگی اور اب مزید کسی کی موت کا حادثہ پیش نہیں آئیگا۔العیاذ باللہ یہ سب علم دین سے غفلت کے نتائج ہیں۔

جنازہ کے آگے چلیں یا پیچھے:-

عَنِ الزُّهْرِیِّ عَنْ سَالِمٍ عَنْ اَبِیْـهِ قَالَ رَأَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ وَاَبَـا بَـكْـرٍ وَعُمَرَ یَمْشُوْنَ اَمَامَ الْـجَـنَـازَةِ.... (رواہ الترمذی وابوداؤد ونسائی وابن ماجه)	امام زہریؒ سالمؒ سے اور سالمؒ اپنے والد حضرتِ عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ اور حضرت ابوبکر اور حضرتِ عمرؓ کو جنازہ کے آگے چلتے ہوئے دیکھا ہے۔ (ترمذی،ابوداوٗد،نسائی،ابن ماجہ)

اس روایت میں آگے چلنا بیان کیا گیا ہے لیکن کچھ دوسری روایات سے پیچھے چلنا افضل معلوم

ہوتا ہے مثلاً:

عَنْ عَبْدِ اللہِ ابْنِ مَسْعُوْدٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللہِ ﷺ اَلْجَنَازَۃُ مَتْبُوْعَۃٌ وَلَاتُتْبَعُ، لَیْسَ مَعَھَا مَنْ تَقَدَّمَھَا.. (رواہ الترمذی وابوداؤد وابن ماجہ والنسائی)

حضرتِ عبداللہ ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: جناز متبوع ہے تابع نہیں (یعنی اس کے پیچھے چلنا چاہئے آگے نہیں) جو جنازہ سے آگے چلے وہ جنازہ کے ساتھ جانے والا شمار نہ ہوگا۔ (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ، نسائی)

حضرتِ علیؓ فرماتے ہیں کہ جنازہ کے پیچھے چلنا آگے چلنے سے اتنا ہی افضل ہے جتنا جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا تنہا پڑھنے سے افضل ہے حدیث سننے والے نے ان سے کہا کہ حضرت ابوبکرؓ، وعمرؓ تو جنازہ کے آگے چلتے دیکھے گئے ہیں۔ تو حضرتِ علیؓ نے فرمایا: وہ دراصل یہ چاہتے تھے کہ لوگوں کو تکلیف نہ ہو۔ (مسند احمد، بیہقی)

ان مختلف روایتوں کی وجہ سے تمام علماء کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جنازہ کے قریب رہ کر آگے یا پیچھے دونوں طرح چلنا جائز ہے البتہ افضلیت میں اختلاف ہے بعض نے اپنی تحقیق سے آگے چلنے کو اور بعض نے پیچھے کو افضل و بہتر قرار دیا ہے۔ امام محمدؒ فرماتے ہیں:۔

اَلْمَشْیُ اَمَامَھَا حَسَنٌ وَالْمَشْیُ خَلْفَھَا اَفْضَلُ وَھُوَ قَوْلُ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ

جنازہ کے آگے چلنا ''اچھا'' ہے اور اسکے پیچھے چلنا ''افضل'' ہے اور یہی امام اعظم ابوحنیفہؒ کا قول ہے۔

جنازہ کے ساتھ سوار ہوکر نہ جانا:-

عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ النَّبِیِّ ﷺ فِیْ جَنَازَۃٍ فَرَیٰ نَاسًا رُکْبَانًا فَقَالَ تَسْتَحْیُوْنَ اَنَّ مَلٰئِکَۃَ اللہِ عَلٰی اَقْدَامِھِمْ

حضرت ثعبانؓ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ ایک جنازہ کے ساتھ نکلے آپ ﷺ نے کچھ آدمیوں کو دیکھا کہ وہ سوار ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا:- کہ تم لوگوں کو شرم نہیں آتی ہے

وَاَنۡتُمۡ عَلٰی ظُهُوۡرِ الدَّوَابِّ . . . کہ اللہ کے فرشتے تو پیدل چل رہے ہیں

(رواہ الترمذی وابوداؤد اورتم چوپایوں کی پیٹھ پر سوار ہو۔

وابن ماجہ) (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

لیکن بعض دوسری احادیث میں سوار ہونے کی بھی اجازت ہے مثلاً حضرتِ مغیرہ ابن شعبہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:- سوار جنازہ کے پیچھے چلیگا اور پیدل اس کے آگے۔ (ابوداؤد و ترمذی و ابن ماجہ)

علماء کرام ان روایتوں میں اس طرح تطبیق دیتے ہیں کہ عام حالت میں تو پیدل چلنا ہی افضل ہے اسلئے بھی کہ رسول اللہ ﷺ ہمیشہ جنازہ کے ساتھ پیدل ہی چلتے تھے لیکن اگر کوئی عذر ہو تو اس کیلئے سوار ہو کر جانا بھی جائز ہے جیسا کہ حضرتِ مغیرہ ابن شعبہؓ کی روایت سے معلوم ہوا۔

جنازہ کو گذرتے دیکھ کر کھڑے ہوں یا بیٹھے رہیں؟

جب راستہ سے جنازہ گزر رہا ہو اور وہاں کوئی آدمی بیٹھا ہو جسکا کسی عذر کیوجہ سے اس جنازہ میں شرکت کا ارادہ نہ ہو تو کیا کھڑا ہو جائے یا بیٹھا رہے؟

ابتداء میں رسول اللہ ﷺ جنازہ کو دیکھ کر کھڑے ہو جاتے تھے اور کھڑے ہو جانے کا ہی حکم فرماتے تھے یہاں تک کہ جنازہ وہاں سے گزر جائے اگر چہ میت غیر مسلم ہی کی کیوں نہ ہو۔ حضرتِ عبدالرحمان ابن ابی لیلیٰؒ فرماتے ہیں کہ حضرتِ سہل بن حنیفؓ اور حضرتِ قیس بن سعدؓ قادسیہ میں تشریف فرما تھے۔ ان کے پاس سے ایک جنازہ گزرا تو وہ دونوں کھڑے ہو گئے ان سے کہا گیا کہ یہ جنازہ تو یہاں کے رہنے والے ایک غیر مسلم ذمی کا ہے اس پر انہوں نے فرمایا:-

اِنَّ رَسُوۡلَ اللّٰہِ ﷺ مَرَّتۡ بِهٖ جَنَازَۃٌ فَقَامَ قِيۡلَ لَهٗ اِنَّهَا جَنَازَۃُ يَهُوۡدِيٍّ فَقَالَ اَلَيۡسَتۡ نَفۡسًا ۔ (رواہ البخاری ومسلم)

رسول اللہ ﷺ کے پاس سے ایک جنازہ گزرا تو آپ ﷺ کھڑے ہو گئے۔ آپ ﷺ سے عرض کیا گیا کہ یہ تو ایک یہودی کا جنازہ ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا:- کیا یہ جی نہیں ہے۔ (بخاری ومسلم)

لیکن بعد میں آپ ﷺ نے اس طرح جنازہ کے گزرنے پر کھڑا ہونا چھوڑ دیا اور یہ حکم

منسوخ ہو گیا۔ دیکھئے!

عَنْ عَلِیٍّ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللہِ ﷺ بِالْقِیَامِ فِی الْجَنَازَۃِ ثُمَّ جَلَسَ بَعْدَ ذَالِکَ وَاَمَرَنَا بِالْجُلُوْسِ...

(رواہ احمد)

حضرتِ علیؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے پہلے ہمیں جنازہ کے گزرنے پر کھڑے ہونے کا حکم دیا تھا پھر اس کے بعد آپ ﷺ بیٹھے رہتے اور ہمیں بھی بیٹھے رہنے کا حکم دیا۔

(مسند احمد)

یہی روایت الفاظ کے تھوڑے فرق کیساتھ مسلم شریف میں بھی ہے۔ اور نسائی شریف میں ہے کہ ایک جنازہ کے گزرنے پر حضرتِ حسنؓ تو کھڑے ہو گئے لیکن حضرتِ عبداللہ ابن عباسؓ نہیں کھڑے ہوئے جس پر حضرتِ حسنؓ نے ان کو یاد دلاتے ہوئے فرمایا:- کیا رسول اللہ ﷺ یہودی کے جنازہ کیلئے نہیں کھڑے ہوئے تھے؟ تو حضرتِ عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا:- اس کے بعد آپ ﷺ بیٹھے رہتے تھے۔ ان روایات کی بنا پر امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام ابوحنیفہؒ تو فرماتے ہیں کہ جنازہ کو گزرتے دیکھ کر کھڑا ہونے کی ضرورت نہیں[1] لیکن امام احمدؒ پہلی قسم کی روایات کو سنداً ترجیح دیتے ہوئے کھڑا ہو جانے کو مستحب فرماتے ہیں۔

جنازہ کے ساتھ آواز بلند کرنے کی ممانعت

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ لَاتُتَّبَعُ الْجَنَازَۃُ بِصَوْتٍ وَلَانَارٍ

(رواہ ابوداؤد)

سیدنا حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:- جنازہ کے ساتھ نہ تو آگ ہونی چاہیئے اور نہ کسی قسم کی آواز۔

(ابوداؤد)

دورِ جہالت میں میت کے ساتھ لوبان وغیرہ جلا کر لے جاتے تھے آپ ﷺ نے منع فرمایا نیز جنازہ کے ساتھ آواز بلند کرنے یعنی رونے، چلانے یا کوئی دعا ذکر یا تلاوت بلند آواز سے کرنا بھی منع فرما دیا گیا۔ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ ایک جنازہ کے ساتھ چل رہے تھے ایک شخص نے کہا

---

[1] اہلِ حدیث حضرات کا بھی یہی موقف ہے۔

میت کے لئے مغفرت کی دعا کرو۔ اللہ تمہاری مغفرت کریگا۔ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے یہ سنکر فرمایا: اللہ تمہاری مغفرت نہ کرے یعنی جنازہ کے ہمراہ زور سے کیوں بولتے ہو (سعید ابن منصور) رسول اللہ ﷺ جنازہ کے ساتھ خاموش رہتے تھے اور دل میں موت کے متعلق سوچتے رہتے تھے۔ (ابن سعد) ان روایات کی بناء پر چاروں آئمہ کا اتفاق ہے کہ میت کے ساتھ ذکر، کلمہ، یا تلاوت بلند آواز سے کرنا مکروہ ہے۔ (شامی، فتح الباری)

جب تک قبرستان میں جنازہ رکھ نہ دیا جائے نہ بیٹھیں

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِنِ الْخُدْرِی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اِذَا اتَّبَعْتُمُ الْجَنَازَۃَ فَلَا تَجْلِسُوْا حَتّٰی تُوْضَعَ....

(رواہ ابو داؤد و البخاری)

حضرتِ ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:- جب تم کسی جنازہ کے ساتھ جاؤ تو اس وقت تک مت بیٹھو جب تک جنازہ زمین پر نہ رکھ دیا جائے۔

(ابوداؤد و بخاری)

عورتوں کا جنازہ کے ساتھ جانے کی ممانعت

عَنْ اُمِّ عَطِیَّۃَ قَالَتْ نُھِیْنَا اَنْ نَتَّبِعَ الْجَنَائِزَ وَلَا یُعْزَمُ عَلَیْنَا...

(رواہ ابو داؤد و مسلم)

حضرتِ ام عطیہؓ فرماتی ہیں کہ ہمیں حضور ﷺ کے مبارک زمانہ میں جنازہ کے ساتھ جانے سے منع کیا جاتا تھا لیکن سختی بھی نہیں کی جاتی تھی۔

(ابوداؤد و مسلم)

بعض دوسری روایات میں سختی سے منع کرنا بھی بیان کیا گیا ہے۔[1] جنکی بنا پر تمام فقہاء عورتوں کو جنازہ کے ساتھ جانے سے منع کرتے ہیں۔ حنفیہ کے نزدیک عورتوں کا جنازہ کے ساتھ جانا مکروہ تحریمی ہے۔ (شامی)

[1] حضرتِ انسؓ سے روایت ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک جنازہ میں نکلے آپ ﷺ نے دیکھا کہ کچھ عورتیں بھی جنازہ کے ساتھ ہیں آپ ﷺ نے اُن سے فرمایا:- کیا تم جنازہ کو اٹھاؤ گی؟ انہوں نے کہا نہیں آپ ﷺ نے فرمایا کیا تم اس کو دفن کروگی؟ انہوں نے عرض کیا نہیں آپ ﷺ نے فرمایا تو تم لوٹ جاؤ گنہگار ہو کر (فتح الباری بحوالہ مسند ابو یعلی)

نمازِ جنازہ اور اسکا احکام

میت کے غسل وکفن کیطرح نمازِ جنازہ بھی فرض کفایہ ہے اگر کچھ لوگ نمازِ جنازہ پڑھ لیں تو سب سے فرض ساقط ہو جائیگا۔ ورنہ ہر وہ عاقل وبالغ مسلمان گنہگار ہوگا جسکو متوفی کی موت کی اطلاع ملی اور وہ وہاں پہنچ کر نمازِ جنازہ پڑھ سکتا تھا۔

نمازِ جنازہ درست ہونے کی شرطیں

نمازِ جنازہ صحیح ہونے کیلیئے بھی وہی شرطیں ہیں جو دوسری نمازوں کیلیئے ہیں یعنی بدن کا پاک ہونا، کپڑوں کا پاک ہونا، جگہ کا پاک ہونا، ستر کا چھپانا، قبلہ رخ ہونا، نیت کرنا، صرف پنجوقتہ نمازوں کیلیئے نماز کا وقت ہونا بھی شرط ہے جبکہ نماز جنازہ کیلیئے کوئی متعین وقت نہیں ہے۔ بلکہ جنازہ کو چونکہ جلد قبر تک پہنچانے کی تاکید ہے اس لئے جب بھی جنازہ تیار ہوکر آئے فوراً نمازِ جنازہ پڑھ کر دفن کرنے کی فکر کرنی چاہیئے! بلکہ اگر کسی کا رات کے وقت انتقال ہو جائے تو اگر آسانی سے رات کو کفن دفن کا انتظام ہو سکے تو رات ہی نمازِ جنازہ پڑھ کر دفن کر دیں۔ جیسا کہ حضرتِ ابوبکر صدیقؓ اور حضرتِ فاطمۃ الزہریٰؓ کو رات میں دفن کیا گیا۔ ایسے ہی اگر جمعہ کے دن انتقال ہو جائے اور نمازِ جمعہ سے پہلے کفن دفن کا انتظام ہو جائے تو جمعہ سے پہلے ہی نمازِ جنازہ پڑھ کر دفن کر دیں۔ اس غرض سے کہ نمازِ جمعہ کے بعد نمازیوں کی تعداد زیادہ ہو جائیگی روکے رکھنا درست نہیں ہے۔ (شامی، عالمگیری) ہاں اگر ایسے وقت جنازہ آئے جب جماعت کھڑی ہونے والی ہو تو پھر جماعت وسنتوں سے پہلے فارغ ہوکر نمازِ جنازہ پڑھیں۔ (ان مسائل میں کسی کا اختلاف نہیں ہے)

نمازِ جنازہ صحیح ہونے کیلیئے جسطرح نماز پڑھنے والے کا بدن کپڑے اور جگہ پاک ہونا اور ستر کا چھپانا شرط ہے ایسے ہی میت کے جسم اور کفن کا اور اس جگہ کا پاک ہونا جس جگہ پر میت رکھی ہوئی ہو۔ اور ستر کا چھپانا بھی ضروری ہے۔ لیکن غسل دینے کے بعد میت کے جسم سے اگر کوئی گندگی نکل آئے جس سے اس کا جسم اور کپڑے ناپاک ہو جائیں۔ تو چونکہ اس سے بچنا بہت مشکل ہے اس لئے اس سے پاک ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ ظاہری ناپاکی ممکن حد تک صاف کر کے اسی حالت میں نمازِ جنازہ

ہوجائیگی۔ایسے ہی نمازِ جنازہ صحیح ہونے کیلئے میت کو غسل دیا ہوا ہونا بھی ضروری ہے۔ یہاں تک کہ اگر غلطی سے نمازِ جنازہ پڑھ دی ہو پھر معلوم ہوا کہ غسل نہیں دیا تھا تو غسل دے کر نمازِ جنازہ دوبارہ پڑھنا ضروری ہے۔اور اگر اسی طرح بغیر غسل کے نمازِ جنازہ پڑھکر دفن کردیا گیا ہو اور قبر بند کردی گئی ہو۔ پھر معلوم ہوا کہ غسل نہیں دیا گیا تھا تو یہ نمازِ جنازہ صحیح نہیں ہوئی اس کی قبر پر دوبارہ نمازِ جنازہ پڑھیں۔

(قبر پر نمازِ جنازہ کی تفصیل آگے آرہی ہے۔)

جس چارپائی پر میت رکھی ہو اس کا پاک ہونا بھی ضروری ہے ہاں ! اگر چارپائی تو پاک ہو مگر جس جگہ پر چارپائی رکھی ہو وہ جگہ ناپاک ہو تو اس سے کچھ حرج نہیں ۔ نیز نمازِ جنازہ درست ہونے کیلئے یہ بھی ضروری ہے کہ میت نمازیوں کے آگے ہو پیچھے نہ ہو اور میت چارپائی وغیرہ پر رکھی ہوئی ہو اگر بغیر عذر کے لوگ میت کو اپنے ہاتھوں پر اٹھا رکھیں یا کسی سواری پر رکھ کر نماز پڑھیں تو نماز درست نہیں ہوگی لیکن کوئی عذر ہو تو درست ہے۔

اوقاتِ ممنوعہ میں نمازِ جنازہ

جیسا کہ کتاب الصلوٰۃ میں گزرا تین وقت ایسے ہیں جن میں کسی طرح کی نماز پڑھنا درست نہیں ہے ان کو اوقاتِ ممنوعہ کہتے ہیں ۔(۱) یعنی جب سورج نکلنا شروع ہوجائے یہاں تک کہ اتنا بلند ہوجائے کہ اس پر نظر نہ جم سکے ۔(۲) جب سورج بالکل سر پر آجائے یہاں تک کہ ڈھل جائے ۔ (۳) جب سورج ڈوبنے کے قریب ہوجائے اور اتنا پیلا پڑجائے کہ آسانی سے اس پر نظر جم سکے ۔ یہاں تک کہ ڈوب جائے۔ان تین وقتوں میں جس طرح اور نمازیں درست نہیں ایسے ہی نمازِ جنازہ بھی جائز نہیں۔

البتہ احناف وشوافع کے نزدیک اگر جنازہ انہی ممنوعہ وقتوں میں آجائے تو اس پر نمازِ جنازہ درست ہے اور جن احادیث میں ان وقتوں میں نماز پڑھنے سے منع کیا گیا ہے ان سے مراد وہ نمازیں ہیں جنکا کوئی سبب نہ ہو جیسے نفل یا وقتِ معین میں فرض ہو جیسے پنج وقتہ فرائض لہٰذا اگر جنازہ ان ممنوعہ اوقات سے پہلے آیا پھر کسی وجہ سے تاخیر ہوگئی اور وقتِ ممنوع شروع ہوگیا ہو تو اب نمازِ جنازہ جائز نہیں ہے لیکن اگر اسی وقت آئے تو درست ہے۔مگر علماء مالکیہ وحنابلہ ان احادیث کے عمومی معنیٰ پر عمل

کرتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ اور نمازوں کیطرح نمازِ جنازہ بھی ان وقتوں میں ہر حال میں جائز نہیں[1] ۔ واللہ اعلم۔

نمازِ جنازہ کیلئے تیمّم

دوسری نمازوں کی طرح نمازِ جنازہ کیلئے بھی وضو شرط ہے اور جب پانی نہ ملے یا بیماری وغیرہ کے عذر سے وضو نہ کر سکے تو تیمّم کرنا بھی جائز ہے۔ نیز اگر نمازِ جنازہ شروع ہو جائے اور یہ اندازہ ہو کہ وضو کر کے نمازِ جنازہ میں شریک نہیں ہو سکوں گا تو فقہاء احناف کے نزدیک ایسے وقت میں بھی تیمّم کر کے نمازِ جنازہ میں شریک ہونا جائز ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ تابعین میں سے عطاؒ، سالمؒ زہریؒ، ابرہیم نخعیؒ، ربیعہؒ، لیثؒ اور امام اوزاعیؒ کا بھی یہی مسلک ہے۔ حضرتِ عبداللہ ابن عباسؓ سے ایک مرفوع روایت بھی ہے جسمیں ایسی حالت میں تیمّم جائز قرار دیا گیا ہے۔ یک روایت کے مطابق امام احمدؒ کا بھی یہی مسلک ہے۔ (ہدایۃ المجتہد)

جوتے پہن کر نماز جنازہ

دوسری نمازوں کی طرح نمازِ جنازہ میں بھی عام حالت مین جوتے اتار کر نماز پڑھنا بہتر ہے لیکن اگر جوتے بالکل پاک صاف ہو تو موزوں کیطرح جوتے پہن کر بھی بلا کراہت نمازِ جنازہ درست ہے اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ امام طحاویؒ شرح معانی الاثار میں فرماتے ہیں کہ اس بارے میں متواتر روایات ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نعلینِ مبارک (جوتی) پہن کر بھی نماز ادا فرماتے تھے۔ مگر شرط وہی ہے کہ جوتے پاک ہوں اگر جوتے پاک نہ ہوں تو اتار کر نماز پڑھیں حضرتِ ابوہریرہؓ کی ایک روایت میں ہے کہ جوتے پہن کر نماز جنازہ پڑھو یا اتار کر بائیں طرف رکھدو اگر بائیں طرف آدمی نہ ہو۔ یا دونوں پاؤں کے بیچ میں رکھو۔ (ابوداؤد شریف)

فاسق و بدکار لوگوں کی نمازِ جنازہ

عَنْ زَیدِ بْنِ خَالِدٍ قَالَ مَاتَ رَجُلُ بِخَیْبَرَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ	حضرتِ زید ابن خالدؓ سے روایت ہے کہ خیبر میں ایک صاحب کا انتقال ہو گیا تو

---

[1] اکثر اہلِ حدیث علماء کرام کا موقف بھی یہی ہے۔

صَلُّوْا عَلٰی صَاحِبِکُمْ اَنَّہٗ غَلَّ فِی سَبِیْلِ اللّٰہِ فَفَتَّشْنَا مَتَاعَہٗ فَوَجَدْنَا فِیْہِ خَرَزًا مِنْ خَرَزِ یَھُوْدَ مَا یُسَاوِیْ دِرْھَمَیْنِ۔۔ (رواہ النسائی وابوداؤد وابن جامہ)

حضور ﷺ نے فرمایا کہ تم لوگ ان کی نمازِ جنازہ پڑھو (میں نہیں پڑھوں گا) اس لئے کہ انہوں نے اللہ کی راہ میں مالِ غنیمت میں سے چوری کی ہے[1]۔ راوی کہتے ہیں کہ پھر ہم نے ان کے سامان کو ٹٹولا تو ہمیں یہودیوں کے نگینوں میں سے ایک نگینہ ملا جسکی قیمت دو درہم بھی نہیں تھی۔ (نسائی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

اس پر امت کا اتفاق ہے کے فاسق وفاجر اور گنہگار کی بھی نمازِ جنازہ پڑھی جائیگی۔ اور اگر وہ کھلم کھلا گناہوں میں مبتلا ہو تو عام لوگ اسکی نمازِ جنازہ پڑھیں مگر شہر کے بڑے علماء شریک نہ ہوں تا کہ اورلوگوں کو اس سے عبرت حاصل ہو اس پر سب کا اتفاق ہے لیکن کچھ مخصوص لوگوں کے بارے میں یہ اختلاف ہے، احناف اور شوافع کے نزدیک رہزنوں اور ڈاکوؤں کی نمازِ جنازہ نہیں پڑھی جائیگی۔ بلکہ بغیر نمازِ جنازہ کے ہی ان کو دفن کیا جائیگا۔ نیز امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ان لوگوں کی نمازِ جنازہ بھی نہیں پڑھی جائیگی جو اسلامی مملکت کے حاکمِ برحق کے خلاف بغاوت کریں اور دورانِ لڑائی مارے جائیں لیکن اگر وہ لڑائی کے بعد حد میں قتل کئے جائیں یا اپنی موت خود مر جائیں تو ان پر نمازِ جنازہ پڑھی جائیگی اسی پر ہمارا فتویٰ ہے۔ (شامی)

ایسے ہی احناف کے نزدیک ان لوگوں کی نمازِ جنازہ بھی نہیں پڑھی جائیگی جو قبائلی (خاندانی) یا وطنی یا صوبائی یا لسانی تعصب میں لڑیں اور دورانِ لڑائی مارے جائیں (شامی ملخصًا) چونکہ قبائل وطن یا لسانیت وغیرہ کی جنگیں سب دورِ جہالت کی منحوس رسمیں ہیں۔ ایمان والوں کے دلوں میں ان کی نفرت ہونا ضروری ہے۔ حضرتِ امامِ مالکؒ فرماتے ہیں کہ بدعتی کی نمازِ جنازہ پڑھنا مکروہ ہے۔ احناف کے نزدیک بدعتی کی نمازِ جنازہ عام لوگ پڑھیں علماء اس میں شریک نہ ہوں۔

---

[1] روایت میں ہے کہ جب آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم لوگ نمازِ جنازہ پڑھ لو تو صحابہ کرامؓ کے چہرے متغیر ہو گئے تب آپ ﷺ نے فرمایا کہ انہوں نے غنیمت میں سے چوری کی ہے۔

خودکشی کرنے والے کی نمازِ جنازہ

عَنْ جَابِرِ ابْنِ سَمُرَۃَ اَنَّ رَجُلًا قَتَلَ نَفْسَہٗ بِمَشَاقِصَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللہِ ﷺ اَمَّا اَنَا فَلَا اُصَلِّیْ عَلَیْہِ...(رواہ النسائی و ابوداؤد و مسلم)

حضرتِ جابر ابن سمرہؓ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے اپنے آپ کو تیر کے پھل (پیکان) سے قتل کرڈالا یعنی خودکشی کرلی۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:۔ میں تو اس کی نمازِ جنازہ نہیں پڑھوں گا۔ (نسائی، ابوداؤد، مسلم)

بعض دوسرے آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ پھر صحابہؓ نے تو ان کی نمازِ جنازہ پڑھی مگر آپ ﷺ شریک نہ ہوئے اسی لئے تمام علماء کے نزدیک خودکشی کرنے والے کی نمازِ جنازہ پڑھی جائیگی۔ لیکن وہاں کے بڑے علماء عبرت کیلئے شریک نہیں ہوں گے۔ احناف میں سے حضرتِ امام ابو یوسفؒ نے اگرچہ اس سے اختلاف کیا ہے لیکن مفتٰی بہ قول یہی ہے کہ خودکشی کرنے والے کی نمازِ جنازہ پڑھی جائیگی۔

قرضدار کی نمازِ جنازہ

عَنْ جَابِرٍ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ ﷺ لَا یُصَلِّیْ عَلٰی رَجُلٍ عَلَیْہِ دَیْنٌ فَاُتِیَ بِمَیِّتٍ فَسَأَلَ عَلَیْہِ دَیْنٌ قَالُوْا نَعَمْ عَلَیْہِ دِیْنَارَانِ قَالَ صَلُّوْا عَلٰی صَاحِبِکُمْ قَالَ اَبُوْ قَتَادَۃَ ھُمَا عَلَیَّ یَارَسُوْلَ اللہِ ﷺ فَصَلّٰی عَلَیْہِ فَلَمَّا فَتَحَ اللہُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ قَالَ

حضرتِ جابرؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ قرضدار کی نماز جنازہ نہیں پڑھتے تھے ایک مرتبہ ایک جنازہ آیا آپ ﷺ نے فرمایا:- کیا اس پر قرض ہے؟ صحابہؓ نے عرض کیا جی ہاں! اس پر دو دینار قرض ہے آپ ﷺ نے فرمایا تم انکی نمازِ جنازہ پڑھ لو! اس پر حضرتِ قتادہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ وہ میرے ذمہ ہیں۔ تب آپ ﷺ نے انکی نمازِ جنازہ پڑھائی پھر جب اللہ نے اپنے رسول ﷺ کو وسعت و فتح عطا فرمادی تو آپ ﷺ نے فرمایا : -

اَنَا اَوْلٰی بِکُلِّ مُؤْمِنٍ مِنْ نَفْسِهٖ مَنْ تَرَکَ دَیْنًا فَعَلَیَّ وَمَنْ تَرَکَ مَالًا فِلوَرَثَتِهٖ (رواه النسائی)

میں ہر ایک مومن پر اس کے نفس سے زیادہ حق رکھتا ہوں لہٰذا جس نے قرض چھوڑا وہ ہمارے ذمہ ہے اور جس نے مال چھوڑا وہ اس کے وارثوں کیلئے ہے۔ (نسائی شریف)

حد میں مارے جانے والے کی نمازِ جنازہ

یعنی کوئی شخص کسی جرم کا ارتکاب کرے اور اس پر شرعی حد قائم کیجائے پھر وہ مر جائے تو کیا اس پر نمازِ جنازہ پڑھی جائے یا نہیں؟

حضرتِ عمران ابن حصینؓ فرماتے ہیں کہ مدینہ منورہ میں ایک خاتون سے ارتکابِ زنا ہو گیا جسکا انہوں نے بصد اصرار خود اعتراف کر لیا۔ اس روایت کے آخر میں ہے:۔

ثُمَّ رَجَمَهَا ثُمَّ صَلّٰی عَلَیْهَا فَقَالَ لَهٗ عُمَرُ تُصَلِّیْ عَلَیْهَا وَقَدْ زَنَتْ فَقَالَ لَقَدْ تَابَتْ تَوْبَةً لَوْ قَسَمَتْ عَلٰی سَبْعِیْنَ مِنْ اهل المدینةِ لَوَسَعَتْهُمْ وَهَلْ وَبَدَتْ تَوْبَةً اَفْضَلَ مِنْ اَنْ جَادَتْ بِنَفْسِهَا لِلّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ.....(رواه النسائی، ابوداؤد وترمذی، ابن ماجه)

پھر ان کو رجم (سنگسار) کیا گیا اور انکا انتقال ہو گیا تو حضورﷺ نے ان کی نمازِ جنازہ پڑھائی حضرتِ عمرؓ نے آپﷺ سے عرض کیا آپﷺ ان پر نمازِ جنازہ پڑھتے ہیں جبکہ ان سے زنا کا ارتکاب ہوا ہے آپﷺ نے فرمایا:۔ انہوں نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر مدینہ کے ستر ۷۰ آدمیوں پر تقسیم کی جائے تو ان کو کافی ہو جائے اور کیا اس سے بہتر کسی کی توبہ ہو سکتی ہے جس نے (آخرت کے عذاب کے خوف سے حد قائم کرنے کیلئے) اپنی جان اللہ کے حضور پیش کر دی۔ (نسائی، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ)

چنانچہ چاروں ائمہ کا اتفاق ہے کہ حد میں مارے جانے والے کی نمازِ جنازہ پڑھنا ضروری ہے البتہ

امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی زناء کے جرم میں سنگسار کیا جائے تو نماز تو اسکی بھی پڑھی جائیگی لیکن خلیفۃ المسلمین اس میں شریک نہ ہوگا۔ وہ اس روایت سے استدلال کرتے ہیں کہ حضرتِ ماعز اسلمیؒ حدِ زنا ہی میں سنگسار کیئے گئے تو آپ ﷺ نے ان کیلیۓ کلماتِ خیر تو فرمائے لیکن خود انکی نمازِ جنازہ نہیں پڑھی۔ (بخاری شریف)

جمہور یہ کہتے ہیں کہ یہی روایت مصنف عبدالرزاقؒ میں بھی ہے جسمیں یہ ہے کہ دوسرے دن آپ ﷺ نے صحابہؓ کے ہمراہ ان کی قبر پر ان کی نمازِ جنازہ پڑھی تھی۔ (فتح الباری)

احناف کے نزدیک اگر والدین کا قاتل قصاص میں مارا جائے تو اس کی بھی نمازِ جنازہ نہیں پڑھی جائیگی تا کہ دوسروں کو عبرت ہو۔

مردہ پیدا ہونے والے بچے کی نمازِ جنازہ

یعنی جو بچہ ماں کے پیٹ سے ہی مردہ پیدا ہوا اور پیدا ہونے کے بعد اس میں زندگی کی کوئی علامت چیخنا، رونا وغیرہ نہ پایا جائے ایسے بچہ پر جمہورِ فقہاء (حنفی، شافعی، مالکی) کے نزدیک نمازِ جنازہ نہیں پڑھی جائیگی بلکہ اس کو نہلا کر صرف ایک ہی کپڑے میں لپیٹ کر دفن کر دیا جائیگا۔[1]

عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اِذَا اسْتَهَلَّ الصَّبِیُّ صُلِّیَ عَلَیْهِ وَوُرِّثَ.... (رواہ ابن ماجہ والدارمی والحاکم)

حضرتِ جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:- جب بچہ پیدائش کے وقت چیخے (یعنی زندہ پیدا ہو پھر مر جائے) اسکی نمازِ جنازہ بھی پڑھی جائیگی اور اس کو وراثت بھی ملے گی۔ (ابن ماجہ، مستدرک حاکم، دارمی)

امام احمدؒ کے نزدیک اگر چار ماہ کے بعد حمل گرے تو اس پر نمازِ جنازہ پڑھی جائیگی خواہ مردہ ہی پیدا ہو وہ بخاری شریف کی ایک روایت سے استدلال کرتے ہیں "کہ انسان جب چار ماہ شکمِ مادر میں رہ لیتا ہے تو اس میں روح ڈالی جاتی ہے۔ واللہ اعلم

---

[1] اہلِ حدیث علماء کا بھی یہی مسلک ہے۔

غائبانہ نمازِ جنازہ

علماءِ احناف اور علماءِ مالکیہ کے نزدیک نمازِ جنازہ صحیح ہونے کیلئے یہ شرط ہے کہ میت سامنے موجود ہوا گر میت سامنے موجود نہ ہو بلکہ غائب ہو تو نمازِ جنازہ درست نہیں۔ لیکن امام شافعیؒ اور امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ نمازِ جنازہ غائبانہ بھی درست ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ حضورﷺ نے حبشہ کے بادشاہ نجاشی کی نمازِ جنازہ غائبانہ پڑھی ہے، جبکہ آپﷺ مدینہ میں تھے اور نجاشی کا انتقال حبشہ میں ہوا تھا۔ (بخاری و مسلم) ایسے ہی حضرتِ معاویہ لیثیؓ کی نمازِ جنازہ بھی آپﷺ نے غائبانہ ادا فرمائی ہے۔ (فتح الباری)

علماءِ احناف و مالکیہ کہتے ہیں کہ یہ آپﷺ کی یا ان حضرات کی خصوصیت تھی کہ خاصطور سے انہی کی نمازِ جنازہ غائبانہ پڑھی گئی اگر یہ معمول ہوتا تو پھر سب حضرات کی غائبانہ نمازِ جنازہ پڑھی جاتی حالانکہ حضرتِ عامر بن فہیرہؓ اور ان کے ساتھ ستر ۷۰ قراء حفاظ صحابہ کرامؓ واقعہ رجیع میں شہید ہوئے حضرت حبیبؓ اور ان کے دس ساتھی مکہ اور اس کے نواح میں شہید ہوئے اور حضرتِ جعفر طیارؓ، حضرتِ عبداللہ بن رواحہؓ حضرتِ زید بن ثابتؓ اور ان کے ہمراہ بہت سے صحابہ کرامؓ غزوہ موتہ میں شہید ہوئے لیکن ان پر آپﷺ سے نمازِ جنازہ پڑھنا ثابت نہیں ہے۔ اس موقعہ پر دونوں طرف سے بہت سے دلائل دیئے گئے ہیں۔

بہر حال احناف و مالکیہ کا یہی موقف ہے کہ نمازِ جنازہ غائبانہ درست نہیں ہے پھر یہ اس آدمی کی بات ہے جسکا انتقال ایسی جگہ ہوا کہ اس کی نمازِ جنازہ وہاں پڑھی ہی نہیں گئی جیسے کہ حبشہ کے بادشاہ نجاشیؓ، ابوداؤد شریف میں یہاں عنوان ہی یہی قائم کیا گیا ہے کہ ''بیان اس شخص کی نمازِ جنازہ کا جسکا دیارِ کفر میں انتقال ہوجائے'' رہا یہ موجودہ دور کا طریقہ کہ کسی بڑے آدمی کے انتقال پر اصل مقام میں اسکی نمازِ جنازہ ہوجانے کے بعد سیکڑوں جگہ اسکی بزرگی یا سیاسی شہرت کیوجہ سے نمازِ جنازہ پڑھتے ہیں اس کا ثبوت صحابہؓ و تابعین میں سے کسی سے قطعاً نہیں ملتا۔

شہداء کی نمازِ جنازہ

شہید کی نمازِ جنازہ پڑھی جائے یا نہیں اس سلسلہ میں روایات مختلف ہیں اس لئے فقہاء کرام کا

بھی اس میں اختلاف رہا ہے۔ امام شافعیؒ، امام مالکؒ اور امام احمدؒ کا مسلک یہ ہے کہ جسطرح شہید کو غسل وکفنِ جدید نہیں اسی طرح شہید کی نمازِ جنازہ بھی نہیں ہے بلکہ اس کو ایسے ہی دفن کیا جائیگا۔ جبکہ امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک اور لوگوں کیطرح شہید کی بھی نمازِ جنازہ پڑھی جائیگی۔
اب روایات دیکھئے:۔

عَنْ ابْنِ شِهَابٍ اَخْبَرَاَنَّ اَنَسَ ابْنِ مَالِكٍ اَنَّ شُهَدَاءِ اُحُدٍ لَمْ يُغسَلُوا وَدُفِنُوا بِدِمَائِهِمْ وَلَمْ يُصَلَّ عَلَيْهِمْ. (رواه ابوداؤد والترمذی ابن ماجه)

ابن شہاب زہریؒ فرماتے ہیں کہ ہم سے انس ابن مالکؓ نے بیان فرمایا:- کہ شہداء احد کو غسل نہیں دیا گیا بلکہ اُن کو اِن کے خون آلود کپڑوں ہی میں دفن کیا گیا اور نہ ہی ان پر نمازِ جنازہ پڑھی گئی۔ (ابوداوٗد، ترمذی، ابن ماجہ)

بخاری شریف میں یہی مضمون جابر ابن عبداللہؓ سے مروی ہے کہ شہداء احد کی نمازِ جنازہ نہیں پڑھی گئی۔ انہی روایات سے ائمہ ثلاثہ استدلال کرتے ہی۔

جبکہ علماء احناف ذیل کی روایات سے استدلال کرتے ہیں۔

حضرتِ شداد ابن ہادؓ سے روایت ہے کہ ایک گاؤں کے رہنے والے صاحب نبی کریمﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر ایمان لائے اور آپﷺ کے ہمراہ ہجرت کی یہاں تک کہ وہ ایک جنگ میں شریک ہوئے اور راہِ خدا میں شہید ہوگئے پھر آپﷺ کے پاس ان کی میت لائی گئی آپﷺ نے فرمایا:۔

اَهُوَ هُوَ قَالُوْا نَعَمْ قَالَ صَدَقَ اللّٰهُ فَصَدَقَهُ ثُمَّ كَفَّنَهُ النَّبِيُّ ﷺ فِيْ جُبَّتِهٖ ثُمَّ قَدَّمَهُ فَصَلّٰى عَلَيْهِ .... (رواه نسائی)

کیا یہ وہی ہیں؟ صحابہؓ نے عرض کیا جی ہاں وہی ہیں۔ آپﷺ نے فرمایا:- اس نے اللہ کے ساتھ کئے ہوئے وعدہ کو سچ کر دکھایا تو اللہ نے بھی اس کو سچا کر دیا۔ پھر حضورﷺ نے انکو اپنے جبہ شریف میں کفن دیا۔ اور اُن کو آگے رکھ کر ان کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔ (نسائی)

اس کے علاوہ ابوداؤد شریف میں قبیلہ جہینہ کے ایک آدمی کی شہادت کا واقعہ ہے ان کی بھی آپ ﷺ نے نمازِ جنازہ پڑھی تھی، پھر تاریخی طور پر بھی صحابہ وتابعین میں سے بہت سے حضرات سے شہداء کی نمازِ جنازہ پڑھنا ثابت ہے۔ رہیں وہ روایتیں جن میں یہ کہا گیا ہے کہ شہداء احد کی نمازِ جنازہ نہیں پڑھی گئی ہے تو ممکن ہے کہ آپ ﷺ نے تو ان کی نمازِ جنازہ پڑھی ہو مگر حضرتِ جابرؓ، اور حضرتِ انسؓ کو اس رنج وغم کے عالم میں اس کا علم نہ ہوا ہو۔ ائمہ ثلاثہ ان بعد والی روایتوں جن میں کہا گیا ہے کہ آپ ﷺ نے شہداء کی نمازِ جنازہ پڑھی ہے کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ یہ حدیثیں سند کے لحاظ سے اتنی مضبوط نہیں جتنی کہ دوسری قسم کی ہیں۔ واللہ اعلم! اس مسئلہ میں امام احمدؒ سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ شہداء کی نمازِ جنازہ ضروری تو نہیں ہے لیکن جائز ہے اگر پڑھی جائے تو اچھا ہے ابن حزمؒ اور امام ابن قیمؒ نے بھی اسی رائے کو اختیار کیا ہے۔[1]

ایک لطیفہ

یہ تو ہے غائبانہ نمازِ جنازہ اور شہید کی نمازِ جنازہ کے بارے میں اکابرین کی تحقیق کی بات! لیکن یہاں ایک مزے کا علمی لطیفہ بھی سنتے چلئے!

علماءِ احناف کے نزدیک شہید کی نمازِ جنازہ تو ہے لیکن غائبانہ تو کسی کی نمازِ جنازہ درست نہیں اور دیگر علماء کے نزدیک غائبانہ نمازِ جنازہ تو جائز ہے مگر شہید کی تو سرے سے ہی نمازِ جنازہ درست نہیں ہے مگر ہمارے یہاں ایک تیسرے موقف نے جنم لیا ہے کہ بعض سیاسی مقاصد کے لئے کچھ شہداء پر سیکڑوں جگہ غائبانہ نمازِ جنازہ پڑھی جاتی ہے۔ ان سے کہو کہ بھائی! آپ کے نزدیک تو شہید پر نمازِ جنازہ ہے ہی نہیں تو کہتے ہیں احناف کے نزدیک تو ہے اور جب یہ کہا جائے کہ بھائی! احناف کے نزدیک غائبانہ تو نمازِ جنازہ نہیں ہے تو فرماتے ہیں کہ دوسرے علماء کرام کے نزدیک تو غائبانہ نمازِ جنازہ ہے۔ جی ہاں! اسی کو شترمرغ کی چال یا سیاسی دین کہتے ہیں۔

---

[1] اہلِ حدیث علماء کرام میں سے مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ بھی اسی رائے کو ترجیح دیتے ہیں (تحفۃ الاحوذی) لیکن علامہ وحیدالزماںؒ نے آئمہ ثلاثہ کی رائے کو اختیار کیا ہے (حاشیہ ابوداؤد شریف)

اجراءاحکام کیلئے شہادت کی شرطیں

شہید کے یہ مذکورہ بالا احکام (یعنی غسل نہ دینا، نیا کفن نہ دینا اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک نمازِ جنازہ نہ پڑھنا) کے جاری ہونے کیلئے چند شرطیں ہیں۔

الف: عاقل بالغ ہولہٰذا اگر کوئی مجنون آدمی یا کوئی نابالغ بچہ شہید ہوجائے تو اس کو عام لوگوں کیطرح غسل وکفن دیکر دفن کریں گے۔اوراس پرشہید کے مذکورہ احکام جاری نہ ہوں گے۔

ب:شہید ہونے والے پر پہلے غسل واجب ہولہٰذا اگرکوئی جنبی آدمی کوئی حیض ونفاس والی خاتون شہید ہوجائے اور دوسرے لوگوں کواس کاعلم ہوکہ ان پرغسل واجب تھا تو ان پربھی شہید کے احکام جاری نہ ہوں گے بلکہ ان کوغسل وکفن دیکر دفن کیا جائیگا۔

غزوہ احد میں حضرتِ حنظلہؓ کوشہادت کے بعد فرشتوں نے غسل دیا تھا۔صحابہؓ فرماتے ہیں کہ جب ان کی نعش کو اٹھایا گیا تو ان کے جسم سے پانی ٹپک رہا تھا جب ان کی اہلیہ حضرتِ جمیلہؓ سے اس بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ حضرتِ حنظلہؓ حالتِ جنابت ہی میں میدانِ کارزار کیطرف روانہ ہوگئے تھے اوراسی حالت میں ان کی شہادت ہوگئی۔(سیرۃ المصطفیٰ ﷺ بحوالہ۔مستدرک حاکم ابن سعد، خصائص کبریٰ) ج:- یہ کہ زخم لگنے کے بعد میدانِ جنگ میں ہی شہید ہوجائے اور اگر معرکہ میں زخمی ہوجائے لیکن زندہ رہے اور بعد میں انتقال ہوتو امام مالکؒ اورامام احمدؒ فرماتے ہیں کہ اب اگراس نے کچھ کھایا پیا اور دودن تک زندہ رہا تو اس پرشہادت کے احکام جاری نہیں ہوں گے۔

اوراگراس سے کم زندہ رہا تواحکام شہداء جاری ہوں گے۔علماء احناف وشوافع کا مسلک یہ ہے کہ اگر زخم لگنے کے بعداس سے کاروبارِ دنیا میں سے کوئی کام ظاہر ہوا مثلاً اس نے کچھ کھایا، پیا یا دوائی وعلاج کیا یا کچھ خرید وفروخت کیا، یا بہت دیرتک ہوش وحواس میں باتیں کرتا رہا یا دنیا کے معاملات میں سے کسی چیز کے متعلق کوئی وصیت کی تو اس پرشہادت کے احکام جاری نہیں ہوں گے۔ جبکہ یہ تمام باتیں لڑائی ختم ہونے کے بعد ہوں اوراگر یہ سب جنگ کے دوران ہی ہو اورمعرکہ ختم ہونے سے پہلے ہی انتقال ہوجائے تو شہید کے احکام جاری ہوں گے۔؛

اگرکسی کوزخم لگنے کے بعد میدانِ کارزار سے ہوش وحواس میں اٹھا لائیں پھر بحالتِ ہوش اس

پر ایک فرض نماز کا وقت گزر جائے تو بھی شہید کے احکام جاری نہ ہوں گے۔لیکن اگر میدان سے اس لئے اٹھالائے ہوں کہ گھوڑوں یا گاڑیوں کے نیچے نہ آجائے تو اس پر شہید کے احکام جاری ہوں گے۔

واضح رہے کہ جب مذکورہ شرائط نہ پائے جانے کیوجہ سے کسی پرشہید کے احکام جاری نہ ہوں بلکہ اس کو غسل دے کر نئے کفن میں کفنا کر دفن کیا جائے تو اس کا یہ مطلب ہر گز نہیں ہے کہ اس کی شہادت عنداللہ مقبول نہیں ہے۔ یہ تو صرف دنیا کے احکام کے لحاظ سے ہے آخرت کا معاملہ تو نیت پر ہے۔ نیز یہ بھی یادرہے کہ جس طرح دوبدو جنگ کرنے والے شہید کے احکام جاری ہوتے ہیں اسی طرح ہر وہ شخص شہید کہلاتا ہے اوراس پر احکام شہداء جاری ہوتے ہیں جس کی موت کا سبب بالواسطہ دشمن ہو۔مثلاً دشمن کیطرف سے کسی گھر کو آگ لگادی گئی تو اس گھر میں یا اس سے ملحقہ مکانوں میں جل کر مرنے والا، یا دشمن کی سواری کے نیچے دب کر مرنے والا بلکہ وہ شخص بھی جو کسی جانور پر سوار تھا پھر دشمن نے اس جانور کو بھگایا اور وہ اس سے گر کر مر گیا شہید کہلائے گا۔اوراس کو بغیر غسل کے انہی خون آلود کپڑوں میں دفن کریں گے۔

شہید کی اس مذکورہ قسم کے علاوہ کچھ وہ لوگ بھی ہیں جن پر دنیا میں اگر چہ شہید کے احکام جاری نہیں ہوتے لیکن حدیث میں ان کو بھی شید کہا گیا ہے اور وہ آخرت میں شہید کا سا ثواب پائیں گے۔ان تمام کو اگر چہ کسی ایک حدیث میں تو بیان نہیں کیا گیا ہے لیکن الگ الگ احادیث میں جو ایسے لوگ بیان کئے گئے اگر جمع کئے جائیں تو چالیس سے بھی زائد ہوں گے۔مثلاً علم دین پڑھتے یا پڑھاتے مرنے والا، طاعون یا پیٹ درد میں مرنے والا، ڈوب کر مرنے والا، دردِ زہ میں مرنے والی عورت وغیرہ وغیرہ۔

مسجد میں نمازِ جنازہ

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ مَنْ صَلّٰی عَلٰی جَنَازَةٍ فِیْ الْمَسْجِدِ فَلَا شَیْءَ لَهٗ ..(رواہ احمدوابن ماجه والبهقی)

حضرتِ ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:- جس نے مسجد میں نمازِ جنازہ پڑھی اس کیلئے کچھ (ثواب) نہیں ہے ۔

(مسند احمد، ابن ماجہ، بیہقی)

علماء احناف و مالکیہ اس حدیث اور اس طرح کی دوسری حدیثوں کی بناء پر فرماتے ہیں کہ مسجد میں نمازِ جنازہ پڑھنا یا صرف میت گزارنا مکروہ ہے۔لیکن اس کے برخلاف---

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ وَاللّٰہِ مَا صَلّٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ عَلٰی سُهَیْلِ ابْنِ الْبَیْضَاءِ اِلَّا فِیْ الْمَسْجِدِ... (رواہ ابوداؤدوالترمذی والنسائی وابن ماجه)

حضرتِ عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ خدا کی قسم حضور ﷺ نے حضرتِ سہیل ابن بیضاءؓ پر نمازِ جنازہ مسجد ہی میں پڑھی تھی۔

(ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)

نیز حضرتِ عائشہ صدیقہؓ نے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی نمازِ جنازہ مسجد میں پڑھوائی تا کہ ازواجِ مطہرات اس میں شرکت کر سکیں۔ اور جب لوگوں نے اعتراض کیا تو یہ حدیث شریف مسجد میں نمازِ جنازہ پڑھنے کی دلیل میں سنائی۔ (مسلم، مسند احمد، بیہقی، ترمذی) نیز حضرتِ ابوبکر صدیقؓ کی بھی نمازِ جنازہ مسجد میں ہی پڑھی گئی (مصنف ابن ابی شیبہ) ان روایتوں سے استدلال کر کے علماء شوافع وحنابلہ یہ فرماتے ہیں کہ مسجد میں نمازِ جنازہ بلا کراہت جائز ہے۔ اور حضرتِ ابو ہریرہؓ کی روایت کے وہ مختلف جواب دیتے ہیں جن میں سے اہم یہ ہے کہ یہ سنداً کمزور ہے۔

لیکن حنفیہ و مالکیہ یہ کہتے ہیں کہ اگر مسجد میں نمازِ جنازہ بنا عُذر پڑھنا جائز ہوتا اور یہ عام معمول ہوتا تو حضرتِ عائشہؓ پر دوسرے صحابہ اعتراض کیوں کرتے؟ اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ اگر مسجد میں نمازِ جنازہ کی بغیر عذر عام اجازت ہوتی تو پھر مدینہ منورہ میں نمازِ جنازہ کیلئے بہترین وموزوں جگہ مسجد نبوی ﷺ تھی لیکن اس حقیقت کو سب تسلیم کرتے ہیں کہ مدینہ منورہ میں مسجد نبوی میں عام معمول نمازِ جنازہ

پڑھنے کا نہیں تھا بلکہ جنازہ پڑھنے کیلئے مسجد سے تھوڑا ہٹکر مستقل ایک جگہ تھی جسکو موضع الجنائز (جناز گاہ) کہتے تھے۔ رہا حضرتِ سہیلؓ کی نمازِ جنازہ کا مسجد میں پڑھنا تو یہ اس عُذر سے تھا کہ ایک تو آپ ﷺ مسجد میں معتکف تھے دوسرے بارش ہورہی تھی۔(**کما حققه ابن الرشد فی هداية المجتهد**) اور حضرتِ ابوبکرؓ کی نمازِ جنازہ بھی ممکن ہے کسی ایسے ہی عذر کیوجہ سے پڑھی گئی ہو۔ اور عُذر رشدید کی وجہ سے تو احناف کے نزدیک بھی مسجد میں پڑھنا جائز ہے۔ جیسا کہ حرم میں باہر جگہ نہ ہونے کی وجہ سے اندر نمازِ جنازہ پڑھی جاتی ہے۔ جو درست ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ شافعیؒ اور ابن قیمؒ فرماتے ہیں نمازِ جنازہ مسجد میں اگر چہ جائز ہے مگر بایں ہمہ نمازِ جنازہ کیلئے ایک علاحدہ جگہ ہونا ضروری ہے اور نمازِ جنازہ کا خارجِ مسجد ہونا افضل ہے۔[1]

احناف کے نزدیک دوسرے کی زمین میں بغیر اجازت کے اور عام راستہ میں بھی جس سے گزرنے والوں کو تکلیف ہو نمازِ جنازہ مکروہ ہے۔

نمازِ جنازہ پڑھنے کا طریقہ

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْمَقْبُرِیْ اَنَّهٗ سَأَلَ اَبَا هُرَیْرَةَ کَیْفَ تُصَلِّیْ عَلَی الْجَنَازَةِ فَقَالَ اَبُوهُرَیْرَةَ اَنَا لَعَمْرُاللّٰهِ اُخْبِرُکَ اَتْبِعُهَا مِنْ اَهْلِهَا فَاِذَا وُضِعَتْ کَبَّرْتُ وَحَمِدْتُ اللّٰهَ وَصَلَّیْتُ عَلٰی نَبِیِّهٖ ثُمَّ اَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ الخ....

(رواه المالک فی لمؤطا)

حضرتِ ابوسعید مقبریؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرتِ ابوہریرہؓ سے دریافت کیا کہ آپ نمازِ جنازہ کسطرح پڑھتے ہیں؟ تو حضرتِ ابوہریرہؓ نے فرمایا: قسم بخدا! میں تمہیں بتاتا ہوں کہ میں میت کے گھر سے جنازہ کے ساتھ جاتا ہوں پھر جب میت رکھدی جاتی ہے تو میں اللہُ اکبر کہتا ہوں اور اللہ کی حمد وثناء کرتا ہوں پھر حضور ﷺ پر درود شریف پڑھتا ہوں پھر میت کیلئے یہ دُعا کرتا ہوں۔ اَللّٰهُمَّ الخ.

(موطاء امام مالک)

---

[1] اسی کو اہلِ حدیث علماء نے اختیار کیا ہے۔

یہاں نمازِ جنازہ میں تین چیزیں بیان کی گئی ہیں۔(۱) ثناء (۲) درود شریف (۳) دُعا۔ اور ان میں سے ہر ایک کے بیچ میں تکبیر (اللہ اکبر) کہنا بھی ضروری ہے اس طرح چار تکبیریں ہو جائینگی ایک شروع کی تکبیرِ تحریمہ، دوسری ثناء کے بعد تیسری درودِ شریف کے بعد اور چوتھی دعا کے بعد اس کے بعد سلام پھیر دیں۔

نمازِ جنازہ کی تکبیریں

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُولُ اللهِ ﷺ نَعیٰ لِلنَّاسِ النَّجَّاشِیَّ الْیَوْمَ الَّذِیْ مَاتَ فِیْهِ فَخَرَجَ بِهِمْ اِلَی الْمُصَلّٰی وَكَبَّرَ اَرْبَعَ تَكْبِیْرَاتٍ ..

(رواہ البخاری ومسلم)

حضرتِ ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے نجاشیؒ کی وفات کے دن لوگوں کو ان کے انتقال کی خبر دی اور حضور ﷺ صحابہ ؓ کو اپنے ساتھ لیکر عید گاہ تشریف لیگئے اور وہاں نمازِ جنازہ پڑھی جسمیں چار تکبیریں کہیں۔

(بخاری ومسلم)

اکثر احادیث میں نمازِ جنازہ میں یہی چار تکبیریں ہی آئی ہیں لیکن بعض روایات میں پانچ یا اس سے زائد بھی بیان کی گئی ہیں۔ البتہ چاروں آئمہ کا چار تکبیروں پر ہی اتفاق ہے۔ امام نوویؒ شرح مسلم میں فرماتے ہیں کہ پانچ تکبیریں منسوخ ہو چکی ہیں اور صحابہ کرامؓ کا چار تکبیرات پر اجماع ہو گیا ہے لہٰذا اب کوئی شخص چار سے زائد تکبیریں نہ کہے۔[۱]

اگر کوئی امام چار سے زائد تکبیریں کہے تو احناف کے نزدیک مقتدی خاموش کھڑا رہے اور امام جب سلام پھیرے تو اس کے ساتھ سلام پھیر دے۔

احناف اور مالکیہ کے نزدیک جنازہ کی تکبیروں میں پہلی تکبیر کے علاوہ رفع یدین نہ کیا جائے اس لئے کہ خاص نمازِ جنازہ کی تکبیروں کے وقت کسی حدیث میں آپ ﷺ کا رفع یدین کرنا بیان نہیں کیا گیا ہے۔[۲] شوافع وحنابلہ بعض اثار سے استدلال کر کے رفع یدین کو چاروں تکبیروں کے وقت مسنون کہتے ہیں۔ واللہ اعلم!

---

[۱] اہلِ حدیث علماء کرام کے نزدیک چار تکبیروں پر اکتفاء کرنا افضل و بہتر ہے لیکن اگر کوئی پانچ کہدے تو یہ بھی جائز ہے (کما قال الشیخ مبارکپوری)

[۲] اہلِ حدیث حضرات کا بھی یہی موقف ہے۔

نیز مالکیہ اور احناف کے نزدیک نمازِ جنازہ کا بس یہی طریقہ ہے جو سیدنا ابو ہریوہؓ کی حدیث میں بیان ہوا اور اس میں سورہ فاتحہ نہیں ہے جبکہ امام احمدؒ کے نزدیک ثنا کی جگہ اعوذُ باللہِ ، بسم اللہ، اور سورہ فاتحہ پڑھی جائیگی اور امام شافعیؒ کے نزدیک سورہ فاتحہ کے بعد مزید کوئی سورہ بھی پڑھنی چاہیئے!

نمازِ جنازہ میں سورہ فاتحہ؟

عَنْ طَلْحَةَ ابْنِ عَبْدِاللهِ قَالَ صَلَّيْتُ خَلْفَ ابْنِ عَبَّاسٍؓ عَلٰى جَنَازَةٍ فَقَرَأَ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ قَالَ لِيَعْلَمُوا اَنَّهَا سُنَّةٌ..(رواہ البخاری وابودؤد والترمذی)

حضرتِ طلحہ ابن عبداللہؒ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کے پیچھے نمازِ جنازہ پڑھی تو انہوں نے سورۃ فاتحہ پڑھی اور بعد میں کہا کہ میں نے اس لئے سورۃ فاتحہ پڑھی ہے تا کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ یہ سنت ہے۔ (بخاری، ابوداؤد، ترمذی)

اس روایت اور آپ ﷺ کے مشہور ارشاد لَا صَلٰوۃَ اِلَّا بِفَاتِحَةِ الْکِتَابِ ۔کی بنا پر امام شافعی اور امام احمدؒ کا مسلک یہ ہے کہ نمازِ جنازہ میں سورۃ فاتحہ کا پڑھنا فرض ہے کچھ دوسرے علماء کے نزدیک سنت ہے۔[1]

لیکن علماء احناف اور مالکیہ کے نزدیک نمازِ جنازہ میں سورہ فاتحہ نہیں ہے۔ چونکہ سیدنا حضرتِ ابو ہریرہؓ کی مذکورہ حدیث میں جسمیں نمازِ جنازہ کی ترکیب بیان کی گئی ہے سورۃ فاتحہ کا ذکر نہیں ہے اور امام مالکؒ اس سلسلہ میں فرماتے ہیں کہ ہمارے شہر مدینہ منورہ میں نمازِ جنازہ میں سورۃ فاتحہ پڑھنے کا عمل بالکل نہیں ہے (ہدایۃ المجتہد)

رہی یہ حدیث کہ سورہ فاتحہ کے بغیر کوئی نماز نہیں تو نمازِ جنازہ تو بنیادی طور پر نماز ہے ہی نہیں بلکہ یہ میت کیلئے دعا ہے اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے زیادہ اہمیت کے ساتھ صرف میت کیلئے دُعا کو بیان فرمایا ہے (جیسا کہ عنقریب آرہا ہے)، رہی حضرتِ عبداللہ ابن عباسؓ کی مذکورہ روایت تو اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ سورۃ فاتحہ پڑھنا سنت ہے اور اگر سورۃ فاتحہ کو بطورِ دعا پڑھا جائے تو یہ احناف کے نزدیک بھی جائز ہے۔

---

[1] اہلِ حدیث حضرات نے امام شافعیؒ کے قول کو اختیار کیا ہے یعنی وہ بھی سورۃ فاتحہ کی فرضیت کے قائل ہیں۔

الغرض امام شافعیؒ وامام احمدؒ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کی مذکورہ روایت سے استدلال کرتے ہیں ۔اورامام مالک وامام ابوحنیفہؒ ابوہریرہؓ کی روایت اوراہلِ مدینہ کے عمل سے استدلال کرتے ہیں۔ا لیکن ہمارے اکابر (احناف) میں سے بعض علماء کرام کا رجحان اس طرف ہے کہ ثناء کے بعد بطورِ دعا سورۃ فاتحہ کو پڑھ لینا چاہیئے! (مولانا عبدالحئیؒ وغیرہ) اختلافِ امت سے بچنے کیلئے یہ طریقہ مناسب ہے۔

نمازِ جنازہ میں میت کیلئے دُعا

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اِذَا صَلَّیْتُمْ عَلَى الْمَیِّتِ فَاَخْلِصُوْ لَهُ الدُّعَاءَ. .(رواہ ابوداؤد وابن ماجہ)

حضرتِ ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:- جب تم کسی میت کی نمازِ جنازہ پڑھو تو پورے خلوص سے اس کیلئے دُعا کرو۔ (ابوداؤد وبخاری)

اس حدیث سے بھی ظاہر ہے نمازِ جنازہ کا اصل اور بنیادی مقصد میت کے لئے دُعا کرنا ہے اور باقی چیزیں بطورِ تمہید کے ہیں۔جیسا کہ کتاب الصلوٰۃ میں گزرا کہ اللہ کی حمد وثناء اور درود شریف تو ہر دعا سے پہلے ہونا ہی چاہیئے! نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ نمازِ جنازہ میں خاص لگن اور توجہ واخلاص کے ساتھ میت کیلئے دعا کرنی مطلوب ہے اکثر اس کا خیال نہیں ہوتا بلکہ محض دعا کے الفاظ دُہرا دیئے جاتے ہیں۔اور نمازِ جنازہ میں رسول اللہ ﷺ سے کئی دُعائیں منقول ہیں۔چند ایک درج کی جاتی ہیں:۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اِذَا صَلّٰی عَلَى الْجَنَازَةِ قَالَ.

(اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِحَیِّنَا وَمَیِّتِنَا وَشَاهِدِنَا وَ غَائِبِنَا و صَغِیْرِنَا وكَبِیْرِنَا وَذَكَرِنَا وَاُنْثَانَا

حضرتِ ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی جنازہ پر نماز پڑھتے تھے تو یوں دعا کرتے تھے:اے اللہ ہمارے زندہ ومردہ، ہمارے حاضر وغائب ہمارے چھوٹے اور بڑے، ہمارے مرد اور عورت ہر ایک کی مغفرت فرما۔

ا یہ مسئلہ صحابہ کرام کے مابین بھی مختلف فیہ رہا ہے حضرتِ عبداابن عباسؓ کے متعلق تو اسی روایت میں ہے کہ وہ سورۃ فاتحہ پڑھتے تھے جبکہ حضرتِ عبداللہ ابن عمرؓ کے متعلق موطا امام مالک میں ہے کہ وہ سورۃ فاتحہ پڑھنے کے قائل نہیں تھے۔

اَللّٰهُمَّ مَنْ اَحْيَيْتَهُ مِنَّا فَاَحْيِهٖ عَلَى الْاِسْلَامِ وَمَنْ تَوَفَّيْتَهُ مِنَّا فَتَوَفَّهُ عَلَى الْاِيْمَانِ اَللّٰهُمَّ لَاتُحْرِمْنَا اَجْرَهُ وَلَاتَفْتِنَّا بَعْدَهُ.. (رواه ابوداؤد والترمذی وبن ماجه مسند احمد)

اے اللہ ہم میں سے جسے تو زندہ رکھے اسے اسلام پر زندہ رکھ اور جس کو موت دے اسے ایمان پر موت دے اے اللہ اس میت کی موت کے اجر سے ہمیں آخرت میں محروم نہ رکھ اور دنیا میں اس کے بعد تو ہمیں آزمائش میں نہ ڈال۔

(ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، مسند احمد)

عَنْ عَوْفِ ابْنِ مَالِكٍ قَالَ صَلّٰى رَسُوْلُ اللهِ ﷺ عَلٰى جَنَازَه فَحَفِظْتُ دُعَائَهٖ وَهُوَيَقُوْلُ......(اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلَهُ وَارْحَمْهُ وَعَافِهٖ وَاعْفُ عَنْهُ وَاَكْرِمْ نُزَ لَهُ وَوَسِّعْ مَدْ خَلَهُ وَاغْسِلْهُ بِالْمَاءِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرْدِ وَنَقِّهٖ مِنَ الْخَطَايَا كَمَانَقَّيْتَ الثَّوْبَ الْاَبْيَضَ مِنَ الدَّنَسِ وَاَبْدِلْهُ دَارً خَيْرًا مِّنْ دَارِهٖ وَاَهْلاً خَيْرًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَزَوْجًا خَيْرًا مِّنْ زَوْجَتِهٖ وَاَدْخِلْهُ الْجَنَّةَ وَاَعِذْهُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَمِنْ عَذَابِ النَّارِ) قَالَ حَتّٰى تَمَنَّيْتُ اَنْ اَكُوْنَ اَنَا ذَالِكَ الْمَيِّتِ. (رواه مسلم نسائی،ابن ماجه،مسند احمد)

حضرتِ عوف ابن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک میت پر نمازِ جنازہ پڑھی (اس میں آپ ﷺ نے جو دعا کی) اس کے یہ الفاظ مجھے یاد ہیں۔ آپ ﷺ یوں دعا فرمارہے تھے:- اے اللہ ! تو اس کی مغفرت فرما اس پر رحمت فرما اس کو عافیت دے اور اس کو معاف فرمادے، اسکی باعزت مہمانی فرما اسکی قبر اس کیلئے کشادہ فرما، اس کو پانی، برف اور اولو سے نہلا دے اور گناہوں کی گندگی سے اس طرح صاف فرمادے جس طرح اجلے سفید کپڑے کو تو نے میل سے صاف فرمادیا ہے۔

اور اس کو دنیا کے گھر سے بہتر گھر، اور گھر والوں کے بدلہ اچھے گھر والے اور رفیقِ زندگی کے بدلہ میں اچھا رفیقِ زندگی عطا فرما، اسکو جنت میں داخل فرما، اور اس کو عذابِ قبر اور عذابِ دوزخ سے پناہ دے۔ (حضرت عوف ابن مالکؓ فرماتے ہیں کہ یہ دُعا سن کر میرے دل میں یہ آرزو پیدا ہوئی کہ کاش یہ میت میں ہوتا۔ (مسلم، نسائی، ابن ماجہ، مسند احمد)

حضرتِ ابو ہریرہؓ کی روایت جو موطاء امام مالکؒ کے حوالہ سے جنازہ کی ترکیب کے سلسلہ میں ابھی درج ہوئی اس میں یہ دعا مروی ہے۔

اَللّٰھُمَّ عَبْدُکَ وَابْنُ عَبْدِکَ وَابْنُ اَمَتِکَ کَانَ یَشْھَدُ اَنْ لَّااِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُکَ وَرَسُوْلُکَ وَاَنْتَ اَعْلَمُ بِہٖ اَللّٰھُمَّ اِنْ کَانَ مُحْسِنًا فَزِدْفِیْ اِحْسَا نِہٖ وَاِنْ کَانَ مُسِیْئًا فَتَجَاوَزْ عَنْ سَیِّئَاتِہٖ اَللّٰھُمَّ لَاتُحْرِمْنَا اَجْرَہٗ وَلَا تَفْتِنَّا بَعْدَہٗ۔۔

اے اللہ یہ تیرا بندہ تیرے بندے کا بیٹا اور تیری بندی کا بیٹا اس بات کی گواہی دیتا تھا کہ تیرے سوائے کوئی معبود نہیں اور یہ گواہی دیتا تھا کہ محمد ﷺ تیرے بندے اور تیرے رسول ہیں۔ (یعنی یہ مسلمان تھا) اور تو اس کا حال خوب جانتا ہے اے اللہ اگر وہ نیک ہو تو اس کا اجر اور زیادہ کردے اور اگر وہ گناہ گار ہو تو اس کے گناہوں کو درگزر فرما، اے اللہ! اس کے اجر سے ہمیں محروم نہ فرما اور اس کے بعد ہمیں آزمائش میں نہ ڈال۔

ان دُعاؤں کے علاوہ احادیث میں اور بھی بہت سی دُعائیں آئی ہیں جن میں سے کوئی بھی دُعا کر سکتے ہیں۔ اگر جنازہ نابالغ بچے کا ہو تو اس کے لئے دُعا میں یہ الفاظ کہنا مستحب ہے:۔

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْہُ لَنَا سَلَفًاوَّفَرَطًاوَّ اَجْرًا.

اے اللہ اس کو ہماری مغفرت کا پیش خیمہ اور ہر اول بنا اور ہمارے لئے باعث اجر بنا۔ (بیہقی)

(رواہ البیہقی، والبخاری تعلیقاً)

اس کے علاوہ جو دُعا عموماً کتب فقہ یا نماز کی کتابوں میں لکھی جاتی ہے وہ بھی پڑھ سکتے ہیں:

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْہُ لَنَا فَرَطًاوَّ جْعَلْہُ لَنَا اَجْرًاوَّ ذُخْرًاوَّ جْعَلْہُ لَنَا شَافِعًاوَّ مُشَفَّعًا

اے اللہ اس لڑکے کو ہماری مغفرت کا پیش خیمہ اور ذریعہ بنا اور اس کو ہمارے لئے اجر اور آخرت کا سامان بنا، اور اس کو ہمارا سُفارشی بنا اور اس کو ایسا سفارشی بنا جسکی سُفارش قبول کی جائے۔

اور اگر جنازہ نابالغ لڑکی کا ہوتو ہٗ ضمیر مذکر کی جگہ ھَا لگا دیں۔ اور شافِعًاوَّ مُشَفَّعًا کی جگہ شَافِعَۃً وَّ مُشَفَّعَۃً کردیں۔ یہ دُعا اگر چہ نمازِ جنازہ میں وارد نہیں ہوئی لیکن بچہ کی موت اور اس پر اجر کے سلسلہ میں یہ الفاظ احادیث میں آئے ہیں انہی کی روشنی میں یہ دُعا پڑھنا امت کا معمول رہا ہے۔[۱] واللہ اعلم

نمازِ جنازہ کے فرائض وسنن

نمازِ جنازہ میں احناف کے نزدیک صرف دو فرض ہیں:-(۱) قیام یعنی کھڑا ہونا دیگر نمازوں کیطرح نمازِ جنازہ میں بھی قیام فرض ہے بغیر عذر بیٹھکر پڑھنا جائز نہیں ہے۔(۲) چار تکبیریں۔ یہ دو چیزیں تمام علماء کے نزدیک فرض ہیں اور آخر میں لفظ اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللہِ کے ذریعہ نماز ختم کرنا احناف کے نزدیک واجب ہے اور دیگر اکثر علماء کے نزدیک فرض ہے۔

اس کے علاوہ درود شریف پڑھنا اور میت کیلئے دعا کرنا احناف کے نزدیک سُنت ہے جبکہ دیگر جمہور علماء کرام کے نزدیک فرض ہے اس لئے ان کا اہتمام بھی نہایت ضروری ہے تا کہ کسی کا اختلاف نہ رہے۔ اور ثناء پڑھنا سب حضرات کے نزدیک سُنت ہے۔ واضح رہے کہ نمازِ جنازہ ادا کرنے میں امام ومقتدی میں کوئی فرق نہیں ہے یعنی ثنا، درود، دعا اور تکبیریں امام بھی ادا کریگا اور مقتدی بھی، البتہ امام تکبیریں بلند آواز سے کہیگا اور مقتدی آہستہ۔

نمازِ جنازہ کیلئے عید وجمعہ کی طرح جماعت شرط نہیں ہے بلکہ اگر کہیں پر ایک ہی آدمی ہوتو وہ اکیلے ہی نمازِ جنازہ پڑھکر دفن کردے۔

نمازِ جنازہ چاروں آئمہ کے نزدیک سِرّاً (آہستہ) پڑھنا مستحب ہے۔ صرف امام تکبیریں اور سلام بلند آواز سے ادا کریگا۔

مستدرکِ حاکم میں ہے۔ کہ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ نے نماز جنازہ پڑھائی اور سورہ فاتحہ بلند آواز سے پڑھی پھر فرمایا میں نے قرأت بلند آواز سے اس لئے کی تا کہ تمہیں معلوم ہوجائے کہ قرأت سنت ہے۔ معلوم ہوا عام معمول بلند آواز سے پڑھنے کا نہیں تھا ایسے ہی رسول اللہ ﷺ نے

---

[۱] بعض جگہ نمازِ جنازہ کے بعد لمبی چوڑی دعا کرنے کا رواج ہے یہ غلط ہے آپ ﷺ میت کے لئے جو بھی دعا کرتے وہ سلام سے پہلے ہی فرماتے تھے نہ صحابہؓ وتابعینؒ میں سے کسی نے کبھی ایسا کیا اور چاروں اماموں میں سے بھی کوئی اس کا قائل نہیں ہے۔ یہ محض جہالت ہے۔ اسکی کوئی حقیقت نہیں۔

جنازہ کی دُعا کو بعض دفعہ امت کی تعلیم کیلئے بلند آواز سے پڑھا ہے عام معمول نہیں تھا اور نہ صحابہؓ اُس کو اپناتے۔[1]

امام کہاں کھڑا ہو

عَنْ سَمُرَةَ ؓ قَالَ قَالَ صَلَّيْتُ وَرَاءَ النَّبِيِّ ﷺ عَلٰى امْرَأَةٍ مَاتَتْ فِيْ نِفَاسِهَا فَقَامَ عَلَيْهَا وَسَطَهَا.

(رواہ البخاری ومسلم)

حضرت سمرہؓ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پیچھے اس عورت کی نمازِ جنازہ پڑھی جو حالتِ نفاس میں انتقال کر گئی تھیں آپ ﷺ اس کے درمیان کھڑے ہوئے۔

(بخاری ومسلم)

اور ترمذی وطحاوی کی روایت میں ہے کہ حضرتِ انسؓ نے ایک مرد کی نمازِ جنازہ پڑھائی تو اس کے سر کے قریب کھڑے ہوئے پھر ایک عورت کی پڑھائی تو اس کے درمیان میں کھڑے ہوئے جب ان سے اسکی وجہ معلوم کی گئی تو فرمایا حضور ﷺ بھی ایسے ہی کھڑے ہوتے تھے۔

ان روایات کیوجہ سے علماء حنابلہ شوافع کا مسلک یہ ہے کہ اگر میت عورت کی ہو تو امام اس کے درمیان یعنی کمر کے مقابل کھڑا ہو اور اگر مرد کی ہو تو سینہ کے مقابل کھڑا ہو۔[2] ہمارے اکابرِ احناف میں سے امام ابو یوسفؒ کا بھی یہی مسلک ہے۔ امام ابوحنیفہؒ سے بھی ایک روایت اسی کے مطابق ہے اور امام طحاویؒ نے بھی اسی کو پسند فرمایا ہے۔ (شرح معانی الاثار)

لیکن امام صاحب کی مشہور روایت یہ ہے کہ میت خواہ مرد ہو یا عورت اس کے سینہ کے سامنے کھڑا ہونا چاہئے! کیونکہ حضرتِ سمرہؓ کی روایت میں جو درمیان میں کھڑا ہونے کا ذکر ہے یہ عورت ہی کیلئے نہیں بلکہ مرد کا بھی یہی حکم ہے۔ چونکہ حضرت سمرہؓ یہ نہیں فرماتے ہیں کہ یہ حکم صرف عورت کی میت کیلئے ہے۔ البتہ درمیان سے مراد سینہ ہے۔ اسلئے کہ جسم میں اگر تانگوں کو شمار نہ کریں تو درمیان میں سینہ آتا ہے اور ٹانگیں اور بازو دونوں شمار کریں تو پھر بھی درمیان میں سینہ ہی آتا ہے۔ نیز حضرتِ عبداللہ ابن مسعودؓ سے بھی ایک روایت عورت کے سینہ

---

[1] بعض علماء شوافع کے نزدیک رات کو نمازِ جنازہ جہراً اور دن میں سراً پڑھنا مستحب ہے اور اہلِ حدیث علماء کرام میں سے حضرت مولانا عبدالرحمن مبارکپوری قدس سرہٗ کا رجحان اس طرف ہے کہ نمازِ جنازہ سراً ہی مستحب ہے۔[2] اہل حدیث حضرات کا بھی یہی مسلک ہے۔

کے مقابل کھڑے ہونے کی ہے۔ (ہدایۃ المجتہد) اسی لئے امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ حدیث میں کسی ایک جگہ کو متعین نہیں کیا گیا ہے اس لئے کہیں بھی کھڑے ہو سکتے ہیں۔

لیکن یہ اختلاف صرف افضلیت کا ہے نہ کہ جواز کا۔ اور فقہاء احناف میں سے بھی بہت سے علماء نے امام ابو یوسفؒ کے قول پر ہی فتویٰ دیا ہے۔ واللہ اعلم

نمازِ جنازہ میں نمازیوں کی کثرت کی اہمیت

عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ مَا مِنْ مَيِّتٍ تُصَلِّيْ عَلَيْهِ اُمَّةٌ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ يَبْلُغُوْنَ مِائَةً كُلُّهُمْ يَشْفَعُوْنَ لَهُ اِلَّا شُفِّعُوْا فِيْهِ... (رواه مسلم والنسائی والترمذی واحمد))

حضرتِ عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:- جس میت پر مسلمانوں کی ایک بڑی جماعت نماز پڑھے جنکی تعداد سو تک پہونچ جائے وہ سب اللہ کے حضور اس میت کیلئے سفارش کریں (یعنی مغفرت ورحمت کی دُعا کریں) تو ان کی یہ سفارش ضرور قبول ہوگی۔ (مسلم، نسائی، ترمذی، مسند احمد)

حضرتِ عبداللہ ابن عباسؓ کی ایک روایت میں یہ تعداد چالیس بیان فرمائی گئی ہے۔ مقصود ان سب سے کثرتِ تعداد کی رغبت دلانا ہے۔

کم از کم تین صفیں بنانا

عَنْ مَالِكِ ابْنِ هُبَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ مَامِنْ مُسْلِمٍ يَمُوْتُ فَيُصَلِّيْ عَلَيْهِ ثَلٰثَةُ صُفُوْفٍ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ اِلَّا اَوْجَبَ فَكَانَ

حضرتِ مالک ابن ھبیرہؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے آپ ﷺ کا یہ ارشاد سنا کہ جس مسلمان بندے کا انتقال ہو جائے اور مسلمانوں کی تین صفیں اسکی نمازِ جنازہ پڑھیں تو اللہ تعالیٰ ضرور اس کیلئے (مغفرت وجنت) واجب کر دیتا ہے۔

مَالِکٌ اِذَااسْتَقَلَّ اَھْلَ الْجَنَازَہ جَزَّءَ ھُمْ ثَلٰثَةَ صُفُوْفٍ لِھٰذَا لْحَدِیْثِ.(رواہ ابوداؤد)

راوی کہتے ہیں کہ چنانچہ حضرت مالک ابن ہبیرہؓ کا یہی دستور تھا کہ جب وہ نمازیوں کی تعداد کم محسوس کرتے تو اس حدیث کے پیشِ نظر ان کی تین صفیں بنا لیتے۔ (ابوداؤد)

اگر نمازیوں کی تعداد کافی ہوتو علماء فرماتے ہیں پھر جتنی زیادہ صفیں بن سکیں بنالیں اور طاق عدد یعنی: ۵، ۷، ۹، ۱۱، ۱۳ وغیرہ ہوں تو اچھا ہے اور اگر نمازیوں کی تعداد کم ہوتو کم از کم تین صفیں بنالیں بہر حال ان روایات سے ظاہر ہے کہ کثرت باعثِ برکت ورحمت ہے۔ ممکن حدتک اسکی کوشش کرنی چاہیئے۔ زہے قسمت لیکن کثرت کے انتظار میں جنازہ کو روک کر رکھنے کو فقہاء احناف نے مکروہ لکھا ہے (عالمگیری) چونکہ جنازہ میں تعجیل کی زیادہ اہمیت ہے۔

ایک سے زائد میتوں کی ایک ساتھ نمازِ جنازہ

جب ایک سے زائد جنازے ایک ساتھ آجائیں تو سب پر الگ الگ نماز پڑھنا ضروری نہیں بلکہ سب پر ایک ہی نماز جنازہ پڑھ لینا بھی کافی ہے۔ سب کی میت قبلہ رخ ایک لائن میں رکھدیں۔ اور اگر مردوں وعورتوں کے جنازے ایک ساتھ ہوں تو امام کے قریب مردوں کے جنازے رکھیں اس کے بعد عورتوں کے اور اگر لڑکوں اور عورتوں کے جنازے ہوں تب بھی امام کے قریب لڑکوں کی میت رکھیں اور اگر مردوں عورتوں اور بچوں کے جنازے ایک ساتھ جمع ہوں تو امام کے قریب مردوں کے جنازے ان کے بعد بچوں کے ان کے بعد عورتوں کے قبلہ کی جانب رکھیں۔ (اس تفصیل پر سب کا اتفاق ہے)

عَنْ مَالِکٍ اَنَّهٗ بَلَغَهٗ اَنَّ عُثْمَانَ ابْنَ عَفَّانَ وَعَبْدَاللّٰہِ ابْنَ عُمَرَ وَاَبَا ھُرَیْرَۃَ کَانُوْا یُصَلُّوْنَ عَلَی الْجَنَائِزِ بِالْمَدِیْنَةِ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ فَیَجْعَلُوْنَ الرِّجَالَ مِمَّایَلِیُ الاِمَامَ وَالنِّسَاءَ مِمَّا یَلِیُ الْقِبْلَةَ.. (رواہ المالک)

حضرتِ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ حضرتِ عثمانِ ابن عفانؓ، حضرتِ عبداللہ ابن عمرؓ اور حضرتِ ابوہریرہؓ مدینہ منورہ میں مردوں اور عورتوں کے کئی جنازوں پر ایک ساتھ نمازِ جنازہ پڑھا کرتے تھے مردوں کو امام کے قریب رکھتے اور عورتوں کی میت ان کے بعد قبلہ کی جانب رکھتے تھے۔ (موطاء امام مالک)

اورنسائی شریف میں ہے کہ حضرت عمارؓ نے ایک بچہ اورایک عورت کی نمازِ جنازہ ایک ساتھ پڑھی تو امام کے قریب بچہ کی میت رکھی اس کے بعد عورت کی ، اس وقت لوگوں میں حضرتِ ابوسعیدؓ، حضرت ابن عباسؓ، حضرتِ ابوقتادہؓ اورحضرتِ ابوہریرہؓ تھے۔ حضرتِ عطاء ابن رباحؒ کہتے ہیں کہ میں نے ان سے (اس ترتیب) کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا:- ''یہی سنت ہے''۔

مسبوق کا نمازِ جنازہ میں ملنا

یعنی اگر کوئی ایسے وقت آیا کہ نمازِ جنازہ شروع ہوچکی تھی یا ایک دوتکبیریں بھی ہوچکی تھیں تواب وہ امام کی اگلی تکبیر کا انتظار کرے جب امام دوسری تکبیر کہے تو یہ بھی اللہ اکبر کہہ کر نماز میں شریک ہوجائے اور جتنی تکبیریں امام کے ساتھ ہیں وہ ادا کرے اور جب امام سلام پھیردے تو اپنی باقی تکبیریں دعا پڑھ کرادا کرے لیکن اگر یہ خیال ہو کہ میت سامنے سے اٹھالی جائیگی تو دعا نہ پڑھے بلکہ جلدی جلدی رہی ہوئی تکبیریں ہی کہے اورسلام پھیردے۔ یہ امام ابوحنیفہؒ اورآپ کے شاگرد امام محمدؒ کا قول ہے اوراسی پر فتویٰ ہے چونکہ جنازہ کی ہر تکبیر تکبیرِ تحریمہ کے درجہ میں ہے۔

لیکن احناف میں سے امام ابویوسفؒ اور دیگر اکثر علماء کرام یہ فرماتے ہیں کہ دوسری تکبیر کا انتظار ضروری نہیں جب بھی پہونچے اللہُ اکبر کہہ کر نمازِ جنازہ میں شریک ہوجائے۔ واللہ اعلم۔

قبر پر نمازِ جنازہ

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَؓ اَنَّ اَسْوَدَ رَجُلًا اَوِامْرَءَةً كَانَ يَقُمَّ الْمَسْجِدَفَمَاتَ فَلَمْ يَعْلَمِ النَّبِیُّ ﷺ بِمَوْتِهٖ فَذَكَرَه ذَاتَ يَوْمٍ فَقَالَ مَا فَعَلَ ذَالِکَ الْاِنْسَانُ قَالُوْامَاتَ يَارَسُوْلَ اللهِ قَالَ اَفَلَا اٰذَنْتُمُوْنِیْ

حضرتِ ابوہریرہؓ بیان فرماتے ہیں کہ ایک سیاہ فام مرد یا عورت مسجد میں جھاڑو دیا کرتی تھیں ان کا انتقال ہوگیا لیکن حضور ﷺ کو ان کی موت کا علم نہ ہوسکا پھر ایک دن آپ ﷺ نے اس کا ذکر کیا اورفرمایا:- کہ اس آدمی کا کیا ہوا۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ! ان کا انتقال ہوگیا آپ ﷺ نے فرمایا تم نے مجھے کیوں نہیں اطلاع دی ، صحابہؓ نے اسکی وجہ عرض کی، کہ ان کا

فَقَالُوْا اِنَّهٗ كَذَا وَكَذَا قِصَّتَهٗ فَحَضَرُوا شَأْنَهٗ قَالَ فَدُلُّوْنِيْ عَلٰى قَبْرِهٖ فَاَتٰى قَبْرَهٗ فَصَلّٰى عَلَيْهِ .

(رواه البخاری و مسلم)

معاملہ اتنا بڑا نہ تھا کہ آپ ﷺ کو تکلیف دیتے۔آپ ﷺ نے فرمایا:- مجھے ان کی قبر بتاؤ پھر آپ ﷺ ان کی قبر پر تشریف لائے اور ان کی نمازِ جنازہ پڑھی۔

(بخاری ومسلم)

مسلم شریف میں اس کے بعد یہ الفاظ اور زیادہ ہیں۔

ثُمَّ قَالَ اِنَّ هٰذِهِ الْقُبُوْرَ مَمْلُوْءَةٌ ظُلْمَةً عَلٰى اَهْلِهَا وَاِنَّ اللّٰهَ يُنَوِّرُهَا لَهُمْ بِصَلَاتِيْ عَلَيْهِمْ . . .

پھر آپ ﷺ نے فرمایا:- یہ قبریں قبر والوں پر اندھیرے سے بھری ہوئی ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کو میرے نماز پڑھنے سے روشن کر دیتا ہے

ان روایات کی بناء پر تمام امت کا اس بات پر تو اتفاق ہے کہ جسکی نمازِ جنازہ نہ پڑھی گئی ہو۔اور بغیر نمازِ جنازہ کے ہی دفن کر دیا گیا ہو تو اس کی قبر پر نمازِ جنازہ پڑھنا چاہئے تو امام شافعیؒ و امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ اسکی قبر پر بھی نمازِ جنازہ پڑھنا جائز ہے چونکہ یہاں جن صاحب کا ذکر ہے ان کی صحابہؓ نے نمازِ جنازہ پڑھی تھی پھر بھی آپ ﷺ نے دوبارہ پڑھی۔پھر امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ دفن کرنے کے بعد صرف تیس دن تک نمازِ جنازہ پڑھی جاسکتی ہے اسکے بعد نہیں۔

جبکہ علماء حنفیہ و مالکیہ کا مسلک یہ ہے کہ جسکی نمازِ جنازہ پڑھکر دفن کیا گیا ہو اسکی قبر پر نمازِ جنازہ پڑھنا درست نہیں ہے۔چونکہ آپ ﷺ نے اپنے نمازِ جنازہ پڑھنے کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ ''یہ قبریں تاریک ہیں میری نماز سے خدا ان کو روشن کریگا'' یہ بات چونکہ آپ ﷺ کے ساتھ خاص ہے لہٰذا اس طرح نمازِ جنازہ پڑھنا آپ ﷺ کی خصوصیت ہے۔واللہ اعلم۔

احناف کے نزدیک قبر پر نماز تب تک درست ہے جب تک یہ اندازہ ہو کہ نعش ابھی تک پھولی پھٹی نہیں اور یہ مدت ہر جگہ موسم کے لحاظ سے کم زیادہ ہوتی ہے عام طور پر تین دن کی مدت بیان کی جاتی ہے۔

دفن کے مسائل

میت کی تکفین وتجہیزاورنمازِ جنازہ کیطرح تدفین (دفن کرنا) فرض کفایہ ہے۔الّا یہ کہ دفن کرنا ممکن ہی نہ ہو سکے۔مثلاً کسی کا سمندری سفر میں انتقال ہو جائے تو اگر وہاں سے خشکی اتنی قریب ہو کہ نعش کے خراب ہونے سے پہلے پہلے وہاں پہونچنا ممکن ہو تو پھر وہاں پہنچ کر دفن کرنا ضروری ہے لیکن اگر وہاں سے خشکی کافی دور ہو اور اندیشہ ہو کہ وہاں پہنچتے پہنچتے نعش خراب ہو جائیگی تو پھر غسل وکفن کے بعد نمازِ جنازہ پڑھکر اسے کسی بھاری چیز کے ساتھ باندھ کر سمندر میں ڈالدینا ضروری ہے (درالمختار وغیرہ) اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

تدفین میں جلدی کرنا

عَنْ عَبْدِاللّٰہِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِیَّ ﷺ یَقُوْلُ اِذَامَاتَ اَحَدُکُمْ فَلَا تَحْبِسُوْہُ وَاَسْرِعُوْبِہٖ اِلٰی قَبْرِہٖ. (رواہ البیہقی)

حضرتِ عبداللہ ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب تم میں سے کسی کا انتقال ہو جائے تو تم اس کو روک کر مت رکھو بلکہ جلدی ہی اس کو اسکی قبر تک پہنچاؤ۔ (بیہقی)

اکثر مقامات پر اس ارشادِ گرامی سے غفلت برتی جاتی ہے نمازِ جنازہ ہو جانے کے بعد بھی خواہ مخواہ تاخیر کی جاتی ہے۔

قبر کیسی ہونی چاہیے

عَنْ هِشَامِ ابْنِ عَامِرٍ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ یَوْمَ اُحُدٍ اِحْفِرُوْا وَاَوْسِعُوْا وَاَعْمِقُوْا وَاَحْسِنُوْا وَادْفِنُوْ

حضرتِ ہشام ابن عامرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے احد کے دن فرمایا۔(شہداء کیلئے) قبریں کھودو اوران کو وسیع اور گہرا کرو، اور اچھی طرح بناؤ اور

آلِاثْنَیْنِ وَالثَّلَاثَةَ فِیْ قَبْرٍوَّاحِدٍ وَقَدِّمُوْ اَکْثَرَهُمْ قُرْاٰنًا. .(رواہ احمدوابو داؤدو الترمذی وو النسائی)	دودو، تین تین کو ایک ایک قبر میں دفن کرواوران میں سے جسکوقرآن کریم زیادہ یادہواس کوآگے رکھو۔ (مسنداحمد،ترمذی،ابوداوٗد،نسائی)

احد میں ستر صحابہ کرامؓ راہ خدا میں اللہ کو پیارے ہوئے تھے اس ہنگامی حالت میں آپ ﷺ نے ایک قبر میں دودو، تین تین آدمیوں کے دفن کرنے کی اجازت دی تھی اب بھی اگر ایسے حالت ہوں تو ایک قبر میں کئی مردے دفن کرنا جائز ہیں اوران میں جسکوقرآن کریم زیادہ یاد ہووہ آگے رکھا جائے اور ہر ایک کے درمیان مٹی کے ذریعہ فصل کیا جائے۔(اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے)۔

اور ایسے ہنگامی حالات میں بھی آپ ﷺ نے قبر کو گہری، کشادہ اوراچھی بنانے کا حکم دیا ہے۔ مسند احمد اور ترمذی شریف میں ہے کہ آپ ﷺ ایک مرتبہ قبر کے کنارے بیٹھ کر قبر کھودنے والے سے فرمارہے تھے ہر طرف سے کشادہ کروسر کی طرف سے کشادہ کرو،احناف کے نزدیک قبر کی لمبائی میت کی لمبائی کے برابراور چوڑائی نصف قد کے برابر ہونی چاہیئے تا کہ قبر کے اندر کھڑے ہوکر آسانی سے میت کو قبر میں اتارا جاسکے۔اور گہرائی کم از کم آدھے قد تک ہونی چاہیئے۔لیکن اگر سینہ تک یا پورے قد تک ہوتو زیادہ بہتر ہے۔امام احمدؒ کے نزدیک سینہ تک اورامام شافعیؒ کے نزدیک پورے قد تک ہونا مستحب ہے حضرتِ عمرؓ کے حالات میں لکھا ہے کہ انہوں نے فرمایا تھا میرے لئے پورے قد کے برابر گہری قبر کھودنا۔

قبر دو قسم کی ہوتی ہے۔(۱) لحد اس کو بغلی بھی کہتے ہیں۔(۲) شق اس کو صندوقچی بھی کہتے ہیں۔

لحد:۔بغلی یہ ہے کہ پہلے سیدھی قبر کھودی جائے پھر قبلہ کی جانب میت رکھنے کیلئے کوٹھڑی نما ایک گڑھا کھودا جائے۔

شق:-(صندوقچی) یہ ہے کہ پہلے ایک فٹ گہرا گڑھا کھودیں پھر اس کے بیچوں بیچ قد آدم کے برابر گہری قبر کھودیں جسکی لمبائی میت کے قد کے برابر بلکہ اس سے ذرا زیادہ ہوتا کہ سر اور پاؤں آسانی سے رکھے جاسکیں۔اور چوڑائی اس قدر کہ قبر کے اندر اتر کر آسانی سے میت کو اتارا جاسکے جو زیادہ سے زیادہ میت کے نصفِ قد کے برابر ہو۔اس پر اجماع ہے کہ لحد اور شق دونوں قسم کی قبر

بنانا جائز ہے۔البتہ شق سے لحد تمام فقہاء کے نزدیک افضل ہے چونکہ رسولِ پاک ﷺ کی قبر اطہر لحد (بغلی) تھی اور آپ ﷺ کو لحد زیادہ پسند تھی۔

عَنْ عَامِرِ ابْنَ سَعْدِابْنِ اَبِیْ وَقَّاصٍؓ اَنَّ سَعْدَ ابْنَ اَبِیْ وَقَّاصٍ قَالَ فِیْ مَرَضِہٖ الَّذِیْ ھَلَکَ فِیْہِ الْحِدُوْ لِیْ لَحَدًا وَاَنْفِبُوْ عَلَیَّ اللَّبِنَ نَصَبًا کَمَاصُنِعَ بِرَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ۔ (رواہ ومسلم واحمد والنسائی وابن ماجہ)

حضرتِ سعد بن ابی وقاصؓ کے صاحب زادے حضرتِ عامرؓ فرماتے ہیں کہ (والد ماجد) حضرتِ سعد ابن ابی وقاصؓ نے اپنے مرضِ وفات میں یہ وصیت فرمائی تھی کہ میرے واسطے لحد (بغلی) قبر بنائی جائے اور اس کو پکی اینٹوں سے بند کرنا۔جس طرح رسولِ پاک ﷺ کیلئے کیا گیا تھا۔
(مسلم،مسند احمد،نسائی،ابن ماجہ)

حضرتِ انسؓ فرماتے ہیں کہ مدینہ میں دو شخص قبر کھودنے والے تھے ایک لحد کھودتے تھے دوسرے شق جب رسولِ پاک ﷺ کا وصال ہوا تو صحابہؓ نے دونوں کے پاس آدمی بھیجا کہ جو پہلے آجائے گا وہ آپ ﷺ کیلیئے قبر کھودیگا۔لحد بنانے والے صاحب پہلے آئے لہٰذا آپ ﷺ کی قبر لحد مبارک (بغلی) بنائی گئی۔(مسند احمد،ابن ماجہ،مصنف ابنِ ابی شیبہ)

مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے کہ حضرتِ ابوبکرؓ وحضرتِ عمرؓ کی قبر بھی لحد ہی بنائی گئی۔

تاہم اس پر بھی تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ جہاں ریتیلی یا نمناک زمین کیوجہ سے بغلی قبر بنانا مشکل ہو وہاں شق ہی بہتر ہے۔ہمارے یہاں جموں خطہ میں اسی مجبوری سی شق قبر کھودی جاتی ہے جبکہ وادی میں اکثر لحد (بغلی) کھودی جاتی ہے۔

اگر قبر کھودتے ہوئے کسی پرانی میت کی کوئی ہڈی مل جائے تو اس کو نہایت اہتمام سے پھر اسی قبر میں دفن کردیں۔حضرتِ عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہے کہ رسولِ پاک ﷺ نے فرمایا:- مردہ کی ہڈی کا توڑنا ایسا ہی ہے جیسا زندہ کی ہڈی کو توڑنا (ابوداؤدشریف)

اس روایت کی بناء پر علماء کرام فرماتے ہیں کہ مردے کے ساتھ انتہائی نرمی کا معاملہ کرنا چاہئے۔قبر میں اتارتے اور قبر میں لٹاتے وقت خاص طور سے نرمی واحتیاط برتنی چاہئے۔

قبر میں اتارنے کا طریقہ

قبر تیار کرنے کے بعد جنازے والی چارپائی قبر کے قریب قبلہ جانب لائیں اور ایک دو آدمی قبر کے اندر اتر جائیں پھر قبلہ کیطرف سے میت کو قبر میں اتاریں۔

عَنْ ابنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم دَخَلَ قَبْرًا لَیْلًا فَاُسْرِجَ لَهٗ بِسرَجٍ فَاَخَذَمِنْ قِبَلِ القِبْلَةِ وَقَالَ رَحِمَکَ اللّٰهُ اِنْ کُنْتَ لَاَوَّاهًا تَلَّاءً اِلْلُقُرْاٰنِ..(رواه الترمذی)

حضرتِ عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک قبر میں رات کے وقت داخل ہوئے اور چراغ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے روشنی کی گئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میت کو قبلہ کی جانب سے لیا اور فرمایا خدا تم پر رحم کرے، تم بہت نرم دل اور بکثرت تلاوت کرنے والے تھے۔(ترمذی)

اور مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے کہ حضرتِ علیؓ نے حضرتِ یزید ابن حکنفؓ کو قبلہ کی طرف سے قبر میں اتارا اور حضرتِ عبداللہ ابن عباسؓ کو بھی قبلہ کی جانب سے قبر میں اتارا گیا۔قبر میں اتارنے کی ایک دوسری صورت بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ جنازہ کو پائتانہ سے داخل کیا جائے۔

حضرتِ حارثؓ نے وصیت کی کہ میری نمازِ جنازہ حضرتِ عبداللہ ابن ابی یزیدؓ پڑھیں چنانچہ انہوں نے ان کی نمازِ جنازہ پڑھی پھر:۔

اَدْخَلَهُ الْقَبْرَ مِنْ قِبَلِ رِجْلِیَ الْقَبْرِ وَقَالَ هٰذامِنَ السُّنَّة . (رواه ابو داؤد)

ان کو قبر میں پائتانہ کی طرف سے داخل کیا اور فرمایا:۔''یہ سنت ہے'' (ابوداوًد)

حضرتِ عبداللہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی قبر میں پائتانہ کی طرف سے اتارا گیا۔ (مشکوٰۃ شریف بحوالہ مسندِ شافعیؒ)

احناف کے نزدیک قبلہ رخ سے اتارنا افضل ہے چونکہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا صراحت کے ساتھ عمل بیان ہوا ہے اور جانبِ قبلہ لائقِ تعظیم بھی ہے۔

امام شافعیؒ واحمدؒ کے نزدیک دوسری شکل افضل ہے اور امام مالکؒ کے نزدیک دونوں صورتیں یکساں ہیں۔

قبر میں اتار کر نہایت اطمینان سے میت کو دائیں کروٹ پر لٹا کر قبلہ رخ کر دیں یہ سب کے نزدیک سنت ہے۔ رسول پاک ﷺ کا چہرہ انور بھی قبلہ رخ رکھا گیا تھا۔ (الفتح الربانی) اگر میت عورت کی ہو تو قبر میں اترتے ہوئے پردہ کرنا بھی مسنون و مستحب ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی ؒ نے تلخیص الحبیر میں اس مضمون کی کئی روایتیں نقل فرمائی ہیں۔ اور عورت کو قبر میں اتارنے کیلئے فقہاء احناف کے نزدیک ذی رحم محرم (رشتہ دار) اجنبی لوگوں سے افضل ہیں ہاں! اگر رشتہ دار نہ ہوں تو کوئی بھی قبر میں اتار سکتا ہے۔ (عالمگیری)

قبر میں اتارتے ہوئے دعا پڑھنا

عَنْ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ كَانَ اِذَا اَدْخَلَ الْمَيِّتَ الْقَبْرَ قَالَ (بِسْمِ اللّٰهِ وَبِااللّٰهِ وَعَلٰى مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَفِىْ رِوَايَةٍ وَعَلٰى سُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ .. (رواه احمد والترمذی وابنِ ماجه وابوداؤد)

حضرتِ عبداللہ ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی میت کو قبر میں اتارتے تو فرماتے (بِسْمِ اللّٰهِ وَبِااللّٰهِ وَعَلٰى مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ[1] اور ایک دوسری روایت میں عَلٰى مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ کے بجائے عَلٰى سُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ہے۔ (مسند احمد، ترمذی، ابن ماجہ، ابوداؤد)

اور بعض روایتوں میں وَبِااللّٰهِ کا لفظ نہیں بلکہ صرف بِسْمِ اللّٰهِ وَعَلٰى مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ہے۔ اکثر علماء فرماتے ہیں کہ یہ دعا میت کو قبر میں اتارتے وقت بھی پڑھیں اور پھر قبر میں قبلہ رخ لٹاتے ہوئے بھی۔

کفن کی گرہیں کھولنا

جب میت کو قبر میں قبلہ رُخ لٹا دیں تو وہ گرہیں جو کفن کھلنے کے ڈر سے لگائی تھیں کھول دیں۔ امام طحاویؒ نے شرحِ معانی الاثار میں نقل فرمایا ہے کہ........................

حضرتِ سمرۃ ابن جندبؓ کے ایک بچہ کا انتقال ہو گیا تو انہوں نے اپنے غلام سے فرمایا: ''اس کو لے جاؤ دفن کر دو سر اور پیر کی گرہیں کھول دینا'' نیز نبی کریم ﷺ نے اپنے صحابی حضرت نعیم ابن

---

[1] ترجمہ: ہم اس بندہ کو اللہ کے نام کے ساتھ اس کی مدد سے اسکے نبی پاک ﷺ کے طریقہ کے مطابق سپردِ خاک کرتے ہیں۔

مسعودا شجعیؓ کوقبر میں اتارا تو آپ ﷺ نے ''اپنے دہن مبارک سے ان کے کفن کی گر ہیں کھولیں''
(المغنی لا بن قدامہ)

قبر میں کتنے آدمی اتریں؟

میت کوقبر میں اتارنے کیلئے کتنے آدمی قبر میں اتریں اسکی کوئی تعداد متعین نہیں جتنے کی ضرورت ہواتر سکتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ کے جسد اطہر وانور کوقبر مقدس میں اتارنے کیلئے چار آدمی قبر میں اترے تھے۔

عَنْ عَامِرٍ قَالَ غَسَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ عَلِیٌّ وَ الْفَضْلُ وَاُسَامَةُ ابْنُ زَیْدٍ وَ هُمْ اَدْ خَلُوْهُ قَبْرَهٗ وَقَالَ اِنَّهُمْ اَدْخَلُوْا مَعَهُمْ عَبْدَالرَّحْمٰنِ ابْنِ عَوْفٍ فَلَمَّا فَرَغَ عَلِیٌّ قَالَ اِنَّمَا یَلِی الرَّجُلُ اَهْلَهٗ . (رواہ ابوداؤد)

حضرت عامرؒ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو غسل حضرت علیؓ، حضرت فضلؓ، اور حضرت اسامہ ابن زیدؓ نے دیا تھا اور انہی تین حضرات نے آپ ﷺ کو قبر مبارک میں اتارا تھا البتہ انہوں نے حضرت عبدالرحمٰن ابن عوفؓ کو بھی اپنے ساتھ شامل کرلیا تھا (اس طرح کل چار آدمی ہوگئے تھے) اور جب فارغ ہوئے تو حضرت علیؓ نے فرمایا آدمی کے قریب اس کے گھر والے ہی ہوتے ہیں [1] (ابو داؤد شریف)

قبر کیسے بند کریں؟

اگر قبر لحد (بغلی) ہوتو اس کے کنارے کچی اینٹیں کھڑی کر کے اس کو بند کریں، چونکہ رسول اللہ ﷺ کی قبر اطہر کچی اینٹوں سے بند کیگئی تھی جیسا کہ ابھی حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی روایت میں گذرا امام نوویؒ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کی قبر مبارک ۹ اینٹوں سے بند کیگئی تھی اور علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ بغلی قبر کو پکی اینٹوں یا لکڑی یا پتھر وغیرہ کے تختوں سے بند کرنا مکروہ ہے جہاں کچی اینٹیں دستیاب نہ ہوں تو وہاں معمولی لکڑی نرکل وغیرہ سے بند کریں اور جو مٹی قبر سے

---

[1] یہ بات اس لئے فرمائی تھی تا کہ کسی کو ان کا قبر میں اُترنا گراں نہ گذرے۔

نکالی گئی تھی وہی ڈال کر قبر پر کریں۔اور شق (یعنی صندوقچی قبر) کو اوپر سے لکڑی یا پتھر کے تختوں یا سمنٹ کے سلیپر لگا کر بند کریں یہ بلا کراہت جائز ہے.(شامی) اور تختوں میں جو دراڑ رہ جائے اس کو گارے سے بند کریں اور جب قبر بند ہو جائے تو عورت کی قبر سے پردہ ہٹا دیں، تختوں سے بند کرنے کے بعد جب مٹی ڈالنا شروع کریں تو پہلے تین تین چلو مٹی ڈالیں۔

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم صَلّٰى عَلٰى جَنَازَةٍ ثُمَّ اَتَى الْقَبَرَ فَحَثٰى عَلَيْهِ مِنْ قِبَلِ رَاْسِهٖ ثَلَاثاً (رواه ابن ماجه)

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک میت پر نماز جنازہ پڑھی پھر قبر پر تشریف لائے اور اس پر سرہانے کی طرف سے تین چلو مٹی ڈالی۔(ابن ماجہ)

حضرت عامر ابن ربیعہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت عثمان ابن مظعونؓ کی نماز جنازہ پڑھائی پھر ان کی قبر پر تشریف لائے اور سرہانے کی طرف کھڑے ہو کر تین مرتبہ دونوں ہاتھوں سے مٹی ڈالی (مسند بزاز واللفظ لہ، دار قطنی ،بیہقی)

اور حضرت ابوامامہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی حضرت اُمّ کلثومؓ کو قبر میں اتارا گیا تو آپ ﷺ نے مٹی ڈالتے ہوئے فرمایا مِنْهَا خَلَقْنَا كُمْ (مسند احمد،بیہقی) اس روایت کی بناء پر علماء شوافع وعلماء احناف فرماتے ہیں کہ تین چلو مٹی ڈالیں.اور جب پہلا چلو ڈالیں تو پڑھیں مِنْهَا خَلَقْنَا كُمْ اور جب دوسرا چلو ڈالیں تو پڑھیں. وَفِيْهَا نُعِيْدُ كُمْ اور تیسرا چلو ڈالتے ہوئے پڑھیں وَ مِنْهَا نُخْرِ جُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى لیکن امام احمدؒ اور دوسرے بہت سے علماء کرام کے نزدیک یہ آیتیں پڑھنا سنت نہیں، وہ اس روایت کی سند میں کلام کرتے ہیں.پھر قبر سے نکالی گئی مٹی کو آہستہ آہستہ قبر پر ڈالیں.

حضرت عمرو ابن العاصؓ نے مرض الوفات میں اپنے بیٹے سے فرمایا تھا.

اِذَا اَنَا مِتُّ فَلَا تَصْحَبْنِیْ نَائِحَةٌ وَلَا نَارٌ فَاِذَا دَفَنْتُمُوْنِیْ فَشُنُّوْا عَلَیَّ التُّرَابَ شَنّاً (رواه مسلم)

جب میرا انتقال ہو جائے تو میرے ساتھ کوئی بین کرنے والی اور آگ نہ جائے.اور جب مجھے تم دفن کر چکو تو میرے اوپر آہستہ آہستہ مٹی ڈالنا۔ (مسلم شریف)

قبر کی اوپر سے شکل

قبر پر بس وہی مٹی ڈالیں جو اس سے نکالی گئی ہو اور قبر کو بالکل زمین کے برابر بھی نہ رکھیں اور بہت اونچی بھی نہ کریں۔ صرف ایک بالشت اونچی رکھیں اور اوپر سے اونٹ کے کوہان کے مانند بنادیں۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پوتے حضرت قاسم بن محمدؒ فرماتے ہیں کہ میں اپنی پھوپھی حضرت عائشہ صدیقہؓ کی خدمت میں گیا اور میں نے عرض کیا کہ مجھے حضور ﷺ اور آپ ﷺ کے دونوں ساتھیوں کی قبریں دکھلایئے!

فَكَشَفَتْهُ لِيْ عَنْ ثَلَاثَةٍ لَا مُشْرِفَةً وَلَا لَاطِئَةً مَبْطُوْحَةً بِبَطْحَاءِ الْعَرْصَةِ الْحَمْرَاءِ. (رواه ابو داوٗد، والحاكم)

تو انھوں نے تینوں قبریں دکھائیں وہ نہ اونچی تھیں اور نہ بالکل زمین سے ملی ہوئی اور ان پر سرخ کنکریاں بچھی ہوئی تھیں، (ابوداؤد، حاکم)

ایک اور روایت ملاحظہ فرمائیں! **عَنْ سُفْيَانَ التَّمَّارِ اَنَّهُ رَاٰى قَبَرَ النَّبِيِّ ﷺ مُسَنَّماً** (رواه البخاری) حضرت سفیان تمارؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کی قبر مبارک دیکھی ہے وہ اونٹ کے کوہان کے مانند تھی۔ (بخاری) اور یہی روایت مصنف ابن ابی شیبہ میں بھی ہے اس میں یہ زیادتی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کی قبریں بھی ایسی ہی تھیں۔ اور امام جعفر صادقؒ اپنے والد امام باقرؒ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے اپنے بیٹے حضرت ابراہیمؓ کی قبر پر پانی چھڑکا اور اس پر کنکریاں رکھیں اور اس کو ''ایک بالشت'' اونچا رکھا (بیہقی، سعید ابن منصور) ان روایات سے استدلال کر کے جمہور علماء (حنفی، مالکی، حنبلی) فرماتے ہیں کہ قبر زمین سے صرف ایک بالشت اونچی ہونی چاہیے! اور اوپر سے اونٹ کے کوہان کیطرح ہونی چاہیے! اکثر علماء شوافع بھی یہی فرماتے ہیں۔ لیکن امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ قبر بلند تو ایک ہی بالشت ہو، البتہ اوپر سے ''کوہان نما'' نہیں بلکہ ''مسطح'' یعنی ہموار ہونی چاہیے! اس لئے کہ حضرت قاسمؒ کی روایت میں کوہان نما ہونے کا ذکر نہیں ہے، ممکن ہے بعد میں کوہان نما بنایا گیا ہو۔ (واللہ اعلم)

قبر زیادہ اونچی نہ بنانا

حضور ﷺ کو زیادہ اونچی قبر بہت ناپسند تھی۔

عَنْ اَبِیْ عَلِیٍ الْھَمْدَانِیُ قَالَ کُنَّا عِنْدَ فُضَالَۃَ ابنِ عُبَیْدٍ بِرَوْ زَسٍ بِاَرْضِ الرُّوْمِ فَتُوُفِّیَ صاحِبٌ لَنَا فَاَمَرَ فُضَا لَۃٌ بِقَبرِہٖ فَسُوِّیَ ثُمَّ قالَ سَمِعْتُ رسُولَ اللّٰہِ ﷺ یَامُرُ بِتسْوِ یَتِھَا .

(رواہ ابو داؤد، والنسائی)

ابوعلی ہمدانیؒ فرماتے ہیں کہ ہم روم میں روزس کے مقام پر حضرت فضالہ ابن عبیدؓ کے ہمراہ تھے کہ ہمارے ایک ساتھی کا انتقال ہوگیا تو حضرت فضالہ ابن عبیدؓ نے ہمیں حکم دیا کہ ان کی قبر زمین کے برابر بنانا (یعنی زمین سے زیادہ اونچی نہیں) پھر فرمایا میں نے حضور ﷺ سے سنا آپ ﷺ قبر کو زمین کے برابر بنانے کا حکم فرماتے تھے

(ابوداؤد، نسائی)

عرب میں دور جہالت میں (یعنی اسلام سے پہلے) اونچی قبریں بنانے کا بہت رواج تھا خاصطور سے اگر قوم کا کوئی بڑا آدمی مرتا تو اسکی شان وحیثیت کے مطابق اسکی قبر کو بلند کرتے تھے آپ ﷺ نے اس طریقہ کو سخت ناپسند فرمایا اور اس سے اُمت کو منع فرمایا۔

عنْ ابی الھَیَّاجِ الاَسَدِیِّ قال قال لی عَلِیٌّ الا اَبْعَثُکَ علٰی ما بَعَثَنِیْ علَیہِ رَسولُ اللّٰہِ ﷺ اَن لّا تَدَعَ تمثَالًا الَّا طَمَسْتَہٗ وَلا قَبرًا مُشْرِفاً اِلَّا سَوَّیْتَہٗ

(رواہ مسلم، ابو داؤد والترمذی والنسائی)

ابو ہیاج اسدیؒ فرماتے ہیں کہ مجھ سے حضرتِ علیؓ نے فرمایا: کیا میں تمہیں ایسی مہم پر نہ بھیجوں جس پر مجھے رسول اللہ ﷺ نے بھیجا تھا وہ یہ کہ ہر بُت کا نشان مٹادو اور ہر اونچی قبر کو ہموار کردو (کہ زمین سے زیادہ بلند نہ رہے

(مسلم، ابوداوٗد، ترمذی، نسائی)

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

یعنی اسے پست کردے یہاں تک کہ وہ زمین کے اس قدر نزدیک ہوجائے کہ اس سے

قدرے بلند رہے یعنی ایک بالشت بلند ہو جیسا کہ مسنون ہے ۔(اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ) اللہ معاف فرمائے! اس حکم سے تو امت نے یکسر غفلت اختیار کر لی ہے اور اب تو اونچی قبریں بنانا ایک فیشن سا بن گیا ہے۔ خاص کر بڑے لوگوں کی؛ بتایئے! جب سرورِ انبیا ﷺ کی قبرِ مبارک بلند نہیں تو اور کسی کو یہ حق کیونکر پہونچ سکتا ہے۔

قبر پر پانی چھڑکنا:-

جب قبر بن کر تیار ہو جائے تو اس پر پانی چھڑک دینا بھی سب کے نزدیک مستحب ہے۔

عَنْ جَابِرٍ قَالَ رُشَّ قَبْرُ النَّبِیِّ ﷺ وَکَانَ الَّذِی رُشَّ الْمَاءَ عَلٰی قَبْرِہٖ بِلَالُ ابْنُ رَبَاحٍ بِقِرْبَۃٍ بَدَءَ مِنْ قِبَلِ رَاءَ سِہٖ حَتّٰی اِنْتَھٰی اِلٰی رِجْلَیْہِ (رواہ بیھقی فی دلائل النبوۃ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ کی قبرِ مبارک پر پانی چھڑکا گیا تھا اور یہ سعادت حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حاصل ہوئی تھی. انھوں نے مشکیزے سے سرِ مبارک سے پانی چھڑکنا شروع کیا اور چھڑکتے چھڑکتے پاؤں مبارک تک پہونچ گئے (بیہقی)

تدفین کے بعد میت کیلئے دعا کرنا:-

جب دفن سے فارغ ہو جائیں تو میت کیلئے مغفرت اور ثابت قدمی کی دعا کریں یہ تمام علماء کے نزدیک مستحب ہے۔

عَنْ عُثْمَانَ اِبْنِ عَفَّانَ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ ﷺ اِذَا فَرَغَ مِنْ دَفْنِ الْمَیِّتِ وَقَفَ عَلَیْہِ فَقَالَ اِسْتَغْفِرُوْا لِاَخِیْکُمْ وَاسْئَلُوْا لَہٗ بِالتَّثْبِیْتِ فَاِنَّہُ اَلْاٰنَ یُسْأَلُ (رواہ ابو داؤد، والحاکم والبزار)

حضرتِ عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب کسی میت کی تدفین سے فارغ ہوتے تو قبر کے پاس تھوڑی دیر ٹھہرتے اور فرماتے کے اپنے بھائی کیلئے اللہ سے مغفرت کی دعا کرو اور ثابت قدم رہنے کی دعا کرو اس لئے کہ اس وقت اس سے سوال ہو رہا ہے۔ (ابوداؤد، مستدرک حاکم، مسند بزار)

اس میں کسی کا اختلاف منقول نہیں ہے نیز سورۂ بقرہ کی ابتدائی وآخری آیات کا پڑھنا بھی حدیث میں آیا ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ اِبْنِ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِیَّ ﷺ یَقُوْلُ اِذَا مَاتَ اَحَدُکُمْ فَلَا تَحْبِسُوْهُ وَاَسْرِعُوْا بِهِ اِلٰی قَبْرِهِ وَالْيَقْرَئُوْا عِنْدَ رَأْسِهِ فَاتِحَةَ الْبَقْرَةِ وَعِنْدَ رِجْلَيْهِ بِخَاتِمَةِ الْبَقْرَةِ (رواه بهيقى فى شعب الايمان وقال والصحيح انه موقوف عليه)

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپؐ فرماتے تھے: تم میں سے کسی کا انتقال ہو جائے تو اس کو دیر تک گھر میں مت رکھو بلکہ قبر تک پہنچانے میں جلدی کرو؛ اور اس کے سر کی طرف سورۂ بقرۃ کی ابتدائی آیات (هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ تک) اور اس کے پاؤں کی طرف سورۂ بقرۃ کی آخری آیات (اٰمَنَ الرَّسُوْلُ سے) پڑھنی چاہیئے! اس روایت کو امام بیہقی نے شعب الایمان میں نقل فرمایا ہے؛ اور ساتھ ہی فرمایا کہ صحیح یہ ہے کہ یہ حضرت عبداللہؓ کا قول ہے آپ ﷺ کی طرف سند کے اعتبار سے اس کی نسبت ٹھیک نہیں ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اشعۃ اللمعات میں فرماتے ہیں کہ بعض آثار میں سورۂ فاتحہ اور معوذات کا پڑھنا بھی آیا ہے۔ اور قبروں کے پاس کھڑے ہو کر مُردوں کیلئے اللہ سے مغفرت کی دعا کرتے ہوئے ہاتھ اٹھانے سے بعض اکابر اندیشہ شرک سے منع فرماتے ہیں لیکن اکثریت اس کے جواز کے قائل ہیں جیسے کہ زیارت قبور کے باب میں روایت آرہی ہے۔

قبر کی پہچان کیلئے کوئی نشانی رکھنا:-

حضرت مطلب ابن ابو وداعہؓ فرماتے ہیں کہ جب حضرت عثمان ابن مظعونؓ کا انتقال ہوا اور ان کا جنازہ نکالا گیا اور ان کو دفن کیا گیا تو حضور ﷺ نے ایک آدمی کو ایک پتھر اٹھا کر لانے کیلئے فرمایا لیکن وہ نہ اٹھا سکے؛ تو خود حضور ﷺ اس پتھر کو اٹھانے کیلئے کھڑے ہوئے اور اپنے بازوؤں سے آستینیں چڑھائیں۔

ثُمَّ حَمَلَهَافَوَضَعَهَا عِنْدَ رَأْسِهِ وَقَالَ اُعْلِمُ بِهَا قَبْرَ اَخِي اَدْفِنُ اِلَيْهِ مَنْ مَاتَ مِنْ اَهْلِي

پھر آپ ﷺ نے وہ پتھر اٹھایا اور انکے سر کی جانب رکھ کر فرمایا اس کے ذریعہ سے میں اپنے بھائی کی قبر کا نشان قائم کرتا ہوں، اور میں ان کے پاس دفن کروں گا جو میرے اہل میں سے فوت ہوگا۔

(رواہ ابو داؤد، وابن ماجہ) (ابوداود، ابن ماجہ)

یہ پہلے مہاجر ہیں جنکا مدینہ میں انتقال ہوا، اوران کے بعد آپ ﷺ نے اپنے صاحبزادے حضرت ابراہیمؓ کو اور اپنی صاحبزادی حضرت زینبؓ کو انکے پاس دفن کروایا۔ (لمعات)

اس روایت سے علماء کرام نے دو اہم مسئلے نکالے ہیں (۱) عزیز و اقارب کی قبر کو پہچاننے کیلئے قبر کے سرہانے کوئی پتھر رکھ دینا جائز ہے لیکن کچھ لکھنے کا یہاں ذکر نہیں ہے بلکہ دوسری حدیث میں اس سے منع فرمایا۔ (۲) رشتہ داروں کو ایک جگہ دفن کرنا جائز ہے اگر آسانی سے ہو سکے تو بہتر ہے

نعش کو ایک شہر سے دوسرے شہر لے جانا:-

جس کا جس جگہ جہاں انتقال ہو بہتر یہ ہے کہ اس کو وہاں ہی دفن کیا جائے ایک یا دو میل کی دوری پر جانا ہو تو اس کو بھی علماء نے خلافِ اولیٰ لکھا ہے، اور گر اس سے زیادہ کافی دور لے جائیں تو یہ تمام فقہاء کے نزدیک درست نہیں ہے۔ ابنِ ابی ملیکہؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بھائی حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ کا حبشی مقام پر انتقال ہو گیا یہ مکہ سے تھوڑے فاصلہ پر ایک جگہ ہے، پھر انکو مکہ لیجا کر جنت المعلّٰی میں دفن کیا گیا ،حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جب حج کیلئے تشریف لائیں تو ان کی قبر پر بھی آئیں اور تمیم ابنِ نویرہ کے مرثیہ میں سے دو شعر پڑھے جو اس نے اپنے بھائی مالک کے انتقال پر کہے تھے، پھر فرمایا: وَاللّٰهِ لَوْ حَضَرْتُکَ مَا دُفِنْتَ اِلَّا حَيْثُ مُتَّ وَلَوْ شَهِدْتُکَ مَا زُرْتُکَ" اللہ کی قسم اگر میں تمھاری موت کے وقت موجود ہوتی تو تم وہاں ہی دفن ہوتے جہاں تمہارا انتقال ہوا تھا اور اگر میں موت کے وقت موجود ہوتی تو اب تمھاری قبر کی زیارت کیلئے نہ آتی،، (ترمذی)

اگر کسی کو دفن کر دیا گیا ہو تو اس کو قبر سے نکال کر دوسرے شہر میں منتقل کرنا بالکل درست نہیں، شہداء

کی نعش کو مقامِ شہادت سے دوسری جگہ منتقل کرنے سے خاص طور سے منع کیا گیا ہے۔

عَنْ جَابِرٍؓ قَالَ كُنَّا حَمَلْنَا الْقَتْلىٰ يَوْمَ اُحُدٍ لِنَدْ فِنَهُمْ فَجَاءَ مُنَادِى النَّبِيِّ ﷺ يَأْ مُرُ كُمْ اَنْ تَدْ فِنُوْ الْقَتْلىٰ فِيْ مَضَا جِعِهِم فَرَدَدْنَا هُمْ . (رواه ابــــو داوٗد ،والنسائی والترمذی)

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ اُحد کے دن ہم نے شہداء کو اپنے اپنے علاقوں میں دفن کرنے کیلئے اٹھایا ،اتنے میں حضور ﷺ کا منادی آ پہنچا اور پُکا را کہ حضور ﷺ حکم فرما رہے ہیں کہ شہداء کو انھیں مقامات پر دفن کرو جہاں انکی شہادت واقع ہوئی ہو، پھر ہم نے انکی نعشوں کو وہاں ہی لوٹایا۔ (ابوداؤ د،نسائی ترمذی)

آج کل لوگ اس حکمِ پیغمبر سے اس قدر غافل ہیں کہ بعض دفعہ تدفین کے بعد بھی شہداء کی نعش کو نکالکر دوسری جگہ منتقل کرتے ہیں، اوراس کو دانشمندی وجرأت مندی خیال کرتے ہیں [1]

خلافِ پیمبر کسے راگزید
ہرگز بمنزل نہ خواہد رسید

تابوت میں دفن کرنا:-

بغیر کسی شدید مجبوری کے تابوت میں دفن کرنا تمام فقہاء کے نزدیک ناجائز ہے، چونکہ یہ عیسائیوں کا طریقہ ہے، صحابہ وتابعین میں سے کسی نے اسکو جائز نہیں رکھا، لیکن اگر زمین ایسی نمناک ہو کہ قبر میں پانی نکل آتا ہو تو اس شدید مجبوری میں جائز ہے لیکن علماء کرام فرماتے ہیں کہ ایسے وقت تابوت کے اندر دائیں بائیں اور میت کے نیچے مٹی بچھا دینی چاہئیے ! تاکہ اندر ہی قبر کی شکل بن جائے (شامی)

اور اس عذر کے بغیر اگر مرنے والے نے وصیت بھی کی ہو تب بھی تابوت میں دفن کرنا درست نہیں ہے۔

---

[1] اگر علاج وغیرہ کی غرض سے گھر سے دور کئی شہر میں جانا ہوا اور وہاں ہی انتقال ہوجائے تو پہلے اس شہر میں یا اس کے نواح میں دفن کیلئے جگہ تلاش کریں لیکن اگر وہاں کسی وجہ سے دفن کیلئے اجازت نہ مل سکے تو مجبوراً اپنے شہر یا کسی قریبی شہر میں نعش منتقل کر کے دفن کرنا جائز ہے۔ دوسرے ملک کا بھی یہی حکم ہے اگر وہاں کسی طرح دفن کی اجازت ہو سکے تو وطن منتقل کرنا درست نہیں اور مومًا یہ اجازت مل جاتی ہے۔

قبر کے متعلق اہم ہدایات

قبروں کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے دو طرح کی ہدایت فرمائی ہیں (۱) قبر کی بے حرمتی نہ کی جائے (۲) اسکی بے جا تعظیم اور اس میں غلو نہ کیا جائے ، یعنی نہ افراط ہو نہ تفریط ، اس سلسلہ کے چند ایک ارشادات گرامی پڑھیے۔

قبر کو پختہ کرنے اور اس پر قُبہ وغیرہ بنانے کی ممانعت :-

عَنْ جَابِرٍؓ قَالَ نَهَىٰ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَنْ يُّجَصَّصَ الْقَبْرُ وَاَنْ يُّبْنٰى عَلَيْهِ وَ اَنْ يَّقْعُدَ عَلَيْهِ. (رواه مسلم ، ابو داؤد ، والنسائی والترمذی)

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قبر کو چونا وغیرہ سے پختہ بنانے اور قبر پر کسی قسم کی عمارت بنانے[۱] اور قبر پر بیٹھنے سے منع فرمایا ہے۔ (مسلم ، ابوداؤد ، نسائی ترمذی ، مسند احمد)

قبر کو پختہ (پکا) کرنا اور اس پر گنبد یا کسی قسم کی عمارت بنانے کے ممنوع ہونے پر امت کا اجماع ہے امام نوویؒ شرح مسلم میں اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس سے پختہ قبروں کی نہی ثابت ہوتی ہے اور ان پر عمارت بنانے کی ممانعت ! پھر لکھتے ہیں ’’اور امام شافعیؒ نے کتاب الام میں فرمایا ہے : کہ میں نے بہت سے اماموں کو دیکھا ہے کہ قبروں کے گنبد وغیرہ کے گرانے کا حکم دیتے تھے ،، اس کے بعد لکھتے ہیں : اور فقہاؒ کرام نے قبر سے نکلی ہوئی مٹی کے علاوہ قبر پر مٹی ڈالنے کو بھی مکروہ لکھا ہے پختہ بنانا اور اس پر عمارت بنانے کا تو ذکر ہی کیا !!! (شرح مسلم)

فقہاؒ احناف کے نزدیک قبر کا پختہ کرنا اور اس پر عمارت بنانا اگر زینت وفخر کیلئے ہو تو حرام ہے اور اگر محض پختگی مراد ہو تو مکروہ تحریمی ہے ؛ حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کے مشہور شاگرد

---

[۱] اسی روایت کی دوسری سند میں یہ الفاظ بھی زیادہ ہیں ’’اور اس پر زیادتی کرنے سے‘‘ یعنی اس بات سے بھی آپ ﷺ نے منع فرمایا کہ قبر زیادہ اونچی کی جائے اور قبر سے نکلی ہوئی مٹی کے علاوہ اور مٹی اس پر ڈالی جائے۔

امام محمدؒ فرماتے ہیں۔

وَلَانــرٰی ان یُّــزاد عـلــی مــاخــرج مـنــه ونـكـره ان یـجـصـص او یـطـین –الی ان قـال– ان النبی ﷺ نهی عن تربیع القبور وتجصیصها قال محـمـد به نأ خذ وهوقول ابی حنیفةؒ (كتاب الاثار)	اور ہم اس کو درست نہیں سمجھتے کہ جو مٹی قبر سے نکلے اس سے زیادہ ڈالی جائے ،اور قبریں پختہ بنانے اور ان کی لپائی کرنے کو مکروہ جانتے ہیں ؛ نبی کریم ﷺ نے قبر کو مربع بنانے اور انھیں پختہ کرنے سے منع فرمایا ہے ۔ ہمارا یہی موقف ہے اور یہی امام ابوحنیفہؒ کاارشاد ہے۔ (کتاب الاثار)

قاضی ثنأ اللہ پانی پتی حنفیؒ فرماتے ہیں:[1]

مسئلہ! وآنچہ برقبوراولیأ عمارت ہائے رفیع بنامیکنند ،وچراغاں روشن کنندوازیں قبیل ہر چہ میکنند حرام است یا مکروہ (مالابدمنہ) ترجمہ: مسئلہ اور یہ جواولیأ اللہ کی قبروں پراونچی اونچی عمارتیں بناتے ہیں چراغ جلاتے ہیں اوراسی قسم کےاور جو کام کرتے ہیں یہ سب حرام ہیں یامکروہ (مالابدمنہ) علامہ ابن عابدین شامی حنفیؒ فرماتے ہیں۔ اما البناء فلم اَرَمن اختار جوازہ یعنی رہا قبر پرعمارت بنانا تو میں نےنہیں دیکھا کہ کسی نے اس کے جواز کواختیار کیا ہو (فتاوٰی شامی)

شیخ عبدالحق مُحدِث دہلویؒ اس بارے میں فرماتے ہیں:''فتاویٰ خانیہ میں اگر چہ یہ لکھا ہے کہ مٹی سے لپائی میں کوئی حرج نہیں لیکن مشہور حنفی عالم امام کرخیؒ اس کے خلاف ہیں جیسا کہ کتاب مطالب المومنین میں لکھا ہے (اشعۃ اللمعات)

الغرض قبر کو پختہ کرنا اوراس پرعمارت بنانا کسی بھی مسلک میں جائزنہیں ہے،اور ہوگا بھی کیسے! جبکہ رسول اللہ ﷺ نے اس کی صاف واضح لفظوں میں سختی سے ممانعت فرمائی ہے؛

علمأ کرام نے قبر کو پست اور کچی رکھنے اوراس پرعمارت نہ بنانے کی یہ حکمت بیان فرمائی ہے کہ جب قبریں کچی اور سادہ ہوں گی تو ان کو دیکھکر دنیا کی بے ثباتی اور آخرت کی یاد پیدا ہوگی ،

[1] قاضی ثناءاللہ پانی پتی حنفی متوفی ۱۲۲۵ھ شاہ ولی اللہؒ اوران کے فرزند ارجمند شاہ عبدالعزیزؒ کے شاگرد خاص ہیں دولتِ سلوک وتصوف مرزا مظہر جانِ جاناںؒ کے یہاں سے پائی تھی۔ تفسیر مظہری، مالابدمنہ، ارشادالطالبین اورتذکرۃ المعادقاضی صاحب کی اہم تصنیفات ہیں۔

اور شرک پسند طبیعتیں ایسی قبروں کی پرستش اوران کو سجدہ گاہ بنانے کی طرف بھی مائل نہیں ہوں گی جن اولیائ کرام کی قبریں کچی اورسادہ ہیں وہاں الحمدللہ آج بھی کسی قسم کی خلاف شرع خرافات نہیں ہوتی ہیں ،اورجن اکابر اولیائ کرام کے مزارات پختہ اوران پرگنبد ہیں وہاں خلاف شرع کیا کچھ ہورہا ہے یہ کسی سے مخفی نہیں ہے۔

بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ شائد یہ پختہ مزارات وگنبدان اولیائ کرام کی وصیت سے بنائے گئے ہوں گے ؛ایسا ہرگز نہیں ہے ؛غور کیجئے ! امام اعظم ابوحنیفہؒ تو اس کوحرام فرماتے ہیں جیسا کہ ان کے شاگرد امام محمدؒ نے ان کا قول نقل کیا ہے،لیکن آج ان کا بھی بہت اونچا مزاز بنایا گیا ہے، اِنّــا لِلّٰـهِ وَاِنّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ.

یہ مزارات اور قبے تو بعد کے سلاطین نے سیاسی اغراض ومقاصد کیلئے اورفساق وفجارقسم کے لوگوں نے اپنے عیبوں پر پردہ ڈالنے ودنیا میں نام کمانے کیلئے ریا کاری کے ساتھ بنائے ہیں ورنہ یہ عاشقان رسول ﷺ اپنے محبوب آقا کے ارشاد کے خلاف کیسے وصیت کرسکتے تھے۔

قبر پر بیٹھنا:-

جمہورعلمائ کرام شافعی ،حنفی ،حنبلی کا مسلک تو یہی ہے کہ قبر پر بیٹھنا،قبر سے ٹیک لگانا ،وغیرہ سب باتیں مذکورہ حدیث کی وجہ سے درست نہیں ہیں لیکن امام مالکؒ یہ فرماتے ہیں کہ یہ ممانعت رسول اللہ ﷺ نے اس لئے فرمائی تھی کہ لوگ قبروں پر قضائے حاجت کیلئے بیٹھتے تھے۔مگر دوسرے فقہائ اس سے بہرحال منع ہی کرتے ہیں فقہائ احناف میں سے اکثر نے اس کوحرام لکھا ہے چونکہ اس کی ممانعت سخت ہے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگرتم میں سے کوئی انگارے پر بیٹھے پھر اس کے کپڑے جلکر آگ اس کی کھال تک پہنچ جائے تو بھی یہ بہتر ہے اس سے کہ وہ قبر پر بیٹھے (مسلم شریف)بعض جگہ قبرستان میں مویشیوں کو چراتے ہیں اورکہیں کہیں تو قبروں پرکھیل کا گراؤنڈ بنادیتے ہیں یہ سب اپنی آخرت سے لاپرواہی اوررسول پاک ﷺ کی تعلیمات سے غفلت کی بنا پر ہے،مناسب یہ ہے کہ قبرستان کے گرد چار دیواری یا جنگلہ لگا دیا جائے تاکہ ہرطرح کی بے حرمتی سے قبروں کی حفاظت ہوجائے ۔قبروں کے اوپر سے تو علماء کرام نے گھاس اکھاڑنے کوبھی ممنوع لکھا ہے تاہم اگر قبروں سے ملحقہ وقف شدہ آراضی میں گھاس درخت وغیرہ ہوں تو انکو بیچ کر قبرستان کی ضرورتوں میں

صرف کرنا جائز ہے۔لیکن دوسرے کارِخیر میں صرف کرنا درست نہیں، چونکہ جوآراضی قبرستان کے لئے وقف ہوئی وہ صرف قبرستان یااس کی ضرورتوں کیلئے ہی استعمال ہوسکتی ہے۔

قبروں پر کچھ لکھنا یا کتبہ لگانا:-

عَنْ جَابِرٍؓ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَنْ يُجَصَّصَ الْقُبُوْرَ وَاَنْ يُكْتُبَ عَلَيْهَا وَاَنْ تُوْ طَأَ. (رواه الترمذی، والنسائی ،وابو داؤد)

حضرت جابرؓفرماتے ہیں کہ رسول اللہﷺ نے منع فرمایا اس بات سے کہ قبروں کو پختہ بنایا جائے اوران پر کچھ لکھا جائے اورانہیں پامال کیا جائے۔ (ترمذی،ابوداؤد،نسائی)

قبر کےاندر یا قبر کےاوپر قرآن کریم کی کوئی آیت یا اللہ تعالیٰ کا یا رسولِ خداﷺ کا اسمِ گرامی لکھنا تمام فقہاءکرام کے نزدیک مکروہِ تحریمی ہے، بلکہ بعض نے حرام قرار دیا ہے، چونکہ رسول اللہﷺ نے اس سے منع فرمایاہےاوراس میں بےادبی ہے،شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ اس کی وجہ یوں بیان فرماتے ہیں کہ ''کوئی حیوان پیشاب وپاخانہ کردے، کتا اکثر اونچی جگہ دیکھکر پیشاب کرتا ہے،معلوم ہوا بعض مقامات پرجوقبروں پر کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ،وغیرہ آیات لکھنے کارواج ہے یہ بھاری گناہ اور بڑی بےادبی کی بات ہے،اوراگرمرنے والے کے نام کا کتبہ لگایا جائے تواگراس میں اشعاراورمبالغہ آمیزعبارات ہوں تو علماءِ مالکیہ کے نزدیک حرام ہےاور دیگر علماء کے نزیک مکروہ تحریمی ہے اوراگر صرف قبر کی پہچان کیلئے مرنے والے کا نام لکھ دیا جائے تو اکثر علماءکرام اس کوبھی مکروہ قرار دیتے ہیں ،چونکہ رسول اللہﷺ نے مطلق لکھنے سے منع فرمایاہےاس میں نام کی تختی بھی داخل ہے نیزصحابہؓ کرام بھی لکھنا جانتے تھےمگر کسی نے ایسانہیں کیا، پھر نام میں بھی توبےادبی ہے،عالمگیری میں ہے'' قبر پر عمارت بنانی، یا قبر پر بیٹھنا، یا سونا، پھلانگنا، یا پاخانہ وپیشاب کرنا اورکتبہ لگانا مکروہ ہے۔خدا بچائے یہ وبا بھی مسلمانوں میں عام پھیلتی جارہی ہے۔

قبروں پر چراغ جلانے کی ممانعت:-

عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ زَائِرَاتِ الْقُبُوْرِ وَالْمُتَّخِذِیْنَ عَلَیْھَا الْمَسَاجِدَ وَالْسُّرُجَ. (رواہ ابوداؤد،والترمذی والنسائی)

حضرت عبداللہ ابنِ عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے لعنت فرمائی ہے قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر اور قبروں پر مسجدیں بنانے والوں پر اور قبروں پر چراغ روشن کرنے والوں پر۔ (ابوداؤد،ترمذی،نسائی)

جولوگ قبروں پر چراغ جلانا،قندیلیں روشن کرنا،قمقمے جلانا،اور آج کے الکٹرانک دور میں مختلف قسم کی بتیاں روشن کرنے کو ثواب،باعثِ برکت اور تقرب کا ذریعہ سمجھتے ہیں وہ اس ارشادِ گرامی کو بار بار غور سے پڑھیں دنیا میں ان کا نام روشن ہی کیوں نہ ہو جائے مگر رسول اللہ ﷺ قبروں پر چراغاں کرنے والوں پر لعنت فرمارہے ہیں،ملّا علی قاری حنفیؒ اس حدیث شریف کی شرح کرتے ہوئے قبر پر چراغ جلانے کی ممانعت کی ظاہری حکمت بیان فرماتے ہیں:-

وَالنَّھْیُ عَنْ اِتِّخَاذِالسِّرَاجِ لِمَا فِیْہِ تَضِیْعُ الْمَالِ لِاَ نَّہٗ لَا نَفْعَ لِاَ حَدٍ مِنَّ السِّرَاجِ وَلِاَنَّھَا مِنْ آثَارِ جَھَنَّمَ وَ اِمَّا لِلْاِ حْتِرَازِ عَنْ تَعْظِیْمِ الْقُبُوْرِ کَالنَّھْیِ عَنْ اِتِّخَاذِ الْقُبُوْرِ مَسَاجِدَ (شرح مشکوٰۃ)

قبر پر چراغ جلانے کی ممانعت یا تو اس وجہ سے ہے کہ اس میں مال کو بے فائدہ ضائع کرنا ہے کیونکہ اس کا کسی کو فائدہ نہیں ہے اور اس لئے بھی کہ آگ تو جہنم کے آثار میں سے ہے،یا یہ ممانعت قبروں کی تعظیم سے بچانے کیلئے ہے جیسا کہ قبروں کو سجدہ گاہ بنانے کی ممانعت بھی اسی وجہ سے ہے۔(مرقاۃ شرح مشکوٰۃ)

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں،

رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں پر بھی لعنت فرمائی ہے جو قبروں پر بغرض تعظیم چراغ جلائیں بعض علماء کے نزدیک چراغ جلانا حرام ہے اگرچہ بقصدِ تعظیم نہ بھی ہو۔(اشعۃ اللمعات)

قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ فرماتے ہیں :-قبورِ اولیاء بلند کردن ، وگنبد برآں ساختن ،عرس وامثالِ آں وچراغاں کردن ہمہ بدعت است بعضے ازاں حرام است وبعضے مکروہ پیغمبر خدا ﷺ بر شمع اندوزاں نزدِ قبر وسجدہ کنندگان رالعنت گفتہ۔(ارشادالطالبین)

اولیاء اللہ کی قبروں کو بلند کرنا ،ان پر گنبد لگانا ،ان پر میلادوعرس وغیرہ کرنا ، چراغ جلانا ، یہ ساری چیزیں بدعت ہیں ان میں سے بعض کام حرام ہیں اور بعض مکروہ! رسولِ خدا ﷺ نے قبروں پر چراغ جلانے والوں،اور قبروں پر سجدہ کرنے والوں پر لعنت فرمائی ہے۔ (ارشادالطالبین)

مسئلہ:-بعض مقامات پر ''گوربجو'' یا دوسرے کسی درندے کے خوف سے کہ وہ نعش نکال لیگا قبر سے تھوڑا ہٹ کر ابتدائی چندایام تک آگ روشن کی جاتی ہے،اگرچہ اس شدید مجبوری کے وقت یہ درست ہے لیکن حدیث رسول کا تقاضا یہی ہے کہ کوئی متبادل انتظام کر کے اس سے بچا جائے۔

قبروں کو سجدہ گاہ بنانے اور طواف کرنے کی ممانعت:-

(١)عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ قَالَ فِیْ مَرَضِهِ الَّذِیْ لَمْ یَقُمْ مِنْهُ لَعَنَ اللّٰهُ الْیَهُوْدَ والنَّصَارٰی اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِیَائِهِمْ مَسَاجِدَ قَالَتْ فَلَوْ لَا ذَالِکَ لَاُبْرِزَ قَبْرُهُ غَیْرَ اَنَّهُ خَشِیَ اَنْ یُتَّخَذَ مَسْجِداً.(رواه البخاری،مسلم)

ام المومنین حضرت عائشہؓ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے مرض الوفات میں جس سے پھر آپ ﷺ تندرست نہ ہوئے یہ فرمایا:-اللہ یہودیوں اور عیسائیوں پر لعنت کرے انہوں نے اپنے انبیاء علیہم السلام کی قبروں کو سجدہ گاہ بنایا،حضرت عائشہؓ عنہا فرماتی ہیں کہ اگر رسولِ خدا ﷺ کو اس بات کا خیال نہ ہوتا تو آپ ﷺ کی قبر کھلی جگہ میں ہوتی حجرہ مبارکہ میں نہ ہوتی،مگر آپ ﷺ ڈرے کہ کہیں لوگ آپ ﷺ کی قبر کو بھی سجدہ گاہ بنالیں۔

(بخاری،مسلم)

(۲)عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ ؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ قَاتَلَ اللّٰهُ الْیَهُوْدَ وَالنَّصَارٰی اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِیَائِهِمْ مَسَاجِدَ. (رواہ مسلم)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:-اللہ یہودیوں اور عیسائیوں کو تباہ و برباد کرے انھوں نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کوسجدہ گاہ بنالیا۔

(مسلم)

(۳)عَنْ جُنْدَب قَالَ سَمِعْتُ النَّبِیَّ ﷺ اَلَا وَاِنَّ مَنْ کَانَ قَبْلَکُمْ کَانُوْ یَتَّخِذُوْنَ قُبُوْرَ اَنْبِیَائِهِمْ وَ صَالِحِیْهِمْ مَسَاجِدَ اَلَا فَلَا تَتَّخِذُوْا الْقُبُوْرَ مَسَاجِدَ اِنِّی اَنْهٰکُمْ عَنْ ذَالِکَ (رواہ مسلم)

حضرت جندبؓ عنہ فرماتے ہیں میں نے نبیِ کریم ﷺ سے سنا آپ ﷺ نے فرمایا: سنو! بے شک تم سے پہلے لوگ اپنے پیغمبروں کی اور نیک لوگوں کی قبروں کوسجدہ گاہ بنا لیتے تھے، خبر دار! کہیں تم قبروں کوسجدہ گاہ نہ بنانا میں تم کو اس بات سے منع کرتا ہوں۔

(مسلم)

(۴)عَنْ عُبَیْدِ اللّٰهِ اِبْنِ عَبْدِاللّٰهِ اَنَّ عَائِشَةَ وَعَبْدِاللّٰهِ اِبْنِ عَبَّاسٍ قَالَا لَمَّا نَزَلَتْ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ طَفِقَ یَطْرَحُ خَمِیْصَةً لَهُ عَلٰی وَجْهِهٖ فَاِذَا اغْتَمَّ کَشَفَهَا عَنْ وَجْهِهٖ فَقَالَ وَهُوَ کَذَالِکَ لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَی الیَهُوْدِ وَالنَّصَارٰی اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِیَائِهِمْ مَسَاجِدَ یُحَذِّرُ مِثْلَ مَا صَنَعُوْا (رواہ مسلم)

حضرت عبید اللہ ابن عبداللہ سے روایت ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت عبداللہ ابن عباسؓ دونوں نے فرمایا:-کہ جب رسول اللہ ﷺ کے وصال کا وقت قریب ہوا تو آپ ﷺ نے اپنے چہرۂ انور پر چادر ڈالنا شروع فرمائی جب آپ ﷺ گھبراتے تو چادر کو چہرۂ انور سے ہٹاتے اور فرماتے:-یہودو نصاریٰ پر اللہ کی لعنت ہو انھوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کوسجدہ گاہ بنالیا، آپ ﷺ ڈراتے تھے کہ جو کچھ انہوں نے کیا کہیں اپنے لوگ بھی ایسا ہی نہ کرنے لگ جائیں۔(مسلم شریف)

(۵)عَن اَبِیْ مَرْثَدٍالغَنَوِیِّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ لَا تَجْلِسُوْا عَلَی القُبُوْرِ وَلَاتُصَلُّوْا اِلَیْھَا

(رواہ مسلم)

حضرت ابو مرثد غنویؓ سے روایت ہے کہ نبیِ کریم ﷺ نے فرمایا :-نہ قبروں کے اوپر بیٹھو اورنہ ان کی طرف رخ کر کے نماز پڑھو!

(مسلم شریف)

(٦)عَنْ عَطَاءِ ابْنِ یَسَارٍ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اَللّٰھُمَّ لَا تَجْعَلْ قَبْرِیْ وَثْنًا یُعْبَدُ اِشْتَدَّ غَضَبُ اللّٰہِ عَلٰی قَوْمٍ اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِیَائِھِمْ مَسَاجِدَ

(رواہ المالک)

حضرت عطا ابن یسارؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : اے اللہ میری قبر کو بت نہ بنانا کہ اسکی پوجا کی جائے اللہ تعالیٰ کا سخت غضب بڑھکتا ہے اس قوم پر جو اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالے۔

(موطاامام مالک)

رسول اللہ ﷺ سے محبت رکھنے والے اور آپ ﷺ کے امتی کہلانے والے ان ارشادات کو بار بار پڑھکر اس بات پر غور فرمائیں کہ رسول خدا ﷺ کو آخری وقت کس چیز کی فکر تھی اور آج اُن کے امتیوں کا کیا حال ہے! یہ چھ روایات یہاں نقل کی گئی ہیں ماننے والوں کے لئے تو ایک اشارہ بھی کافی ہے اور ان روایات کا مفہوم ومطلب بھی اس قدر واضح ہے کہ کسی مزید توضیح وتشریح کی ضرورت نہیں ہے صرف حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے درد بھرے الفاظ کے نقل کرنے پر اکتفا کرتا ہوں شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں ''اگر مشرکین عرب کے عقائدواعمال کی پوری تصویر دیکھنا چاہتے ہو تو اس زمانہ کے عوام اور جہلاء کو دیکھ لو کہ مزارات وآثار پر جا کر قسم قسم کے شرک کا ارتکاب کرتے ہیں اُس زمانہ کی آفتوں میں سے کوئی آفت نہیں جس کے اندر اِس زمانہ کی کوئی نہ کوئی قوم مبتلاء نہ ہو اور ان کے مثل اعتقاد نہ رکھتی ہو (الفوزالکبیر)

تقریباً یہی بات الفاظ کے ذرا سے فرق کے ساتھ مشہور مفسر امام فخرالدین رازیؒ نے اپنی شہرہ آفاق تفسیر الکبیر میں اور وعلامہ محمود آلوسی نے تفسیر روح المعانی میں سورہ یونس/۱۸، ۲۲، میں بیان فرمائی ہے۔

قبروں پر قوالیاں کہنا اور ڈھولک بجانا:-

خیر یہ تو قبروں کو سجدہ گاہ بنانے کی بات تھی اب نہ جانے کیسے کیسے نئے فتنے جنم لے رہے ہیں، بعض شہروں میں دیکھا گیا ہے کہ لوگ کچھ اولیاء اللہ کی قبروں پر ڈھولک باجے بجانے، چرس پیکر جھومنے اور قوالیاں کہنے کو باعث ثواب سمجھتے ہیں العیاذ باللہ حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے تو ان خرافات وفواحش کو مٹانا اپنی بعثت کے اہم ترین مقاصد میں سے بیان فرمایا ہے، ایک فرمانِ رسول خدا ﷺ آپ بھی پڑھ لیجئے!!

عَنْ اَبِی اُمَامَةَ ؓ قَالَ قَالَ النبیﷺ اِنَّ اللّٰہَ تَعالٰی بَعَثَنِیْ رَحْمَةً لِلْعٰلَمِیْنَ وَھُدًی لِلْعٰلَمِیْنَ وَاَمَرَنِیْ رَبِّیْ عَزَّ وَجَلَّ بِمَحْقِ الْمَعَازِفِ وَالْمَزَامِیْرِ وَالْاَ وْثَانِ وَالصَّلِیْبِ وَاَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ(رواه احمد)

حضرت ابو امامہ ؓ سے روایت ہے کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے تمام عالم کیلئے رحمت اور وسیلۂ ہدایت بنا کر بھیجا ہے اور میرے رب نے مجھے حکم دیا ہے معازف اور مزامیر (یعنی ہر طرح کے باجوں) کو مٹانے کا اور جاہلیت کے اور بُت پرستی اور صلیب پرستی کے مٹا دینے کا اور جاہلیت کی تمام رسموں کو ختم کر دینے کا۔
(مسند احمد، ابوداؤد طیالسی)

یہاں آپ ﷺ نے اپنی بعثت کے تین خاص مقاصد بیان فرمائے ہیں۔(۱) بُت پرستی صلیب پرستی کا قلع قمع کرنا (۲) زمانۂ جاہلیت کی تمام رسموں کو ختم کرنا (۳) معازف مزامیر یعنی ہر قسم کے ڈھولک باجوں کا رواج ختم کرنا، معازف ان باجوں کو کہتے ہیں جو ہاتھ سے بجائے جاتے ہیں، جیسے ڈھولک ،طبلہ، ستار وغیرہ اور مزامیر وہ باجے ہیں جو منھ سے بجائے جاتے ہیں جیسے بانسری شہنائی اور دوسرے باجے، غور کیجئے! جس چیز کو محبوب خدا ﷺ دنیا سے مٹانے کیلئے تشریف لائے تھے، آپ ﷺ کے نام لیواؤں نے وہ گندگیاں وخرافات ،اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے محبوب

بندوں کی قبروں پرشروع کر دیں، اس سے اولیاءکرام کی روحوں کوکس قدر تکلیف ہوتی ہوگی!

قبروں پرآذان کہنا:-

مردہ پرنمازِ جنازہ پڑھنا، اسکی بخشش ورفع درجات کی دعا کرنا خصوصاً دفن کے بعد ومغفرت کیلئے دعا کرنا یہ سب کچھ تو رحمت عالم ﷺ نے اپنی امت کوسکھایا اور بحمدہ چودہ سو سال سے بناء کسی اختلاف امت کا اس پرعمل ہے۔مگر اس بدقسمتی پر کس کو رونا آئیگا، کہ علم صحیح کی کوتاہی اور مزاج دین کی صحیح معرفت کے فقدان سے ملت میں نورانی سنتوں کی جگہ عجیب وغریب بدعتیں بلکہ جہالتیں سر اٹھارہی ہیں۔

ہندِ وپاک میں بعض مقامات پر کچھ لوگ میت کودفن کرنے کے بعد قبر پر اس خودساختہ فلسفہ کی آڑ میں اذان دیتے ہیں کہ اس سے شیطان بھاگ جائیگا اور مردہ منکر نکیر کے جوابات ٹھیک دے سکے گا۔سبحان اللہ! اللہ کے پیارے حبیب ﷺ نے صحابہ ءکرام کی سینکڑوں مبارک ہستیوں کی تجہیز وتکفین خود اپنے مبارک ہاتھوں سے فرمائی، مگر کبھی کسی کی قبر پر اس فلسفہ کے تحت اذان نہ پڑھوائی، جبکہ آپؐ مردہ کی پریشانی وبے چارگی کوبھی سب سے زیادہ جانتے تھے۔اور کائنات میں آپ ﷺ سے بڑھ کر کوئی مشفق ومہربان بھی نہیں ہوسکتا۔لیکن آپ ﷺ نے کبھی کسی کوشیطان کو بھگانے کا یہ طریقہ تعلیم نہ فرمایا۔آپ ﷺ کے بعد صحابہ ءکرام کی مبارک جماعت کے سامنے بھی ہزاروں بلکہ لاکھوں لوگ دفن کیئے گئے پھر ائمہ مجتہدین حضرت امام اعظمؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ، امام بخاری، امام مسلم اور شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا زمانہ آیا سب کے سامنے اہلِ ایمان دفن ہوئے سب عذابِ قبر واغوائے شیطان سے بخوبی واقف تھے مگر ذخیرہ تاریخ وحدیث گواہ ہے کہ کبھی کسی کو یہ طریقہ نہ بتایا نہ اس پر کبھی عمل کیا، نہ ہی کسی کے ذہن میں ایسی سوچ آئی۔اور ایسی بدعت ان کے مبارک ذہنوں تک پہونچتی بھی کیسے!!! جبکہ ان کے سامنے اللہ کے حبیب ﷺ کے ارشادات موجود تھے۔"جوشخص ہمارے اس دین میں کوئی ایسی بات ایجاد کرے جو دین میں نہیں ہے تو وہ مردود ہے"۔(بخاری ومسلم)"جس نے ہمارے عمل کے خلاف

کوئی کام کیا وہ مردود ہے‘‘(ابوداؤد) حضرت امام مالکؒ کا یہ ارشاد آبِ زر سے لکھنے کے لائق ہے۔’’ جس نے دین میں نئی بات ایجاد کی اس نے دراصل حبیبﷺ کو دین میں کوتاہی کرنے والا ٹھہرایا کہ نعوذ باللہ یہ بات دین کی تھی مگر آپؐ نے نہ بیان فرمائی العیاذُ باللہ۔لہذا جو کام آپﷺ کے مبارک زمانہ میں شامل دین تھا وہ آج بھی ہے اور جو اس وقت نہ تھا وہ قیامت تک شامل نہیں ہوسکتا۔(الاعتصام ج اص۴۸) تو جو کام رحمت عالمﷺ وصحابہء کرام وسلف صالحین کے زمانہ میں نہ تھا اس کا اضافہ کر کے دین کے ساتھ نتھی کرنا کتنا بڑا ظلم،کتنی بڑی جہالت اور بدعت ہے یہ محتاجِ بیان نہیں۔ المنہاج الواضح ص۲۱۲ میں درالبحار کی عبارت نقل کی گئی ہے’’من البدع التی شاطت فی الھند الاذان علی القبر۔منجملہ بدعات میں سے ایک بدعت ہندوستان میں قبروں پر اذان دینا چل پڑی ہے۔

تعزیت اور اس کے آداب

کسی کے انتقال پر اس کے رشتے داروں عزیزوں کی غمگساری کرنا، ان کو صبر کی تلقین کرنا اور تسلی دینا تعزیت کہلاتا ہے یہ تعزیت بڑے ثواب کا کام اور نبی پاک ﷺ کی سنت ہے دو روایات پڑھ لیجئے!!

عن عبد الله ابن مسعود قال قال رسول الله ﷺ مَنْ عزَّى مُصابًا فله مِثلُ اجرِه (رواه الترمذی وابن ماجه)

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے روایت ہے رسول اللہ نے فرمایا: جو شخص کسی مصیبت زدہ کی تعزیت کرے یعنی اس کو تسلی دے، تو اس کو اتنا ہی ثواب ملے گا جتنا کہ اس مصیبت زدہ کو خود موت پر صبر کرنے کا ثواب ملتا ہے۔ (ترمذی، ابنِ ماجہ)

عن ابی برزةَ قالَ قالَ رسولُ اللهِ ﷺ من عزّى ثكلٰى كُسرَ بُرُداً فِي الْجَنَّةِ (رواه الترمذی)

حضرت ابو برزہؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو اس عورت کو تسلی دے جس کا بچہ مر گیا ہو اس کو جنت میں خاص لباس پہنایا جائے گا (ترمذی)

تعزیت کے موقعے پر کیا کہے؟

کسی کی تعزیت کے موقع پر صبر اور تسلی کی بات کہنا سنت ہے، ایسی کوئی بات نہ کہے جس سے غم اور تازہ ہو، اور نہ خود بین وواویلا کر کے اہلِ میت کو اس پر اُکسائے، دیکھئے آقائے نامدار ﷺ تعزیت کے موقع پر کیا فرمایا کرتے تھے۔

عَنْ اُسامةَ ابنِ زیدٍؓ قالَ ارسلَتْ ابنَةُ النّبيِ ﷺ انَّ ابناً لِیُ قُبِضَ فَأْتِنَا فَارْسَلَ

حضرت اسامہ ابن زیدؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی بیٹی (حضرت زینبؓ) نے کسی کو حضور ﷺ کے پاس بھیجا کہ میرا بیٹا حالتِ نزع میں ہے لہٰذا آپ ہمارے پاس تشریف لائیے! آپ ﷺ نے اس کے جواب میں کسی

يُقْرِأُ السَّلامَ وَيقُولُ اِن اللّٰہَ مَا اَخَذوَلَہ ماَاَعْطٰی وَكُلٌّ عِندَہ بِاَجلٍ مُّسمیّٰ فَلْتَصْبِرْ وَلْتَحتَسبُ (رواہ البخاری ومسلم)

آدمی کو ان کی طرف بھیجا کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں: اللہ ہی کا ہے، جو وہ لیتا ہے اور اسی کا ہے جو وہ عطا کرتا ہے اور اس کے یہاں ہر چیز کا ایک وقت متیعن ومقرر ہے، پس میری بیٹی کو صبر کرنا چاہئے اور اللہ سے اجر کی امید رکھنی چاہئے (بخاری، مسلم)

حضرت معاذ بن جبلؓ کے صاحبزادے کے انتقال پر آپ ﷺ نے ان کو جو تعزیتی خط لکھوایا تھا وہ پیچھے گذر چکا ہے اس کو دوبارہ پڑھکر روشنی حاصل کریں!

حضرت ابو خالد والبیؒ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ایک آدمی کو تعزیت کرتے ہوئے فرمایا اللہ اس پر رحم فرمائے اور تمہیں اجر عطا فرمائے ،(مصنف ابن ابی شیبہ) اس موقع کیلئے اور بھی الفاظ احادیث میں آئے ہیں، جو تقریباً انھیں کے ہم معنیٰ ہیں سب کا مقصد تسلی اور تشفی کرنا ہے اور آخرت کے اجر کی امید دلانا ہے۔

میت کے گھر والوں کیلئے کھانا بھیجنا:-

عَنْ عَبْدِ اللّٰہ ابنِ جعفرٍ قَالَ لَمّا جاءَ نَعْیُ جعفر قالَ النبیُ ﷺ اِصْنَعُوا لِاٰلِ جعفرٍ طَعَاماً فقدْ اَتا ھم ماَ يشْغُلُھُمْ (رواہ ابنُ ماجۃ وابوداود والترمذی)

حضرت عبداللہ ابن جعفرؓ فرماتے ہیں کہ جب میرے والد حضرت جعفرؓ کی شہادت کی خبر آئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جعفرؓ کے گھر والوں کیلئے کھانا تیار کرو اس لیے کہ وہ اس خبر کی وجہ سے اس حال میں ہیں کہ کھانے وغیرہ کی طرف توجہ نہ کرسکیں گے۔ (ابن ماجہ، ترمذی، ابوداوود)

مرنے والوں کے گھر والوں کے ساتھ یہ بھی ہمدردی کا تقاضہ اور تسلی کا ایک پہلو ہے کہ اس صدمہ میں ان کے لئے کھانا تیار کیا جائے یہ رشتیداروں اور پڑوسیوں کے لئے مستحب ہے چاروں ائمہ کا اس پر اتفاق ہے اور علمائے کرام فرماتے ہیں کہ یہ صرف دو وقت کے لئے یا ایک دن اور ایک رات کے لئے مستحب ہے اور مناسب یہ ہے کہ جب کھانا لیکر جائیں

تو اصرار کے ساتھ ان کو کھلائیں (مرقات شرح مشکٰوۃ)

لیکن جو لوگ ان کی تعزیت کیلئے وہاں جمع ہوئے ہوں ان کے لئے اس کھانے میں سے کھانا جائز نہیں ہے، اس پر بھی چاروں آئمہ کا اتفاق ہے، شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کتاب مطالب المومنین کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ جو لوگ تجہیز و تکفین کے کاموں میں مصروف ہوں اور کھانا کھانے کیلئے گھر نہ جا سکتے ہوں تو وہ اس کھانے میں سے دفن کے دن بقدر ضرورت کھا سکتے ہیں (لمعات) لیکن جو لوگ اہل میت کے یہاں رونے پیٹنے کیلئے جمع ہو گئے ہوں تو ان کے لئے کھانا بھیجنا بعض علماء نے حرام اور بعض نے مکروہ لکھا ہے، چونکہ نوحہ و ماتم کرنا نا جائز ہے، اور ایسے لوگوں کیلئے کھانا بھیجنا ان کی معاونت ہے جو درست نہیں۔[1]

اہل میت کی طرف سے دعوت کی ممانعت:-

حضرت جابر ابن عبداللہؓ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ یعنی صحابہ کرامؓ دفن کے بعد میت کے گھر والوں کے پاس جمع ہونے اور لوگوں کے واسطے کھانا تیار کرنے کو ماتم میں شمار کرتے تھے جو کہ نا جائز ہے (ابن ماجہ، مسند احمد) اس روایت اور اس مضمون کی دوسری روایات کی بنیاد پر چاروں ائمہ اور تمام علمائے کرام کا اتفاق ہے کہ مرنے والے کے گھر والوں کی طرف سے پڑوسیوں اور رشتیداروں کی دعوت کرنا ان کو کھانا کھلانا اور میت کے گھر دفن کے بعد محفل جمانا سب نا جائز ہے، ہمارے فقہائے احناف کے چند ایک ارشادات دیکھئے!!

محقق علامہ ابن ہمامؒ فتح القدیر میں لکھتے ہیں:

ویکرہ اتخاذ ضیافة من الطعام من اهل المیت لانه شرع فی السرور لا فی الشرور وهی بدعة قبیحة (جلد ا صفحہ ۲۹۳)

ترجمہ: اور میت کے گھر والوں کی طرف سے دعوت کا اہتمام کرنا مکروہ ہے اس لئے کہ کھانائے دعوت و ضیافت خوشی کے وقت کے لئے جائز و مشروع ہوا ہے نہ کہ مصیبت کے وقت کیلئے! اور وہ بدعت قبیحہ ہے۔

---

[1] مولانا خلیل احمد بریلوی صاحب فرماتے ہیں ''اگرچہ ایک دن یعنی پہلے ہی روز عزیزوں و ہمسایوں کو مسنون ہے کہ اہلِ میت کے لئے اتنا کھانا پکوا کر بھیجیں جسے وہ دو وقت میں کھا سکیں اور اصرار کر کے انھیں کھلائیں'' ''مگر یہ کھانا صرف اہلِ میت ہی کہ قابل ہونا سنت ہے'' اس میلے کے لئے ہرگز بھیجنے کا حکم نہیں ہے۔ اور ان کے لئے فقط روز اول کا حکم ہے آگے نہیں جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری، کشف الغطاء اور فتاویٰ رضویہ میں مذکور ہے (سنی بہشتی زیور ص۔۱۵۷)

فتاوٰی قاضی خان میں ہے: **یکرہ اتخاذ الضیافة فی ایام المصیبة لانہا ایام تأسف فلایلیق بہا مایکون للسرور.** ترجمہ مصیبت کے دنوں میں دعوت وضیافت کرنا مکروہ ہے اس لئے کہ مصیبت کے دن رنج اور غم کے دن ہوتے ہیں، لہذا ان میں وہ کام مناسب نہیں جو خوشی کے وقت کئے جاتے ہیں ۔ علامہ ابن عابدین شامیؒ پہلے فتح القدیر کی مذکورہ عبارت اور ابن ماجہ کی مذکورہ بالا روایت بیان فرماتے ہیں پھر فتاوٰی بزازیہ سے یہ عبارت نقل فرماتے ہیں: **ویکرہ اتخاذ الطعام فی الیوم الاول او الثالث او بعد الاسبوع .**

ترجمہ: اور مکروہ ہے کھانا تیار کرنا پہلے دن اور تیسرے دن اور ہفتہ کے بعد-- کچھ آگے چلکر فرماتے ہیں: ''ہمارے اور شافعیہ کے نزدیک یہ افعال مکروہ تحریمی ہیں،،۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی حنفیؒ مالا بدمنہ میں اپنے وصیت نامہ میں فرماتے ہیں: ''بعد مردن من رسوم دنیوی مثل دہم، وبستم، وچہلم، وششماہی، وبرسی ہیچ نکنند کہ رسول اللہ ﷺ زیادہ از سہ روز ماتم کردن جائز نہ داشتہ اند وحرام ساختہ اند،،

ترجمہ: -میرے مرنے کے بعد دنیاوی رسمیں جیسے دسواں، بیسواں، ششماہی اور برسی کچھ نہ کریں، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے تین دن سے زیادہ سوگ کرنے کو جائز نہیں رکھا بلکہ حرام قرار دیا ہے۔

تقریباً ان کے قریب قریب ہی شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے شرح سفرالسعادہ میں لکھا ہے[1] اس تمام کے باوجود کتنے دُکھ کی بات ہے کہ بعض جگہوں پر یہ رسم ہے کہ جب کسی بڑے میاں کا انتقال ہوتا ہے تو کچھ لوگ تجہیز وتکفین کا کام کرتے ہیں اور کچھ میت کے یہاں دیگ کا انتظام کرتے ہیں اور اس کو کارثواب سمجھتے ہیں۔ پھر چوتھے وغیرہ کے نام سے اس رسم کو دہراتے رہتے ہیں۔

تعزیت کب کریں؟

انتقال کے بعد تین دن تک کبھی بھی تعزیت کی جاسکتی ہے، البتہ مذکورہ روایت کی بناء پر علمائے

---

[1] مولانا خلیل احمد بریلوی فتح القدیر کے حوالہ سے لکھتے ہیں۔ مسئلہ: میت کے گھر والے تیجہ، دسویں، چالیسویں وغیرہ کے دن رشتہ داروں یا دوست احباب کی دعوت کریں یہ ناجائز اور بدعتِ قبیحہ ہے کہ دعوت تو خوشی کے موقع پر کی جاتی ہے نہ کہ غمی کے موقعوں پر کہ یہ افسوس کے دن ہیں تو جو خوشی میں ہوتا ہے ایسے موقعوں کے لائق نہیں ہے۔ علماء کرام اہل سنت و جماعت ایسی ہی دعوتوں کے متعلق فرماتے ہیں کہ یہ سب دکھاوئے اور نام وری کے کام ہیں ان سے بچنا لازمی وضروری ہے۔(سنی بہشتی زیور ۱۵۵)

احناف دفن کے بعد میت کے گھر جمع ہونے سے منع فرماتے ہیں لیکن مالکیہ ،شافعیہ اور حنبلیہ یہ فرماتے ہیں کہ دفن کے بعد میت کے گھر والوں کے پاس جمع ہونا تب منع ہے جب وہاں جشن ہو، خیمہ لگایا جائے اور کھانا پکانے کا انتظام ہو؛ (الفتح الربانی) البتہ ہمارے فقہاء احناف حدیث کے ظاہر کی وجہ سے مطلق طور پر منع فرماتے ہیں، طحطاوی میں ہے: **اعلم انہ اذا فرغ من دفنہ ورجع الناس فلیفترقوا ویشتغلوا بامرھم وھو بامرہ ویکرہ اجتماعھم للتعزیۃ** ،ترجمہ:-سنو! جب میت کے دفن سے فارغ ہو جائیں اور لوگ واپس ہو جائیں تو اُن کو وہاں ہی سے متفرق ہو جانا چاہئے! وہ اپنے کاموں مین مشغول ہو جائیں اور اہل میت کو بھی اپنے کاموں میں لگ جانا چاہئے ؛اہل میت کے پاس تعزیت کیلئے جمع ہونا مکروہ ہے۔

شیخ عبدالحق دہلویؒ نے اللمعات میں اپنا یہی موقف بیان فرمایا ہے ؛ اور صحابہ کرام کا ظاہر عمل بھی احناف ہی کے ساتھ ہے۔

نیز احناف کے نزدیک تعزیت ایک ہی بار مستحب ہے (شامی) تاتارخانیہ میں بھی امام صاحبؒ کا یہی قول نقل ہوا ہے۔غالباً یہ اس وجہ سے کہ بار بار کی تعزیت سے غم مٹتا نہیں بلکہ تازہ ہوتا رہتا ہے۔

ایصال ثواب

ایصال ثواب کا مفہوم ہے کوئی نیک عمل کر کے مرنے والے کو ثواب پہچانا؛ ایصال ثواب بھی عزیز و اقارب اور دوست احباب کی غم گساری کا ایک اہم پہلو ہے، ایصال ثواب کی علماء کرام تین قسمیں بیان فرماتے ہیں (۱) مرنے والے کیلئے بخشش ومغفرت کی دعا کرنا (۲) کچھ صدقہ وخیرات کر کے اس کا ثواب مرنے والے کو پہچانا (۳) ذکر اذکار، تلاوت کلام پاک ،نفلی روزے اور نفلی نمازوں کا ثواب مرنے والے کو پہچانا؛ یہ تینوں قسمیں جمہور امت کے نزدیک مباح وبہتر ہیں۔

الف: مغفرت کی دعا:-

عن ابن عباسٍ قال قال رسولُ اللهِ ﷺ مَا المیتُ فی القبرِ الا کا لغریق	حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قبر میں مدفون مردہ کی مثال اس شخص کی سی ہے جو دریا میں ڈُوب رہا ہو،

المتغوث يَنْتَظِرُ دَعْوَةً تَلْحَقُه مِنْ اَبٍ اَوْ اُمٍ اَوْ اخٍ او صَدِيْقٍ فَاِذَا لَحِقَتْهُ كَانَ اَحَبَّ اِلَيْه مِنْ دُنْيا وَمَا فِيهَا وَاِنَّ اللّٰهَ تعالىٰ لَيُدْخِلُ عَلٰى اَهْلِ الْقُبُوْرِ مِنْ دُعَاءِ اَهْلِ الْاَرْضِ اَمْثَالَ الْجِبالِ وَاِنَّ هَدْيَةَ الْاَحْيَاءِ اِلَى الْاَمْواتِ الْاِسْتِغْفَارَ لَهُمْ (رواه البيهقى فى شعب الايمان)	اور مدد کیلئے چیخ رہا ہو، وہ بیچارہ انتظار کرتا ہے کہ باپ ماں یا بھائی یا کسی آشنا دوست کی طرف سے اس کو رحمت و مغفرت کی دعا کا تحفہ پہنچے جب اس کو دعا کا تحفہ پہنچتا ہے تو وہ اس کو دنیا ومافیھا سے زیادہ محبوب وعزیز سمجھتا ہے، اور دنیا میں رہنے والوں کی دعاؤں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ قبر والوں کو اتنا عظیم ثواب دیتا ہے جس کی مثال پہاڑوں سے دی جا سکتی ہے، اور مردوں کیلئے زندوں کی طرف سے سب سے بڑا خاص تحفہ اور ہدیہ ان کی بخشش اور مغفرت کی دعا ہے (بیہقی)

ایک اور ارشاد گرامی دیکھئے!

عَنْ اَبِى هُرَيرَةَ قَال قَالَ رسُولُ اللّٰه ﷺ اِنَّ اللّٰه عَزَّ وَجَلَّ لَيَرْفَعُ الدَّرَجَةَ لِلْعَبْدِ الصَّالِحِ فِى الْجَنَّةِ فَيَقُوْلُ يا رَبِّ ! اَنّٰى لِيْ هٰذِهِ ! فَيَقُوْلُ بِا سْتِغْفَارِ وَلَدِكَ (رواه احمد)	حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کسی نیک بندہ کا درجہ جنت میں اچانک بہت بلند کر دیتا ہے، تو وہ نیک بندہ پوچھتا ہے، اے میرے رب ! یہ ترقی کہاں سے ؟ اور کیسے؟ جواب ملتا ہے تیرے واسطے تیری فلاں اولاد کی بخشش و مغفرت کی دعا کرنے کی وجہ سے۔ (مسند احمد)

بس مردے کو جو کچھ زندہ لوگ دے سکتے ہیں ان میں سے سب سے بڑی بات اور سب سے بڑا اور عمدہ تحفہ یہ ہے کہ وہ اس کے لئے اللہ سے بخشش کی دعا کریں اور اس طرح دعائے مغفرت کرنے اور اس کے مفید ہونے میں پوری امت کا اتفاق ہے اور یہ دعا خود دعا کرنے والے کے حق میں بھی باعث سعادت ہے آپ ﷺ کا ارشاد ہے جو ایمان والوں اور ایمان والیوں کے لئے

اللہ سے مغفرت مانگے گا اس کیلئے ہر مومن مرد اور مومن عورت کے حساب سے ایک ایک نیکی لکھی جائے گی (طبرانی)

ب: صدقہ وخیرات کے ذریعہ ایصال ثواب:-

عَنْ ابنِ عَبَّاسٍ اَنَّ سَعْدَابْنِ عُبادة تُوُفِّيتُ اُمُّه وَهُوَ غَائِبٌ عَنْهَا فَقَالَ يَارَسولَ اللهِ اِنَّ اُمِىْ تُوُفِّيَتْ وَاَنَا غَائِبٌ عَنْهَا اَيَنْفَعُها شَيْءٌ اِنْ تَصَدَّقْتُ بِهِ عَنْهَاقَالَ نَعَمْ فَاِنِی اُشْهِدُكَ اَنَّ حَائِطِی الْمِخْرَافِ صَدَقَةٌ عَلَيْهَاَ (راواه البخاری)

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں: حضرت سعد ابن عبادہؓ کی والدہ محترمہ کا انتقال ایسے وقت میں ہو گیا کہ وہ گھر میں موجود نہیں تھے (بلکہ وہ آپ ﷺ کے ہمراہ ایک غزوہ میں تھے) جب وہ واپس آئے تو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ! میری والدہ میری عدم موجودگی میں انتقال فرما گئیں ،تو کیا میں ان کی طرف سے صدقہ کروں تو ان کو فائدہ ہوگا (یعنی ان کو ثواب پہنچے گا) آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں! انھوں نے عرض کیا کہ میں آپ کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے اپنا مخراف نام کا باغ اپنی مرحوم والدہ کیلئے صدقہ کر دیا ہے۔ (بخاری)

اس طرح کی اور بھی کئی روایات ہیں جن سے صاف وصریح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ اگر اللہ کے راستہ میں حلال وطیب کمائی میں سے کچھ خیرات کر کے مرنے والے کو ثواب پہنچایا جائے تو وہ پہنچتا ہے،اور اگر ہو سکے تو صدقہ جاریہ کرے مثلاً کنواں کھدوا دے باغ صدقہ کر دے،کوئی دینی کتاب چھپوا کر تقسیم کر دے،مسجد بنوا دے،یا کسی دینی اسلامی درسگاہ کی تعمیر میں حصہ لیکر اس کا ثواب متوفی کو پہنچا دے ،جب تک یہ چیزیں رہیں گی تو انشاءُ اللہ ان کو اللہ کی طرف سے ثواب ملتا رہے گا۔ابوداوود شریف کی ایک روایت ہے کہ ایک صاحب نے والدہ کے ایصال ثواب کیلئے عرض کیا کہ افضل صدقہ کونسا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: پانی پلانے کا انتظام کرنا۔اور اس پر بھی تمام امت کا اتفاق ہے کہ دعائے مغفرت کی طرح صدقہ خیرات بھی مفید ہے،اور اخلاص کی حیثیت سے مرنے والے کو ثواب ملیگا،البتہ مرنے

والے کا صاحب ایمان ہونا شرط ہے، ابوداؤد شریف ہی کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں:-لو کان مسلما یعنی اگر وہ مسلمان ہوتب ثواب پہنچے گا۔

مالی ایصال ثواب کیلئے شرائط:-

میت کے ایصال ثواب اور خیرات کیلئے چند اہم شرائط ہیں جن کی رعایت نہایت ہی ضروری ہے۔

(۱) یہ صدقہ رشتیدار یا دوست احباب میں سے کوئی شخص اپنی خاص ذاتی ملکیت میں سے کرے مرنے والے کے مال میں سے نہ کرے، اور اگر مرنے والے کے مال میں سے صدقہ کرنا چاہیں تو تب کر سکتے ہیں جب اس کے تمام ورثاء (میراث میں سے حصہ پانے والے) بالغ ہوں، ذی ہوش ہوں؛ اور اگر میراث ابھی تقسیم نہ ہوئی ہو تو یہ شرط بھی ہے کہ وہ سب عاقل و بالغ ہوں، موجود ہوں اور صدقہ کرنے پر سب راضی ہوں؛ اگر سب عاقل و بالغ ہوں اور میراث تقسیم ہو چکی ہو تو پھر اپنے اپنے حصہ میں سے جو چاہے صدقہ کر سکتا ہے لیکن اگر ورثاء میں سے کوئی ایک نابالغ ہو، یا غیر موجود ہو پھر اس مشترک مال میں سے صدقہ کرنا جائز نہیں ہے؛ اور اگر میراث تقسیم ہو جائے تو بھی نابالغ کے حصہ میں سے صدقہ کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ اگر ورثاء نابالغ ہوں مثلاً کسی کے انتقال پر اس کے چھوٹے بچے رہ گئے ہوں پھر کسی صورت میں بھی صدقہ کرنا جائز نہیں ہے، یہاں تک کہ اگر نابالغ بچے اپنی خوشی و رضا سے کچھ صدقہ کریں تو وہ بھی صدقہ نہ کہلائے گا اس لئے کہ نابالغ کی رضا کا کوئی اعتبار نہیں ہے، اور اگر ان کا کوئی سرپرست ان یتیم بچوں کے مال میں سے صدقہ کرے تو یہ بھی صدقہ نہ کہلائے گا اس تفصیل پر بھی بحمدہ امت کا اتفاق ہے کوئی بھی یتیم کے مال میں سے اجرائے صدقہ کا قائل نہیں ہے [1]

---

[1] مولانا احمد رضا خان صاحب بریلویؒ فرماتے ہیں۔ اگر محتاجوں کو دینے کیلئے کھانا پکوائیں تو حرج نہیں بلکہ خوب ہے بشرطیکہ یہ کام کوئی عاقل بالغ اپنے مالِ خاص سے کرے۔ یا ترکہ سے کریں تو سب وارث موجود و بالغ و راضی ہوں اور اگر وارثوں میں کوئی ایک یتیم یا اور کوئی بچہ نابالغ ہو۔ یا بالغ ہیں مگر سب موجود نہیں یا موجود ہیں۔ اور سب سے اجازت نہ لی اور کھانا پکوانا یا خیرات کرنا شروع کردے تو یہ اور بھی زیادہ حرام اور سخت ناجائز ہے اور یتیموں کا مال یوں بے دریغ اڑانا دوسروں کا مال بلا اجازت تصرف میں لانا یہ خود ناجائز و حرام ہے۔ اور اگر ان میں کوئی یتیم ہو تو آفت اور سخت ہے۔ (فتاوی رضویہ منقولہ از سنی بہشتی زیور ص ۱۵۶)

(۲)مرنے والے کوثواب پہنچنے کیلئے یہ بھی ضروری ہے کہ اس صدقہ وخیرات کا فائدہ یتیموں، مسکینوں محتاجوں اورغریبوں کو پہنچے کہ کسی ننگے کوکپڑے ملیں، کسی بھوکے کا پیٹ بھرے کسی ضرورت مند کی ضرورت پوری ہو؛ اوراگراس صدقہ وخیرات سے دولت مند و مالداررشتیداراورپڑوسی مستفید ہوں (جیسا کہ بعض جگہ اس کا رواج ہے اوراس کوروٹی کرنا کہتے ہیں) تو یہ وہ دعوت ہے جس سے منع کیا گیا ہے جیسا کہ اہل میت کی طرف سے دعوت کے ذیل میں گذرا،اور یہ ایک بدھی بات ہے جب کسی کی ضرورت ہی اس سے پوری نہ ہوئی بلکہ محض رسم ورواج کی ایک باری چکائی گئی تو اس سے مرنے والے کا کیا تعلق!! بسوخت عقل زحیرت، کہ ایں چہ بوالعجبیست

(۳)اوراگر مرنے والے نے کچھ مال صدقہ خیرات کرنے کی وصیت کی ہو مثلاً یہ کہا ہو کہ میرے مرنے کے بعد میری طرف سے کنواں کھدوادینا یا اتنی رقم اللہ کی راہ میں خیرت کردینا وغیرہ تو اس صورت میں سب سے پہلے اس کے ترکہ میں سے اس کے کفن دفن کا انتظام کیا جائے گا، پھر اگراس کے ذمہ کچھ قرض ہوتو وہ ادا کیا جائے گا،اس کے بعد جتنا مال باقی رہ جائے گا اس کے تین حصے کئے جائیں گے دو حصے تو وارثوں کے ہوں گے بس تیسرے یعنی ایک تہائی میں وصیت جاری ہوگی اگرچہ وصیت زیادہ ہی کی ہو،(وصیت کے تفصیل احکام آگے وصیت کے بیان میں آئیں گے)

ج: بدنی عبادتوں کا ایصال ثواب کرنا:-

ایصال ثواب کی تیسری قسم بدنی عبادت ہے مثلاً ذکرواذکار،تلاوت کلام پاک، نفل نمازاورنفل روزہ رکھ کر مرنے والے کوثواب پہنچایا جائے اوراس تیسری شکل میں فقہاء کرام کے مابین اختلاف واقع ہوا ہے جمہورفقہاء(امام ابوحنیفہؒ امام مالکؒ،امام حمدؒ) کا مسلک یہ ہے کہ مالی عبادت صدقہ خیرات کی طرح بدنی عبادت کا بھی ثواب پہنچتا ہے اورمیت کے رشتیداروں اوردوست واحباب کو ایسا کرنا اچھا ہے لیکن امام شافعیؒ اورایک روایت کے مطابق امام مالکؒ یہ فرماتے ہیں کہ ایصال ثواب صرف مالی عبادتوں یعنی صدقہ خیرات ہی کا ہوسکتا ہے بدنی عبادت کے ذریعے ایصال ثواب نہیں ہوسکتا ملاعلی قاری حنفیؒ شرح فقہ اکبر میں لکھتے ہیں:

اختلف العلماء فی العبادة البدنية کا لصوم ،والصلوٰة ،وقرآت القرآن والذکر فذهب ابوحنيفة واحمد وجمهور السلف الی وصولها و المشهور

من مذهب الشافعي و مالک عدم وصولها.

ترجمہ عبادات بدنیہ جیسے روزہ، نماز اور قرآن کریم کی تلاوت اور ذکر واذکار کے ایصال ثواب میں علماء کا اختلاف ہے، امام ابوحنیفہؒ، امام احمد اور جمہور سلف کا مسلک یہ ہے کہ اس سے ثواب پہنچتا ہے۔ جبکہ امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کا مشہور قول یہی ہے کہ ایصال ثواب نہیں ہوتا، علامہ سیوطیؒ شافعیؒ لکھتے ہیں **اختلف في وصول ثواب القرآن للميت فجمهور السلف والائمة الثلاثة على الوصول وخالف في ذالک اما منا الشافعي**ؒ **(شرح الصدور)**

ترجمہ: تلاوت قرآن کریم کے ایصال ثواب میں فقہا کے احوال مختلف ہیں۔ جمہور سلف اور ائمہ ثلاثہ تو اس کے ایصال ثواب کے قائل ہیں؛ لیکن ہمارے امام شافعیؒ کا قول اس کے مخالف ہے (شرح الصدور)

اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ جن روایات سے جمہور استدلال کرتے ہیں شافعیہ ان کی سند کو کمزور کہتے ہیں، اور جمہور یہ کہتے ہیں کہ چند روایات اگرچہ وہ ضعیف ہی ہوں جب مضمون سب کا قریب ہو تو وہ قوت کے درجہ میں آجاتی ہیں؛ اس اصول کے بعض شوافع جیسے علامہ سیوطیؒ وغیرہ حضرات بھی قائل ہیں۔ اب چند روایات دیکھئے!!

ابوداوود شریف میں ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عمرو ابن العاصؓ کے والد حالت کفر میں رخصت ہوگئے اور انھوں نے یہ وصیت کر رکھی تھی کہ میری طرف سے سو غلام آزاد کئے جائیں، ان کے انتقال پر حضرت عبداللہ ابن عمروؓ کے بھائی نے تو اپنا حصہ ادا کر دیا مگر انھوں نے اس کے متعلق رحمت عالم ﷺ سے مسئلہ معلوم کیا کہ غیر مسلم متوفی باپ کی وصیت پوری کی جائے کہ نہ کی جائے؟ رحمت عالم ﷺ نے اس کے جواب میں فرمایا: **اِنَّـه لَو کَـانَ مُسْـلِمًا فَاَعْتَقْتُمْ عَنْهُ اَوْ تَصَدَّقْتُمْ عَنْهُ اَوْ حَجَجْتُمْ عَنْهُ بَلَغَه ذَالِکَ؛**

ترجمہ: -اگر تمہارے والد ایمان واسلام کے ساتھ دنیا سے گئے ہوتے پھر تم ان کی طرف سے غلام آزاد کرتے، یا صدقہ کرتے یا حج کرتے تو ان اعمال کا ثواب ان کو پہنچتا (ابوداوود) یہ روایت مسند امام احمد میں بھی ہے اس میں حج کی جگہ روزہ کا ذکر ہے، جو کہ بدنی عبادت ہے اور حج بدنی و مالی دونوں طرح کی عبادت میں داخل ہے، معلوم ہوا کہ بدنی عبادت کا ثواب

پہنچتا ہے تاہم مرنے والے کا مومن و مسلم ہونا تو شرط اول ہے۔

دارِ قطنی میں ہے ایک شخص نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! میں اپنے ماں باپ کی زندگی میں ان کے ساتھ نیکی کرتا تھا، اب ان کے مرنے کے بعد ان کے ساتھ کس طرح نیکی کا برتاؤ کروں آپ ﷺ نے فرمایا: نیکی کے بعد نیکی یہ ہے کہ اپنی نماز کے ساتھ ان کے واسطے بھی نماز پڑھو، اپنے روزے کے ساتھ ان کے واسطے بھی روزہ رکھو؛ (یعنی نفلی روزے رکھکر اور نفلی نماز پڑھ کر ان کا ثواب اپنے والدین مرحومین کو پہنچا دو)

اس کے علاوہ اس مضمون کی احادیث حضرت علیؓ، حضرت ابو ہریرہؓ، اور حضرت انسؓ، سے بھی مروی ہیں؛ خیر! اب تمام ہی علماء کرام بشمول شوافع تلاوت کلام پاک، ذکر واذکار، ودیگر بدنی عبادات کے ایصال ثواب کے قائل ہیں اور عملا کرتے ہیں۔

لیکن تلاوت کلام پاک کے ایصال ثواب کا ایک غلط طریقہ یہ چل پڑا ہے کہ لوگ خود تو تلاوت کرتے نہیں البتہ کچھ لوگوں کو، یا کسی ایک آدمی کو اجرت پر رکھ کر قرآن پاک کی تلاوت کرا لیتے ہیں اور وہ بھی اجرت لیکر پڑھتا ہے پھر اس کا ثواب متوفی کو بخشد یتا ہے، یہ بالاتفاق ناجائز ہے فقہاء کرام میں سے کوئی بھی اُجرت لیکر پڑھنے یا پڑھانے کو جائز نہیں کہتا ہے؛ علامہ ابن عابدین شامیؒ نے اس طرح پڑھنے اور پڑھانے والوں کیلیئے لکھا ہے کہ اس سے ثواب کی امید تو نہیں کی جا سکتی البتہ گناہ کا خدشہ تو دونوں کیلیئے یقیناً ہے (شامی جلد۲ صفحہ۲۴۱) یہی بات شرح سفر السعادہ میں شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے بھی لکھی ہے، وہ مروجہ قرآن خوانی جس میں پڑھنے والے یہی سمجھ کر پڑھتے ہیں کہ یہاں کچھ کھانا وغیرہ مل جائے گا اور پڑھانے والا بھی یہ جان کر کہ بعد تلاوت کھلا پلا کر ان کا حق ادا کر دوں گا کے بارے میں فرماتے ہیں: عادت نبوی نہ بود کہ برائے میت در غیر وقت نماز جمع شوند وقرآن خوانند وختمات خوانند نہ برسر گور و نہ غیر آں، وایں مجموعہ بدعت است ومکروہ ،نعم! تعزیت وتسلیہ وصبر فرمودن سنت و مستحب است اماں ایں اجتماع مخصوص روز سوم وارتکاب تکلفات دیگر وصرف اموال بے وصیت از حق یتامیٰ ''بدعت وحرام،، (شرغ سفر السعادہ) اسی اصول کی بناء پر علماء کرام نے لکھا ہے کہ جہاں اجرت مقرر تو نہ ہوتا ہم پڑھنے پڑھانے والوں دونوں کے ذہن میں موجود ہو یعنی پڑھنے والے بھی جانتے

ہوں کہ کچھ ملیگا اور پڑھانے والوں کو بھی معلوم ہو کہ کچھ تو دینا ہی پڑیگا ایسی معہودہ اجرت بھی اُسی مقرر کردہ اجرت کے حکم میں ہی شمار ہوگی۔ بہر حال جیسا کہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی الحنفی نے فرمایا کسی کرایہ کے ایصال ثواب کا ثبوت دورِ نبوی وصحابہ میں نہیں ملتا۔

زیارت قبور یعنی قبرستان میں جانا

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ ابنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ اَنَّ رَسُولَ اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ کُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُوْرِ فَزُوْرُوْ هَافَاِنَّهَا تُزَهِّدُ فِي الدُّنْيا وَتُذَكِرُ الْاٰخِرَةَ (رواہ ابنُ ماجه)

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے تمہیں قبروں کی زیارت سے منع کر دیا تھا اب (اجازت دیتا ہوں) تم قبروں کی زیارت کرلیا کرو! کیونکہ اس سے دنیا کی بے رغبتی اور آخرت کی یاد اور فکر پیدا ہوتی ہے، (ابن ماجہ)

یہ روایت مسلم شریف میں حضرت بریدہ اسلمیؓ سے مروی ہے اس میں بھی یہی مضمون ہے کہ پہلے میں نے تمہیں زیارت قبور سے منع کر دیا تھا اب اجازت دیتا ہوں تم قبرستان جایا کرو۔ اس حدیث کی شرح میں شاہ عبدالحق دہلویؒ فرماتے ہیں کہ علماء کرام نے اس ممانعت کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ ابتدائے اسلام میں ابھی جہالت وشرک کا زمانہ قریب ہی تھا اور خوف تھا کہ لوگ شرک ''اور قبر پرستی،، میں مبتلاء نہ ہو جائیں (اشعۃ اللمعات) پھر جب امت کا مزاج توحید میں پختہ ہو گیا اور ہر قسم کی شرک کی نفرت دل میں بھر گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت مرحمت فرمادی اور اس کا فائدہ بلکہ غرض وغایت یہ بیان فرمائی کہ اس سے دنیا کی بے رغبتی اور آخرت کی یاد تازہ ہوتی ہے۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے تمہیں قبروں کی زیارت سے منع کر دیا تھا اب مجھے خیال آیا کہ اس سے دل میں نرمی پیدا ہوتی ہے، اور آنکھوں میں آنسوں اُترتے ہیں، اور آخرت کی یاد تازہ ہو جاتی ہے، لہذا تم قبروں کی زیارت کیا کرو مگر اس میں نازیبا کلمات زبان سے نہ نکالو (مسند احمد)

ان روایات کی بنا پر آخرت کی یاد تازہ کرنے اور دنیا کی بے رغبتی اپنے دل میں راسخ کرنے کیلئے

مردوں کے واسطے زیارت قبور بالاجماع وبالاتفاق جائز ومستحب ہے بلکہ بعض ظاہریہ کے نزدیک زندگی میں ایک بار فرض ہے؛ چونکہ حدیث میں اس کی اجازت بالفاظ حکم آئی ہے۔

زیارت قبور کے آداب:-

مذکورہ بالا ودیگر احادیث کی روشنی میں علماء کرام نے قبروں کی زیارت یعنی قبرستان میں جانے کے کچھ آداب کی رعایت کی تاکید فرمائی ہے، شیخ عبدالحق دہلویؒ مشکوٰۃ شریف کی اپنی فارسی شرح اشعۃ اللمعات میں فرماتے ہیں، زیارت قبور کے آداب میں سے ایک ادب یہ ہے کہ بوقت زیارت منہ قبر کی طرف اس کے بالمقابل ہو، اور پشت قبلہ کی طرف ہو، پھر اس طرح کھڑے ہو کر صاحب قبر کو سلام کرے؛ مگر (۱) ہاتھ سے قبر کو نہ چھوئے (۲) اور نہ اسے بوسہ دے (۳) اور نہ قبر کی طرف جھکے (۴) اور نہ قبر کی مٹی چہرہ پر ملے؛ کیونکہ یہ عیسائیوں کی عادتیں ہیں۔ مشکوٰۃ شریف کی شرح مرقاۃ میں ملاعلی قاری حنفیؒ بھی انھیں آداب کا ذکر فرماتے ہیں۔

رحمت عالم ﷺ کا اپنا عمل ملاحظہ فرمایئے!! آپ ﷺ کا اپنا معمول ایسے موقع کا کیا تھا؟

عَنْ ابنِ عَبّاسٍ ؓ قال مرَّ النبّی ﷺ بِقُبورٍ بالمدینة فَاَقبَلَ فا قبل علیهم بوجهِهِ فَقَالَ السلام علیکم یااهل القبور یغفرالله لنا ولکم واَنْتُمْ سلفنا ونحنُ بالاَثَر (رواہ الترمذی)

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا گذر مدینہ منورہ کی چند قبروں پر سے ہوا، تو آپ ﷺ نے اپنا چہرہ انور ان کی طرف کیا اور فرمایا: اے قبر والو! تم پر سلام ہو، اللہ تعالیٰ ہماری اور تمہاری مغفرت فرمائے تم ہم سے آگے جانے والے ہو اور ہم تمہارے پیچھے پیچھے آرہے ہیں۔ (ترمذی)

زیارت قبور کی دعائیں:-

جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ زیارت قبور کے وقت قبر والوں کو سلام کرنا، اور اس موقع پر ان کے لئے مغفرت کی دعا کرنا رسول پاک ﷺ کی سنت ہے؛ سلام ودعا کے الفاظ معمولی فرق کے ساتھ کئی احادیث میں آئے ہیں چند ایک حدیثیں یہاں نقل کی جاتی ہیں:

عَنْ بُرَيْدَةَؓ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُعَلِّمُهُمْ اِذَا خَرَجُوْا اِلَى الْمَقَابِرِ فَكَانَ قَائِلُهُمْ يَقُوْلُ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الدِّيَارِ مِنَ الْمؤْمِنِيْنَ وَالْمُسْلِمِيْنَ وَاِنَّا اِنْشَاءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَلَاحِقُوْنَ نَسْئَلُ اللّٰهَ لَنَا وَلَكُمُ الْعَافِيَةَ (رواه مسلم والنسائی وابن ماجة واحمد)

حضرت بریدہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام کو سکھایا کرتے تھے جب ان میں سے کوئی شخص قبرستان جائے تو یوں کہے: اے ان گھروں کے مسلمان ومومن باسیو! تم پر سلام ہو! اور انشاء اللہ ہم بھی تم سے آ ملنے والے ہیں ہم اللہ سے اپنے لئے اور تمہارے لئے عافیت (یعنی چین وسکون) کا سوال کرتے ہیں۔ (مسلم،نسائی،ابن ماجہ مسند احمد)

یہ الفاظ مسلم شریف کے ہیں دوسری کتابوں یہ الفاظ مزید ہیں اَنْتُمْ فَرَطُنَا وَنَحْنُ لَكُمْ تَبَعٌ تم ہم سے پہلے جاچکے ہواور ہم تمہارے بعد آرہے ہیں؛

محمد ابن قیسؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا: کہ میں تم کو اپنی بیتی اور رسول اللہ ﷺ کی بیتی سناؤں؟ ہم نے عرض کیا ضُرور! فرمایا ایک رات حضور ﷺ میرے یہاں تھے، آپ ﷺ نے کروٹ لی اور اپنی چادر مبارک لی اور جوتی مبارک نکال کر اپنے پاؤں کے آگے رکھی اور چادر کا کنارہ اپنے بچھونے پر بچھایا پھر لیٹ گئے اور تھوڑی دیر اس خیال سے ٹھہرے رہے کہ میں سوجاؤں اور جب یہ گمان فرمالیا کہ میں سوگئی تو آہستہ سے اپنی چادر لی، آہستہ ہی سے جوتی پہنی اور آہستہ سے ہی دروازہ کھولا اور آہستہ سے نکلے پھر آہستہ سے اس کو بند کردیا اور میں نے بھی اپنی چادر لیکر سر پر اوڑھی اور پردہ کیا اور ازار پہنا اور آپ ﷺ کے پیچھے چلی یہاں تک کہ آپ ﷺ بقیع (قبرستان) پہونچے اور دیر تک کھڑے رہے پھر دونوں ہاتھ اُٹھائے اور تین بار ایسے ہی کیا (یعنی دعا فرمائی) پھر آپ ﷺ واپس ہوئے اور میں بھی واپس ہوئی اور آپ ﷺ جلدی چلے اور میں بھی جلدی جلدی چلی اور آپ ﷺ دوڑے تو میں بھی دوڑی اور میں آپ ﷺ سے پہلے گھر آگئی

اور گھر میں آتے ہی لیٹ رہی، آپ ﷺ جب گھر میں آئے تو فرمایا: اے عائشہ! کیا ہوا تم کو سانس

پھول رہا ہے؟ اور پیٹ پھولا ہوا ہے؟ میں نے عرض کیا کچھ نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا تم بتادو ورنہ وہ لطیف وخبیر یعنی اللہ تعالیٰ مجھے بتادے گا میں نے عرض کیا میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان ہوں پھر میں نے آپ ﷺ کو ساری بات بتائی تب آپ ﷺ نے فرمایا: جو کالا کالا میرے آگے نظر آتا تھا وہ تم ہی تھیں، میں نے عرض کیا: جی ہاں! تو آپ ﷺ نے محبت سے میرے سینے پر گھونسہ مارا جس کا مجھے درد ہوا پھر فرمایا کیا تو نے خیال کیا کہ اللہ اور اس کا رسول ﷺ تیرا حق دبائے گا یعنی تمہاری باری میں کسی بیوی کے پاس چلا جاؤں گا میں نے کہا جب لوگ کوئی چیز چھپاتے ہیں تو اللہ اس کو جانتا ہے پھر آپ ﷺ نے فرمایا میرے پاس حضرت جبرئیلؑ آئے جب تم نے دیکھا انھوں نے مجھے پکارا اور تم سے چھپایا اور میں نے بھی چاہا کہ تم سے چھپاؤں وہ تمہارے پاس نہیں آئے تھے کہ تم نے اپنا کپڑا اتار دیا تھا اور میں سمجھا کہ تم سوگئی لہٰذا میں نے برا جانا کہ تم کو جگاؤں اور یہ بھی خوف تھا کہ تم گھبراؤ گی کہ کہاں چلے گئے پھر جبرئیلؑ نے فرمایا کہ تمہارا پروردگار حکم فرما رہا ہے کہ آپ ﷺ بقیع قبرستان میں جائیں اور ان کے لئے مغفرت مانگیں آگے حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں: میں نے عرض کیا میں قبرستان میں کیا کہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا یوں کہو!

اَلسَّلَامُ عَلٰی اَهْلِ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُسْلِمِيْنَ وَيَرْحَمُ اللّٰهُ الْمُسْتَقْدِمِيْنَ مِنَّا وَالْمُسْتَأْخِرِيْنَ وَاِنَّا اِنْشَاءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَلَاحِقُوْنَ (رواہ مسلم)

سلام ہو ایمان واسلام والے گھر والو (قبرستان میں رہنے والو) اور اللہ ہم سے آگے جانے والوں اور پیچھے رہ جانے والوں پر رحمت فرمائے اور انشاءٔ اللہ ہم تم سے ملنے والے ہیں۔ (مسلم)

حدیث میں اور بھی دعائیں آئی ہیں اور سب قریب المعنیٰ ہیں ان میں سے کوئی بھی دعا کریں زیادہ بہتر ہے کہ عربی میں دعا کریں اگر عربی میں یاد نہ ہو تو اپنی زبان میں ہی کریں۔

زیارت قبور کے وقت ایصال ثواب:-

زیارت قبور کے وقت قبرستان والوں کیلئے اخلاص سے دعائے مغفرت وبخشش کرنی چاہیے آپ ﷺ اس کا بہت اہتمام فرماتے تھے، اس کے علاوہ اگر موقع ہو تو کچھ تلاوت کر کے قبرستان والوں کو بخش دے تو اچھا ہے اس کا ذکر بھی احادیث میں آیا ہے، اور علاوہ امام اعظم ابوحنیفہؒ کے

اس میں کسی کا اختلاف نظر سے نہیں گذرا امام صاحبؒ قبر کے پاس قرآن کریم پڑھنے کو مکروہ کہتے ہیں لیکن ان کے مشہور شاگرد امام محمدؒ اس کی اجازت دیتے ہیں، اور ہمارے علماء فتوٰی بھی امام محمدؒ کے قول پر دیتے ہیں، شاہ عبدالحق دہلویؒ فرماتے ہیں: امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کہ نزدیک قبر کے پاس قرآن پڑھنا مکروہ ہے امام محمدؒ کے نزدیک مکروہ نہیں ہے صدر الشہیدؒ جو کہ مشائخ حنفیہ میں سے ایک ہیں نے امام محمدؒ کے قول کو لیا ہے، اور اسی پر فتوٰی ہے (اللمعات) بعض روایات میں سورہ اخلاص سات بار یا گیارہ بار، سورہ فاتحہ، سورہ ملک سورہ یسین، سورہ تکاثر پڑھ کر بخش دینے اور مغفرت کی دعا کرنے کا بھی ذکر آتا ہے۔

قاضی ثناءُ اللہ پانی پتیؒ فرماتے ہیں، از امیر المومنین سیدنا علیؓ مروی است از پیغمبر علیہ السلام ہر کہ بمقابر گزرد وقُـلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ، یازدہ بار خواندہ مردگان بخشد موافقِ شمار مردگاں اورا ہم ثواب دادہ شود، از ابی ہریرہؓ مروی است مرفوعًا کہ ہر کہ فاتحہ و اخلاص و سورہ تکاثر خواندہ برائے مردگاں ثواب آں گزراند مردگاں برائے او شفیع باشند واز انسؓ است مرفوعًا کہ سورہ یٰسین درمقابر بہ خواند آنہا را تخفیف کنند حق تعالٰی وایں را ثواب بعدِ دآنہا بخشد۔ (مالا بدمنہ)

حضرتِ علیؓ رسول اللہ ﷺ کا پاک ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جو شخص قبرستان سے گزرتے ہوئے سورہ اخلاص گیارہ بار پڑھ کر مردوں کو بخشدے تو مردوں کی تعداد کے مطابق اس کو ثواب ملیگا حضرت ابو ہریرہؓ سے مرفوعًا روایت ہے کہ جو شخص سورہ فاتحہ سورہ اخلاص، سورہ تکاثر پڑھکر مردوں کو بخشدے تو وہ اس کے لئے شفاعت کریں گے، اور حضرت انسؓ سے مرفوعًا روایت ہے کہ جو شخص قبرستان میں سورہ یٰسین پڑھے اور اس کا ثواب مردوں کو بخشدے تو اللہ تعالٰی مُردوں کے عذاب میں تخفیف کرتے ہیں، اور ان کی تعداد کے مطابق اس کو ثواب ملتا ہے۔[1]

(مالا بدمنہ)

[1] علامہ سیوطی فرماتے ہیں کہ یہ روایات سنداً اگرچہ ضعیف ہیں لیکن ان کا مجموعہ بتاتا ہے کہ ان کی کچھ اصل ہے (شرح الصدور)

لیکن افعال مستحبہ کے علاوہ زیارت قبور کے وقت قبر کو سجدہ کرنے، بوسہ دینے، طواف کرنے وغیرہ ممنوعہ افعال سے بچیں؛ جیسا کہ شاہ عبدالحق دہلویؒ نے آداب قبور میں بیان فرمایا ہے۔

قاضی ثناءاللہ پانی پتیؒ ایک دوسرے مقام پر اس بارہ میں فرماتے ہیں۔

سجدہ کردن بسوئے قبور انبیاء و اولیاء وطواف گرد قبر کردن ودعا از آنہا خواستن و نذر برئے آنہا قبول کردن حرام است۔

انبیاء علیہم السلام اور اولیا کرام کی قبروں کو سجدہ کرنا اور قبر کے گرد طواف کرنا اور ان سے دعا مانگنا اور ان کے لئے نذر قبول کرنا حرام ہے۔ (مالابدمنہ)

زیارت قبور کب کریں؟

قبرستان جانے کیلئے کوئی متعین وقت نہیں ہے رات دن میں کسی وقت اور کسی بھی دن جا سکتے ہیں البتہ ہفتہ کے دنوں میں سے جمعہ کے دن والدین کی قبروں پر جانے کی حدیث میں فضیلت آئی ہے؛

عَنْ مُحَمَّدٍ ابن النُّعْمَانِ يَرْفَعُ الْحَدِيْثَ اَلَى النَّبِيِّ ﷺ قَالَ مَنْ زَارَ قَبْرَ اَبَوَيْهِ اَوْ اَحَدِهِمَا فِيْ كُلِّ جُمُعَةٍ غُفِرَ لَه وَكُتِبَ بَرًّا (رواه البيهقي مرسلا)

حضرت محمد ابن نعمانؒ سے روایت ہے اور وہ اس حدیث کو نبی ﷺ تک پہنچاتے ہیں- کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جو شخص ہر جمعہ کو اپنے دونوں والدین یا ان میں سے کسی ایک کی قبر کی زیارت کرے، اس کے گناہ بخشدئے جاتے ہیں اور اس کو نیک لکھا جاتا ہے۔ (بیہقیؒ نے اس کو مرسلا روایت کیا)

اور اگر رات کے وقت قبرستان جانے کی توفیق ہو جائے تو آخری رات جانا چاہئے!

عَنْ عَائِشَةَ ؓ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ كُلَّمَا كَانَ

حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں: جب بھی حضور ﷺ کی رات کی باری میرے پاس ہوتی

لَيْلَتُهَا مِنْ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ يَخْرُجُ مِنْ اٰخِرِ اللَّيْلِ اِلَى الْبَقِيْعِ فَيَقُوْلُ :اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ دَارَقَوْمٍ مؤمنين اَتَاكُمْ مَاتُوعَدُوْنَ غَدًا مُؤَجَّلُوْنَ فَاِنَّا اِنْشَاءَ اللهُ بِكُمْ لَلَاحِقُوْنَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِاَهْلِ بَقِيْعِ الْغَرْقَدِ	تو رسول اللہ ﷺ رات کے آخری حصہ میں قبرستان بقیع نکلتے اور یہ فرماتے :-اے قبروں میں رہنے والی ایمان والوں کی قوم ! تم پر سلام ہو!تمہارے پاس وہ چیز آ پہنچی جسکا تم سے وعدہ کیا جا تا تھا کل تک (قیامت تک)تمہیں مہلت دی گئی ہےاور انشا اللہ ہم بھی تم سے ملنے والے ہیں ؛ اے اللہ! قبرستان بقیع غرقد کے رہنے والوں کو بخش دے۔
(رواہ مسلم)	(مسلم شریف)

اس کے علاوہ شعبان کی پندرھویں رات کو جانا بھی بعض روایات میں بیان کیا گیا ہے،جیسا کہ اکثر اکابر کا معمول بھی ہے۔

عورتوں کے لئے زیارت قبور:-

عورتوں کیلئے زیارت قبور یعنی قبرستان جانا جائز ہے یا ناجائز؟ اس سلسہ میں علماء کرام کے اقوال قدرے مختلف ہیں ؛اکثر فقہاء نے اس کو ناجائز لکھا ہےاور بعض یہ کہتے ہیں کہ پہلے مردوں وعورتوں دونوں کو زیارت قبور سے منع کیا گیا تھا پھر دونوں کیلئے اس کی اجازت ہوگئی ،مگر دوسرے علمائے کرام فرماتے ہیں کہ اجازت کیلئے جو صیغہ والفاظ استعمال ہوئے ہیں وہ مردوں کیلئے ہیں عورتوں کیلئے نہیں !اورعورتوں کیلئے الگ سے کہیں اجازت منقول نہیں ہے۔متأخرین علماء کرام بہت بوڑی عورت کے علاوہ بالاتفاق ہی عورت کیلئے زیارت قبور کو ناجائز کہتے ہیں ، چونکہ آپ ﷺ نے قبرستان جانے والی عورت پر لعنت فرمائی ہے جیسا کہ پیچھے ذکر ہوا ؛ ایک اور مبارک ارشاد پڑھ

لیجئے!

عَنْ ابی هُرَيرةؓ عَنْ رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم لَعَنَ زَوَّارَاتِ الْقُبُوْرِ (رواه احمد والترمذی،وابن ماجة)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پرلعنت فرمائی ہے۔

(مسنداحمد،ترمذی،ابن ماجہ)

ان روایات کے پیش نظر علماء کرام عورتوں کوزیارت قبور سے سختی سے منع فرماتے ہیں،اورمیری دانست کے مطابق اب اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے.

اس کے ساتھ ہی جنازہ کا یہ بیان اختتام پذیر ہوا دست بدعا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اپنے خاص لطف و احسان سے اس کوقبولیت عطا فرمائے اورنافع عام بنائے؛آمین یارب العٰلمین! وللہ الحمد وصلی الله علی النبی الکریم وسلم

اپنے رب کا عاجز بندہ

فیض الوحید

۱۴/رمضان المبارک ۱۴۱۸ھ

مطابق ۱۳/جنوری ۱۹۹۸ء مرکزی جیل جموں بارک(۱)

نوٹ:- جنازہ کے بیان کے ساتھ ہی اپنے ذہن کا مفروضہ مضمون مکمل ہوگیا تھا مگر کتاب الجنائز میں یہ بات ذہن میں آئی کہ ہمارے یہاں مرنے والے کے ترکہ میں جو بے ضابطگیاں ہوتی ہیں اور فضول خرچیوں کا ایک سلسلہ سا شروع ہوجاتا ہے اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ لوگ وراثت کے احکام سے واقف نہیں ہوتے ہیں لہٰذا جنازہ کے احکام کے ساتھ ساتھ وراثت کے کچھ موٹے موٹے مسائل ذکر کئے جارہے ہیں۔

علم فرائض یا علم میراث

جب کسی شخص کا انتقال ہو جائے تو اس کی منقولہ وغیر منقولہ جائداد جو بھی اس وقت اس کی ملکیت میں ہو اس کو علمی زبان میں ''ترکہ،، کہتے ہیں اس سے بالترتیب چار حقوق وابستہ ہوتے ہیں؛ (۱) تجہیز وتکفین (۲) اگر میت کے ذمہ کچھ قرض ہو تو اس کی ادائیگی (۳) متوفی نے اگر کوئی وصیت کی ہو تو اس کی تعمیل (۴) باقی تمام مال کو اللہ کے بتائے ہوئے طریقہ کے مطابق وارثوں کے درمیان تقسیم کرنا، اور متوفی کے ترکہ (مال) میں سے تجہیز وتکفین، ادائے قرض، تعمیل وصیت اور تقسیم جائداد کے اس الٰہی قانون کے جاننے کو ''علم الفرائض،، یا علمِ میراث یا علم وراثت یا فریضہ عادلہ کہتے ہیں۔

اللہ کے قانون کے مطابق تقسیم ترکہ کی تاکید:

متوفی کے مال (ترکہ) میں مذکورہ چار حقوق کا اجراء اور ترکہ کو وارثوں کے درمیان اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ قانون کے مطابق تقسیم کرنے کی اللہ تعالیٰ کے نزدیک کتنی اہمیت ہے! اور اللہ کے قانون کو ماننے والوں، اس پر ایمان رکھنے والوں کو اس کی کس قدر تاکید ہے اس کا اندازہ اس سے لگائیے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج وغیرہ تمام احکام کو بالکل اجمال سے بیان فرمایا ہے اس کی تفصیل اور اس کا طریقہ رحمت عالم ﷺ کے ذریعہ امت کو معلوم ہوا، لیکن تقسیم وراثت کے تمام ہی اصولی مسائل تفصیل کے ساتھ خود اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب قرآن کریم میں بیان فرمائے، اور ان احکام کے بیان کرتے ہوئے سخت تاکیدی الفاظ استعمال کئے گئے مثلاً شروع میں ہی فرمایا: یُوْصِیْکُمُ اللّٰہُ اللہ تم کو وصیت کرتا ہے، تم کو تاکیدی حکم دیتا ہے؛ پھر فرمایا: فَرِیْضَۃً مِّنَ اللّٰہِ کہ یہ اللہ تعالیٰ کا تاکیدی اور مقرر کردہ حکم ہے۔ پھر ان احکام کو بیان فرما کر آخر میں فرمایا:

تِلْکَ حُدُوْدُ اللّٰہِ ط وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ یُدْخِلْہُ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِہَا

یہ سب احکام اللہ تعالیٰ کی حدیں (ضابطے) ہیں اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی پوری اطاعت کریگا، اللہ اس کو ایسی جنتوں میں داخل کر دیگا جن

الْاَنْهَارُ خَالِدِيْنَ فِيْهَا ط	کے نیچے نہریں جاری ہوں گی وہ ہمیشہ ہمیشہ ان میں
وَذَالِکَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ o	رہیں گے؛ ااور یہ بڑی کامیابی ہے اور جو شخص اللہ اور
وَمَنْ يَّعْصِ اللهَ وَرَسُوْلَهُ	اس کے رسول ؐ کا کہنا نہ مانیگا اور اللہ کی حدود
وَيَتَعَدَّحُدُوْدَهُ يُدْخِلْهُ	(ضابطوں) سے نکل جائیگا اللہ اس کو آگ میں داخل
نَارًاخَالِدًا فِيْهَاص وَلَهُ	کریگا جس میں وہ ہمیشہ رہیگا اور اس کو ذلت والا
عَذَابٌ مُّهِيْنٌ o	عذاب ہوگا (سورہ نساء)

علم میراث کی اہمیت :-

شریعت میں تقسیم ترکہ کے اس خداوندی نظام کے علم حاصل کرنے کی بھی بے پناہ اہمیت ہے رسول اللہ ﷺ کے ارشادات پڑھیۓ!

عَنْ عَبْدِ اللهِ ابنِ عمرٍو قالَ	حضرت عبداللہ ابن عمروؓ سے روایت ہے کہ
قَالَ رَسولُ اللهِ ﷺ الْعِلْمُ	رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: علم صرف تین طرح
ثلاثَةٌ ايَةٌ مُحكَمةٌ او سُنَّةٌ	کے ہوتے ہیں (۱) آیت محکمہ (۲) سنت قائمہ
قَائِمَةٌ او فَرِيْضَةٌ عَادِلَةٌ وَمَا	(۳) وراثت کی منصفانہ تقسیم کا علم اور جو اس
كَانَ سوٰى ذَالِکَ فَهُوَ	کے علاوہ ہے سب فضل اور تطوع ہے
فَضْلٌ (رواه ابوداؤد ابن ماجة)	(ابوداوود، ابن ماجہ)

یہاں علم تفسیر اور علم حدیث کے بعد علم میراث کو الگ سے بیان کرنے کی بظاہر ضرورت نہیں تھی، چونکہ تفسیر حدیث میں تو علم میراث بھی داخل تھا لیکن اس کی اہمیت کے پیش نظر فرمایا: ''اس علم کو بطور خاص الگ سے حاصل کرو،، ایک اور ارشاد گرامی ہے

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ	حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ
اللهِ ﷺ تَعَلَّمُوا الْفَرَائِضَ وَ	ﷺ نے فرمایا: تقسیم وراثت کا علم سیکھو اور
عَلِّمُوْهَا فَاِنَّهُ نِصْفُ الْعِلْم	دوسروں کو سکھاؤ اس لئے کہ یہ نصف علم ہے۔

وَهُوَ يُنسٰى وَهُوَ اَوَّلُ شَيءٍ يُنزَعُ مِنْ اُمَّتِي
اور یہ بھلایا جاسکتا ہے اور یہ وہ پہلی چیز ہے جو میری امت سے اُٹھالی جائے گی۔
(رواه ابن ماجة والدارقطني) (ابن ماجہ، دارقطنی)

پہلے حصہ کتاب العلم میں یہ حدیث درج ہوچکی ہے کہ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: علم سیکھواور لوگوں کوسکھاؤ! خاص طور سے تقسیم وراثت کاعلم سیکھواور لوگوں کوسکھاؤ قرآن کریم سیکھواور لوگوں کواس کی تعلیم دواس لئے کہ میں یقیناً قبض کیا جاؤں گا اور عنقریب علم کم ہوجائیگا پھر فتنے ظاہر ہوں گے یعنی جہالت کا دوردورہ ہوگا یہاں تک کہ دوآدمی کسی فرض یعنی وراثت کے مسئلہ کے بارے میں جھگڑا کریں گے مگر وہ کسی ایسے عالم کو نہ پائیں گے جوان کے درمیان صحیح شرعی فیصلہ کراسکے، (دارمی، دارقطنی)

ترکہ میں کیا کیا چیزیں ہیں؟

ترکہ ووراثت سے متعلق مذکورہ چارحقوق کی تفصیل جاننے سے پہلے یہ معلوم ہوجانا ضروری ہے کہ ترکہ کس کو کہتے ہیں اور ترکہ میں کیا کیا چیزیں آتی ہیں تو ہروہ چیز جومتوفی کی ملکیت میں ہوخواہ وہ جائداد غیرمنقولہ مثلا مکان یا کسی قسم کی زمین ہو یا جائداد منقولہ مثلاً روپیہ چاندی زیورات اوراس کی ملکیت والا گھر کا تمام سامان یہاں تک کہ وہ کپڑے جن میں اس کا انتقال ہوا ہو وغیرہ سب چیزیں متوفی کا ترکہ میراث یا وراثت کہلاتی ہیں اوراس کی ہرایک چھوٹی بڑی چیز کواللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے طریقہ کے مطابق وارثوں میں تقسیم کرنا ضروری ہے حتی کہ فقہائے کرام نے لکھا ہے کہ اگر متوفی کی جیب میں کوئی الائچی اتفاق سے پڑی رہ گئی ہوتو جائز نہیں کہ تمام حقداروں کی اجازت کے بغیر کوئی شخص اس کواُٹھا کر منہ میں ڈال لے لیکن اگر متوفی کے پاس کچھ ایسی چیزیں ہوں جن کا وہ مالک نہ ہومثلاً اس نے کسی سے کچھ استعمال کیلئے مانگ کرلے رکھا ہو یااس کے پاس کسی نے امانت چھوڑی ہو، یااس نے کسی کی کوئی چیز زبردستی دبارکھی ہو، یا خیانت کرکے کسی چیز کواپنے قبضے میں رکھ رکھا ہو، یااس کے پاس چوری کا مال ہو، وغیرہ تو یہ تمام اشیاء ترکہ میں شمار نہ ہونگی بلکہ اصل وارثوں کو واپس کرنا ضروری ہے، متوفی نے کسی سے کوئی چیزخریدی مگر نہ اس کی قیمت ادا کی، نہ اس پر قبضہ

کیا، گویا محض بات ہوئی تو یہ بھی ترکہ میں شمار نہ ہوگی، ہاں اگر خرید کر قبضہ تو کر لیا تھا لیکن ابھی قیمت ادا نہیں ہوئی تھی گویا ادھار خریدی ہوئی تھی تو یہ ترکہ میں شمار کی جائیگی اور اس شخص کا قرض ترکہ سے ادا کیا جائیگا، ایسے ہی اگر متوفی نے کوئی چیز کسی کو حالت صحت میں ہدیۃً وتحفۃً دیدی پھر اس آدمی نے اس کو اپنے قبضہ میں بھی لے لیا تو یہ بھی ترکہ میں شمار نہ ہوگی، بلکہ یہ اس آدمی کی ہوگی البتہ اگر اس نے کسی کو کوئی چیز مرض الموت میں دی (یعنی اس بیماری میں جس میں اس کا انتقال ہوگیا) تو یہ چیز اس آدمی کی شمار نہ ہوگی بلکہ ترکہ میں داخل رہے گی اور اس آدمی کے حق میں اس کو وصیت سمجھا جائیگا جو قرض کی ادائگی کے بعد ۳/۱ (تہائی) میں سے پوری کی جائگی نیز اگر کسی نے اولاد میں سے کسی کے لئے کچھ روپیہ زیور وغیرہ خاص کر دیا ہو کہ یہ اس کی شادی یا کسی خاص موقع پر خرچ کیا جائیگا یا شادی پر بطور جہیز بیٹی کو دوں گا تو یہ مال بھی ترکہ میں شمار ہو کر وراثت کے ساتھ تقسیم ہوگا اور جس کے لئے مختص کیا ہو اس کا شمار نہ ہوگا لیکن اگر متوفی نے کوئی رقم یا سامان اپنی زندگی میں کسی بیٹا بیٹی کو بالکل دیدیا ہو اور ان کو اس کا مالک بنا دیا ہو تو اب یہ اس کا شمار ہوگا ترکہ میں داخل نہ ہوگا۔

اگر متوفی نے زندگی میں ہی کسی کو کچھ قرض دیا ہو یا کسی کے پاس کچھ امانت رکھی ہو تو وہ ترکہ میں داخل ہے، اور وصول کر کے باقی وراثت کے ساتھ تقسیم ہوگا۔

ترکہ سے متعلق چار حقوق

اب وراثت وترکہ کے متعلق چاروں حقوق کی تفصیل دیکھئے!

۱: تجہیز وتکفین کے مصارف:-

میت کے ترکہ (یعنی اس نے جو کچھ بھی چھوڑا ہو) اس سے سب سے پہلے اس کی تجہیز وتکفین کا انتظام کیا جائگا، جس میں سنت کے مطابق کفن خریدنا اگر ضرورت پیش آجائے تو قبر کی جگہ خریدنا، قبر کھودنے کی اُجرت دینا، قبر بند کرنے کیلئے سلیپر یا تختے خریدنا، اگر کسی شہر میں مجبوراً میت قبرستان تک پہنچانے کیلئے اُجرت دینی پڑے تو وہ دینا یہ سب کچھ تجہیز وتکفین کے اخراجات میں داخل ہیں لیکن یہ تمام اخرجات شریعت کی حدود کے اندر ہی ہونا بھی ضروری ہیں، اگر کوئی شخص اپنی مرضی سے شرعی حدود سے تجاوز کرتے ہوئے تجہیز وتکفین میں فضول خرچی سے کام لے تو اُس کو اس فضول خرچی

کا تاوان ادا کرنا ہوگا، مثلاً کوئی شخص کفن کیلئے بہت زیادہ قیمتی کپڑا خرید لے، یا کفن سے زائد شریعت کی حدود سے تجاوز کرتے ہوئے رسم ورواج والے کپڑے کفن کے ساتھ ''ترکہ،، میں سے خرید لے جیسے بعض جگہ کفن کے ساتھ جائے نماز اور ایک بڑی چادر خریدنے کا رواج ہے، تو وارثوں میں سے جو بھی شخص ایسا کریگا وہ اس کا ذمہ دار ہوگا، پھر اگر ورثاء میں سے کوئی اس کا مطالبہ کرے، یا کوئی نابالغ ہو یا کوئی غیر حاضر ہو تو زائد خرچ کرنے والے سے یہ رقم بطور تاوان لیکر ترکہ میں داخل کی جائیگی اور ترکہ کے ساتھ ورثاء میں تقسیم ہوگی۔

اگر کوئی دوسرا تجہیز و تکفین کا خرچ دیدے تو:-

اگر میت کا کوئی دوست یا رشتہ دار دفن کا تمام خرچہ اپنے ذمہ لے لے تو یہ ورثاء کی مرضی ہے کہ وہ اس کی اس پیش کش کو قبول کریں یا نہ کریں تاہم اگر اس سے یہ خرچ لے لیا گیا تو پھر ترکہ میں سے یہ خرچ نہیں نکالا جائیگا اور ترکہ سے وابستہ اب صرف تین حقوق (قرض، وصیت، تقسیم وراثت) رہ جائیں گے۔

بیوی کی تجہیز و تکفین کا خرچہ:-

بیوی کے کفن دفن کا انتظام اور اس کا خرچ اس کے شوہر کے ذمہ ہے اگر شوہر زندہ ہو تو تجہیز و تکفین کا انتظام وہی کریگا اور اس کا صرفہ بیوی کے ''ترکہ،، میں سے نہیں لیا جائیگا، اگر متوفی نے کچھ ترکہ چھوڑا ہی نہ ہو تو اس کی تجہیز و تکفین اس کے اعزہ کریں گے جیسا کہ کفن کے بیان میں گذر گیا ہے۔

ترکہ میں سے صدقہ:-

میت کے ایصال ثواب کیلئے صدقہ کرنا، خاصطور سے صدقہ جاریہ کرنا، جیسے کوئی مسافر خانہ تعمیر کرنا، کنواں کھدوا دینا، مسجد تعمیر کرنا، کوئی دینی درسگاہ تعمیر کروا دینا، یا کسی دینی درسگاہ میں ایک آدھ کمرہ بنوا دینا، کوئی دینی کتاب چھپوا کر تقسیم کرا دینا، یا کوئی بھی ایسا کار خیر کرنا جس کا نفع جاری ہو تو یہ حدیث سے ثابت شدہ امر ہے، اس پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے جیسا کہ اس کا تفصیلی ذکر ہو چکا؛ لیکن اس کے لئے ضروری ہے کہ کوئی شخص یہ ایصال ثواب اپنی ذاتی ملکیت والے مال حلال میں سے

کرے اور نمود و ریا کیلئے نہ ہو، اگر یہ ایصال ثواب میت کے ترکہ میں سے کریں، تو یہ شرط ہے کہ تمام وارث بالغ ہوں، موجود ہوں، اور سب متفقہ رائے سے بخوشی یہ صدقہ کریں، اگر وارثوں میں سے ایک شخص بھی نابالغ ہو، یا راضی نہ ہو، یا موجود نہ ہو تو یہ صدقہ صدقہ شمار نہ ہوگا اور ایسا صدقہ کرنے والے سے اس رقم کا تاوان لیا جائیگا، فقہاء کرام نے یہاں تک لکھا ہے کہ اگر کسی شخص کا انتقال ہو جائے اور اس کے چھوٹے چھوٹے قابل رحم یتیم بچے رہ گئے ہوں، تو میت کی بیوہ یعنی ان بچوں کی ماں کیلئے جائز نہیں ہے کہ وہ اس کی جائداد کو آنے والوں کی مہمانی وضیافت میں اڑادے، بلکہ اس کے لئے تو یہ بھی جائز نہیں کہ وہ اپنے مرحوم شوہر کے کپڑے بچوں کے بالغ ہونے سے پہلے خیرات کرے، اس لئے کہ مرحوم کا مال (ترکہ) تو مشترک مال ہے، جس میں سے بچوں کے بعد بیوہ کا تو صرف آٹھواں حصہ ہی ہے؛ ہاں اگر بیوہ اپنی ذاتی ملکیت والے مال میں سے اپنے مرحوم شوہر کیلئے کچھ ایصال ثواب کرے تو بہت خوب!

بعض جگہ میت کے ساتھ کچھ غلہ وغیرہ قبرستان لے جا کر خیرات کرنے کا رواج ہے، اگر یہ خیرات میت کے ترکہ میں سے ہو تو اس کا ناجائز ہونا تو ظاہر ہے ہی بلکہ اگر کوئی شخص اپنی ملکیت میں سے کرے تب بھی یہ نہ سنت حبیب خدا ﷺ سے ثابت ہے اور نہ ہی فقہاء میں سے کوئی اس کا قائل ہے، چونکہ یہ ایک بھونڈا طریقہ ہے جس کو خیرات کرنا ہو وہ اپنے گھر میں چپکے سے کرے۔

ب: قرض کی ادائیگی: -

تجہیز و تکفین اور تدفین کے بعد وراثت کی تقسیم سے پہلے میت کے ترکہ سے وابستہ دوسرا ضروری حق قرض کی ادئیگی ہے، اگر میت کے ذمہ کوئی قرض ہو، یا اس نے بیوی کا مہر ابھی ادا نہ کیا ہو، یا مہر کا کچھ حصہ باقی ہو تو کفن دفن کے بعد سب سے پہلے اس کا یہ قرض ادا کیا جائیگا، واضح رہے کہ مرحوم کی اہلیہ کو مہر تو بطور ادائیگی قرض ملیگا کہ وہ میت کے ذمہ واجب تھا، اس کے علاوہ جب وراثت تقسیم ہوگی تو اس میں سے اس کو اپنی میراث کا الگ حصہ ملیگا وہ مہر ادا کرنے سے ختم نہ ہوگا۔

قرض کی قسمیں اور ان کے احکام: -

قرض کی دو قسمیں ہیں (۱) وہ قرض جو اس نے صحت اور تندرستی کی حالت میں لیا ہو، یا کسی سے کوئی چیز ادھار خریدی ہو، اور بحالت صحت و تندرستی اس نے اس قرض کو بیان کیا ہو، یا عام لوگو کو کسی طرح

بھی علم ہو کہ اس کے ذمہ یہ قرض ہے، (۲) وہ قرض جس کا اس نے اس بیماری میں اقرار کیا جس بیماری میں اس کا انتقال ہو گیا اور لوگوں کو بھی اس بیماری سے پہلے اس قرض کا کچھ علم نہ ہو ان دونوں قسم کے قرضوں کا حکم علاحدہ علاحدہ ہے کفن دفن کے بعد متوفی کے قرض کی نوعیت دیکھیں گے، اگر ترکہ کافی ہو تو پھر جس طرح کے بھی قرض ہوں وہ سب ادا کریں اور اگر قرضہ زیادہ ہو اور ترکہ اس کے لئے کافی نہ ہو تو پھر دیکھیں اگر اس پر دونوں طرح کا قرض ہو تو پہلے قسم اول کا وہ قرض ادا کریں جو مرض الموت سے پہلے ثابت شدہ ہو پھر اگر کچھ ترکہ بچ جائے تو دوسری قسم کا جتنا قرض ادا ہو سکے وہ کریں اگر پہلی قسم کا قرض ادا کرنے کے بعد کچھ ترکہ نہ بچے، یا پہلی قسم کا قرض ہی مکمل ادا نہ ہو سکے اور ترکہ ختم ہو جائے تو باقی قرضے کا ادا کرنا وارثوں پر لازم نہیں ہے اگر وہ اپنی طرف سے ادا کر دیں گے تو ثواب کے مستحق ہوں گے اور میت کی بھی خلاصی ہو جائیگی اور اگر کوئی ادا نہ کرے تو آخرت میں میت پر بوجھ رہے گا؛

اگر متوفی نے کئی آدمیوں کا قرض دینا ہو اور ترکہ اتنا کم ہو کہ سب کا قرض اس سے ادا نہ ہو سکتا ہو تو جتنا ترکہ بھی موجود ہو گا تمام قرض خواہان اس میں سے اپنے قرض کے حساب سے حصہ پائیں گے فرض کیجئیے ایک آدمی کی تجہیز و تکفین کے بعد کل ترکہ سو روپے رہا اور ایک آدمی کا سو روپے اور دو آمیوں کا پچاس پچاس روپے قرض دینا ہو تو سو والے کو پچاس روپے اور پچاس والوں کو پچیس پچیس روپے مل جائیں گے۔ یاد رکھئے! مہر قرض کی پہلی قسم میں سے ہے، لہذا اس کو پہلے ادا کرنا چاہئے۔

دینی قرضوں کی ادائیگی

اگر متوفی کے ذمہ اللہ تعالیٰ کے قرضوں میں سے کوئی حق باقی ہو مثلاً اس پر کچھ زکوٰۃ یا صدقہ فطر واجب تھا اور اس نے ادا نہیں کیا، یا اس پر حج فرض تھا اور اس نے ادا نہیں کیا یا کچھ نمازیں یا کچھ روزے چھوٹ گئے تھے جو وہ ادا نہ کر پایا تھا، اور ان کا فدیہ واجب تھا تو کیا ان دینی قرضوں کو بھی ترکہ میں سے قرض کے ساتھ ساتھ ادا کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ اس بارے میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے احناف کا مسلک یہ ہے کہ متوفی سے یہ قرض ترکہ سے ساقط ہو گئے، اب ان قرضوں کا ترکہ سے ادا کرنا فرض نہیں ہے ہاں! اگر وارث اپنی طرف سے یا ترکہ میں سے سب کی مرضی سے ادا کریں گے تو ثواب کے مستحق ہوں گے اور انشاءَ اللہ متوفی کو بھی فائدہ پہنچے گا اور اگر کوئی ادا نہ

کرے تو قرض بھی نہیں ہے، اور اگر متوفی نے ان قرضوں کو ادا کرنے کی وصیت کی ہو، یہ کہا ہو کہ میرا حج رہ گیا ہے میری طرف سے کسی کو حج بدل کروا دینا یا اتنی زکوٰۃ رہ گئی ہے یا صدقہ فطر باقی ہے اس کو ادا کر دینا یا میری اتنی نمازیں چھوٹ گئی ہیں یا مرض الوفات میں اتنے روزے رہ گئے ہیں ان کا فدیہ میری طرف سے ادا کر دینا تو یہ وصیت ہوگی جو وصیت کے ضابطہ کے مطابق ایک تہائی ۳/۱ میں جاری ہوگی۔

لیکن دوسرے فقہاء کرام کے نزدیک یہ قرض بھی دوسرے قرضوں کی طرح ضروری ہے، وراثت تقسیم کرنے سے پہلے بندوں کے قرضوں کی ساتھ ساتھ زکوٰۃ وغیرہ کے قرض کی ادائیگی بھی ضروری ہے

؛ واللہ اعلم بالصواب

ج: وصیت کی تعمیل:-

تجہیز و تکفین اور میت کے ذمہ کا قرض ادا کرنے کے بعد ترکہ سے وابستہ تیسرا حق یہ ہے کہ متوفی نے اگر کوئی وصیت کی ہو تو اس کے ترکہ کے ایک تہائی ۳/۱ میں سے اس وصیت کی تعمیل کی جائے اور وصیت یہ ہے کہ متوفی کہے کہ میرے مال میں سے فلاں شخص کو اتنا دے دینا، یا فلاں کار خیر میں اتنا خرچ کر دینا، یا میری نماز روزوں کا فدیہ ادا کرنا، یا میرے ذمہ اتنی زکوٰۃ رہ گئی ہے وہ ادا کرنا وغیرہ۔

وصیت کی حیثیت:-

ابتدائے اسلام میں متوفی پر فرض تھا کہ وہ اپنے ترکہ میں سے اپنے والدین اور دوسرے عزیز و اقارب کے لئے وصیت کر جائے کہ کس کو کتنا حصہ ملے گا چونکہ اسلام سے پہلے دورے جہالت کی برائیوں میں سے ایک ظلم یہ تھا کہ متوفی کے مال میں سے بوڑھے مردوں، عورتوں اور یتیم بچوں اور بیواؤں کو کچھ نہیں دیا جاتا تھا ترکہ صرف ان جوان بیٹوں کا یا بھائیوں کا حق سمجھا جاتا تھا جو لڑنے بھڑنے کے کام آسکیں اور یہ خیال اس قدر راسخ ہو چکا تھا کہ جب اللہ تعالیٰ نے وراثت کے احکام نازل فرمائے اور ان میں بیوہ عورتوں، بوڑھے ماں باپ اور یتیم بچوں کا حصہ بھی بیان فرمایا تو بہت سے لوگوں کو انتہائی تعجب ہوا کہ ان کو وراثت میں سے حصہ دیا جا رہا ہے، جو قوم کے دفاع میں کچھ کام نہیں آتے ہیں!

اسلام نے اس ظلم کو اس طرح مٹایا کہ پہلے پہلے متوفی پر ہی یہ ذمہ داری رکھی کہ وہ مرتے وقت مال میں سے والدین اور دوسرے ورثاء کے لئے وصیت کردے؛ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ	جب موت کا وقت قریب ہو جائے تو تم پر فرض کیا
اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ	گیا ہے کہ اگر تم نے کچھ مال چھوڑا ہے تو اپنے
خَيْرَنِ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ	والدین اور دوسرے رشتیداروں کے لئے معقول
وَالْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ	طریقہ پر وصیت کر جاؤ یہ ضروری ہے متقیوں پر
حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَo	(سورہ بقرہ)

لیکن جب اسلام کی حقانیت لوگوں کے دلوں میں جم گئی تو اللہ تعالیٰ نے ۴ھ یا ۵ھ میں وراثت کی تقسیم کا ایک تفصیلی قانون وضابطہ سورۃ النساء میں نازل فرمادیا، اور وصیت کی فرضیت بھی ختم ہوگئی البتہ اس کا مستحب ہونا باقی رہا، اور یہ قانون بھی بنا کہ وصیت ان رشتیداروں کیلئے درست نہیں جن کو "تقسیم وراثت"، کے اس قانون کے تحت وراثت ملیگی اور وراثت سے محروم لوگوں کیلئے یا کارِ خیر کیلئے بھی وصیت اپنے کل ترکہ میں سے زیادہ سے زیادہ ایک تہائی ۳/۱ مال میں کی جاسکتی ہے، اس سے زیادہ جائز نہیں ہے۔

لین دین کے متعلق وصیت کی تاکید:-

عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ	حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول
رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَا حَقُّ	اللہ ﷺ نے فرمایا: کسی مسلمان کے لئے لائق نہیں
اِمْرِءٍ مُسْلِمٍ لَهٗ شَئٌ	ہے کہ اس کے پاس وصیت کے لائق کوئی چیز ہو پھر
يُوْصِيْ فِيْهِ يَبِيْتُ لَيْلَتَيْنِ	اس پر دو راتیں اس حال میں گذر جائیں کہ اس کی
اِلَّا وَوَصِيَّتُهٗ مَكْتُوْبَةٌ عِنْدَهٗ	وصیت اس کے پاس لکھی ہوئی موجود نہ ہو
(رواہ البخاری مسلم)	(بخاری مسلم)

حدیث مذکورہ کے راوی حضرت عبداللہ ابن عمرؓ فرماتے ہیں:

مَـامَـرَّتْ عَـلَـیَّ لَیْلَةٌ مُنْذُ سَـمِـعْتُ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ قَـالَ ذَالِکَ اِلَّاوَعِـنْـدِیْ وَصِیَّتِیْ (رواہ مسلم)	جب سے میں نے یہ حدیث رسول اللہ ﷺ سے سنی ہے تب سے مجھ پر ایک رات ایسی نہیں گذری کہ میرے پاس میری وصیت موجود نہ تھی ۔ (مسلم شریف)

اس طرح کی روایات کی بناء پر فقہاء کرام کا اتفاق ہے کہ اگر کسی کے ذمہ کچھ لین دین ہو مثلاً اس کے ذمہ کسی کا قرض ہو، یا اس کے پاس کسی نے کچھ امانت رکھا ہوا ہو، یا اس کا کسی پر قرض ہو، یا اس کی کوئی چیز کسی کے پاس امانت ہو تو اس پر فرض ہے کہ وہ تحریری طور پر یا زبانی وارثوں کو وصیت کر جائے ،اور اگر اس کے ذمہ حقوق اللہ میں سے کوئی حق ہو، مثلاً زکوۃ ادا کرنی باقی ہو، صدقہ فطر دینا باقی ہو، یا حج فرض تھا مگر نہیں کر سکا، یا بیماری میں کچھ نمازیں چھوٹ گئی ہوں یا روزے رہ گئے ہوں اور ان کا فدیہ دینا ہو، تو ان تمام حقوق کی ادائیگی کیلئے پسماندگان کو وصیت کرنا بھی ضروری ہے؛

نیز زندگی کا چونکہ بھروسہ نہیں ہے نہ معلوم کب موت آجائے اس لئے حدیث بالا کی روشنی میں جن جن امور کی وصیت کرنا ہو ان تمام کو لکھکر ہر وقت اپنے پاس رکھنا چاہیے پھر اس میں سے اگر کسی چیز میں حذف یا اضافہ یا اور کوئی ترمیم کرنا مطلوب ہو تو اس کو موقع بموقع لکھتا رہے۔

وارث کیلئے وصیت نہیں ہے:-

جیسا کہ ذکر ہوا وصیت کئی طرح سے ہو سکتی ہے ایک تو یہ کہ آپ کسی صدقہ خیرات کیلئے وصیت کر دیں ،لیکن اگر آپ کسی خاص شخص کو دینے کی وصیت کرنا چاہیں تو پہلے یہ دیکھ لیں کہ اس شخص کو شرعی قانون کے مطابق وراثت میں سے حصہ ملیگا کہ نہیں ،جس کو وراثت میں سے حصہ مل رہا ہو اس کیلئے اس حصہ کے علاوہ مزید کچھ دینے کی وصیت کرنا جائز نہیں ہے؛ اپنے رشتیداروں میں سے وصیت در اصل ان رشتہ داروں کیلئے مشروع ہوئی ہے جن کو شریعت کے ضابطہ کے مطابق اس ترکہ میں سے کچھ وراثت کا حصہ نہ مل رہا ہو مثلاً کسی کے یتیم پوتا پوتی ہوں ،جن کو چچا کی موجود میں وراثت نہیں ملتی ، یا کوئی بیوہ بھاوج ہو، یا غریب بھائی ہو جن کو وراثت میں سے حصہ ملنے والا نہ ہو، ایسے لوگوں کیلئے کچھ وصیت کرنی چاہیئے ؛ اور جن لوگوں کو خدائی قانون کے مطابق وراثت کا حصہ مل رہا ہے ان کے لئے

وصیت کی ضرورت ہی نہیں ہے؛ رسول اللہ ﷺ کا مبارک ارشاد ہے:

عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ یَقُوْلُ فِیْ خُطْبَتِہ عَامَ حَجَّةَ الْوَدَاعِ اِنَّ اللّٰہَ قَدْ اَعْطٰی کُلَّ ذِی حَقَّہٗ فَلَا وَصِیَّةَ لِوَارِثٍ. (رواہ ابو داؤد وابن ماجة والترمذی)

حضرت ابو اُمامہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کو حجۃ الوداع کے خطبہ میں یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک حق والے کو اس کا حق دیدیا ہے، پس اب میراث میں سے حصہ پانے والے کیلئے وصیت کرنا جائز نہیں ہے۔ (ابوداؤد، ابن ماجہ، ترمذی)

اس پر تمام اُمت کا اتفاق ہے لیکن اگر کوئی شخص مخصوص حالات میں میراث میں سے حصہ پانے والے کسی فرد کیلئے کچھ وصیت کردے کہ اس کو اپنے میراث والے حصہ سے مزید اتنا اور دینا تو اب ورثاء کو اختیار ہے اگر باقی وارث راضی ہوں کسی کو اعتراض نہ ہو تو یہ وصیت درست ہے؛ رحمت عالم ﷺ کا راشاد گرامی دیکھئے!

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ ابْنِ عباسٍ عَنِ النبی ﷺ قَالَ لاَ تجوْزُ وَصیةٌ لِورثٍ اِلَّا اَنْ یّشَأ اَلْورثَةُ (رواہ الدارقطنی)

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وارث کیلئے وصیت جائز نہیں ہے، لیکن اگر دوسرے وارث راضی ہوں تو جائز ہے (دارقطنی)

وصیت صرف ایک تہائی ۱/۳ مال میں:-

اس پر بھی امت کا اجماع ہے کہ وصیت صرف ایک تہائی مال میں ہی جائز ہے، یعنی کفن دفن اور قرض کی ادائیگی کے بعد متوفی کے مال کے تین حصے کئے جائیں گے، دو حصے تو وارثوں کیلئے مختص ہوں گے ایک حصہ میں سے وصیت پوری کی اجائیگی، اور اگر وصیت زیادہ مال کی کررکھی ہو جو تہائی میں سے پوری نہ ہوسکے تو صرف ایک تہائی میں ہی وصیت جاری ہوگی لیکن اگر تمام وارث (۱) موجود ہوں (۲) عاقل (۳) بالغ ہوں (۴) اور اپنی مرضی سے تہائی مال سے زیادہ وصیت میں خرچ کرنا چاہیں تو جائز ہے، یا میراث تقسیم ہونے کے بعد کوئی وارث اپنے حصہ میں سے باقی ماندہ وصیت پوری کرنا چاہے تو

کر سکتا ہے، البتہ یہ یاد رہے، کہ میراث کے تمام معاملات میں نابالغ و مجنون کی اجازت کا کوئی اعتبار نہیں ہے، اب اس سلسلہ کا رحمت عالم ﷺ کا پاک ارشاد پڑھئے!

عَنْ سعدِ ابنِ ابی وَقّاصٍ مرضتُ عامَ الْفتحِ مرَضًا اَشفیتُ علی الموتِ فَاتانی رسولُ اللہ ﷺ یَعُودُ نی فَقُلْتُ یاَ رَسُو لُ اللہ ان لی مالًا کَثیرًا ولیسَ یَرَثنی اِلّا ابنتی اَفَاوُصیُ بمالی کُله قال لا قُلْتُ فثُلثی مالی قَالَ لا قُلْتُ فَالشطر قالَ لا قلت فا لثلث قال الثلُثُ وَالثلث کثیرا،انک ان تذر ورثتک اغنیاءَ خیرٌ من ان تذر هم عالةً یتکففو ن الناس واِنّک لن تُنفق نفقة تبتغی بها وجه اللهِ الاّ اُجرتَ بها حتی اللقمة ترفعها الی فی امرئتک. (رواه البخاری ومسلم)

حضرت سعد ابن ابی وقاص ؓ فرماتے ہیں، کہ میں فتح مکہ کے سال شدید بیمار ہوگیا، یہاں تک کہ قریب موت ہوگیا، حضور ﷺ میری عیادت کیلئے تشریف لائے میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میرا مال کافی زیادہ ہے اور سوائے میری بیٹی کے میرا کوئی وارث نہیں ہے، تو کیا میں اپنے سارے مال کے خیرات کردینے کی وصیت کردوں آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں، میں نے عرض کیا: تو دوتہائی مال کی؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں، میں نے عرض کیا تو ایک تہائی مال کی آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں! ایک تہائی کی، اور ایک تہائی بھی بہت زیادہ ہے؛ پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

اور تمہارے لئے یقیناً یہ بہتر ہے کہ تم اپنے وارثوں کو مالدار چھوڑو، اس بات سے کہ تم ان کو اس حال میں چھوڑو کہ وہ لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلاتے پھریں اور تم جو خرچ بھی اللہ کی رضا کیلئے کروگے تمہیں اس کا اجر ملیگا یہاں تک کہ اس لقمہ کا بھی جو تم اپنے بیوی کو کھلاؤ[۱] (مشکوٰۃ شریف بحوالہ بخاری مسلم)

---

۱ یاد رہے حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ اس واقعہ کے بعد بہت عرصہ تک زندہ رہے ان کا انتقال ۵۴ھ میں ہوا۔

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں ''کاش کہ لوگ وصیت کے معاملہ میں چوتھائی ۱/۴ سے زیادہ نہ بڑھتے ،، اس لئے کہ آپ ﷺ نے ایک تہائی کی اجازت تو دی لیکن ساتھ ہی فرمایا کہ ایک تہائی بھی زیادہ ہے (بخاری شریف) البتہ علماء کرام فرماتے ہیں اگر ایک تہائی سے زیادہ وصیت کرنے میں کسی وارث کے حق میں نقصان نہ ہوتا ہو تو پھر ایک تہائی ۱/۳ سے زیادہ کی وصیت کرنا بھی جائز ہے، مثلاً کسی خاتون کا انتقال ہوگیا اور شوہر کے علاوہ اس کا کوئی بھی وارث نہ ہو تو اس کے لئے جائز ہے وہ شوہر کے حصہ ۱/۲ نصف کے علاوہ باقی نصف کے لئے یہ وصیت کردے کہ یہ فلاں کار خیر میں لگا دیں وغیرہ (شامی)

کئی وصیتوں کی تعمیل کی صورت:-

(۱) اگر متوفی نے صرف ایک ہی آدمی کیلئے وصیت کی اور وہ وصیت تہائی مال کے اندر اندر ہے تو پھر کفن دفن کے بعد دیکھیں اگر میت کے ذمہ کوئی قرض ہو تو وہ ادا کریں اس کے بعد اس کی وصیت کی تعمیل کردیں مثلاً کسی نے دس ہزار روپے کسی رشتیدار کو دینے کی وصیت کی یا راہ خدا میں صدقہ کرنے کی وصیت کی تو اگر اس کی وراثت میں لاکھوں کی وراثت ہے تو پھر یہ وصیت فوراً پوری کردی جائے لیکن اگر وصیت ایک تہائی سے زیادہ ہے مثلاً اس نے دس ہزار روپے خیرات کرنے کی وصیت کی اور قرض کی ادائیگی کے بعد اس کے ترکہ میں صرف تین ہزار روپے بچتے ہیں، تو اب ایک ہزار روپے خیرات کئے جائیں گے اور باقی وارثوں میں تقسیم ہوں گے۔

(۱) اگر متوفی نے کئی چیزوں کی وصیت کی ہو مثلاً (الف) میری اتنی زکوٰۃ رہ گئی ہے یہ ادا کرنا (ب) میری اتنی نمازیں چھوٹ گئی ہیں یا اتنے روزے رہ گئے ہیں ان کا فدیہ دینا (ج) میری طرف سے فلاں شخص کو اتنے روپے بطور خیرات دینا (د) فلاں کارِ خیر میں اتنا خرچہ کرنا وغیرہ؛ تو اگر ایک تہائی ترکہ کے اندر یہ وصیتیں پوری ہوسکیں گی تو سب کی تعمیل کی جائے گی اور ایک تہائی میں سب ادا نہ ہوسکتی ہوں تو پھر پہلے وہ ادا کی جائے گی جو زیادہ ضروری ہو پھر وہ جو اس سے کم ضروری ہو، مثلاً مذکورہ شکل میں پہلے زکوٰۃ ادا کی جائے گی نماز وروزہ کا فدیہ ادا کیا جائیگا، پھر اگر ۱/۳ میں کچھ رقم بچ گئی ہو تو اس سے صدقہ فطر ادا کیا جائے گا چونکہ وہ واجب ہے اس کے بعد اگر کچھ رقم بچ جائے گی تو وہ شخص مذکورہ کو دی جائے گی۔

(۳) اگر کئی وصیتیں ایک ہی قسم کی ہوں تو سب کو ایک تہائی میں سے تقسیم کر کے برابر برابر دیا جائے گا، مثلاً متوفی نے دو تین پوتوں کیلئے وصیت کی ہو جو کہ میراث سے محروم ہوں کہ ان کو دس دس ہزار روپے دیدینا ایسی صورت میں اگر ایک تہائی ترکہ کل پندرہ سو روپے ہوں تو ہر ایک کو پانچ پانچ سو روپے دیدئے جائیں گے۔

(۴) اگر کئی دینی کاموں میں خرچ کرنے کیلئے وصیت کی مثلاً یہ کہا کہ میری طرف سے فلاں مسجد میں ہزار روپے اور فلاں مدرسہ میں ہزار روپے دینا؛ اس صورت میں اگر تہائی میں سے تمام وصیت پوری ہو سکے تو بہت خوب! ورنہ وہ وصیت پوری کی جائے گی جو سب سے پہلے کی ہو، اور جو وصیتیں اس کے بعد کی ہوں وہ باطل ہو جائیں گی جیسے مذکورہ شکل میں پہلے مسجد کو دیں گے پھر اگر کچھ بچا تو مدرسہ کو دیں گے ورنہ نہیں؛

ناجائز امور کی وصیت:-

کسی بھی ایسے کام کی وصیت کرنا جائز نہیں ہے جس کا جائز ہونا قرآن وحدیث سے واضح طور پر معلوم نہ ہو؛ اگر کوئی مرنے والا غلطی سے کسی ناجائز کام کی وصیت کر بھی دے تو اس کی تعمیل کرنا جائز نہیں ہے؛

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ص وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ص	**اور تقوٰی اور نیکی کے کاموں میں ایک دوسرے کی معاونت کرو لیکن گناہ اور زیادتی میں ایک دوسرے کی معاونت مت کرو۔ (المائدہ)**

لہٰذا اگر کوئی ناجائز کام کی وصیت کر جائے مثلاً میری طرف سے ایک سینما ہال تعمیر کرانا یا فلاں فحاشی کے کام میں اتنا صرف کرنا، یا میری قبر پختہ بنانا، یا قبر پر گنبد بنانا، یا میری تعزیت کیلئے آنیوالوں کی خوب دھوم دھام سے دعوت کرنا، یا میرے ترکہ میں سے اجرت دیکر کسی کو قرآن پڑھنے کیلئے میری قبر پر بٹھانا وغیرہ تو اس طرح کی تمام وصیتیں باطل ہیں اگر کوئی ان کی تعمیل کرے گا تو گنہگار ہوگا؛ رہا ایسی وصیت کرنے والا وہ تو گنہگار رہے ہی!

مباح امور کی وصیت :-

اگر متوفی کسی ایسے کام کی وصیت کرے جسکا تعلق ترکہ یعنی اس کی چھوڑی ہوئی جائداد سے نہ ہو، اور وہ کام جائز ہوتو اس کا پورا کرنا وارثوں کیلئے ضروری تو نہیں ہے البتہ اگر کوئی مانع ورکاوٹ نہ ہوتو ایسی وصیت پوری کر دینے میں کچھ حرج نہیں مثلاً یہ وصیت کی کہ میری قبر قبرستان میں فلاں جگہ کھودنا، یا میری نماز جنازہ فلاں شخص پڑھائے یا فلاں شخص مجھے غسل دے تو ان وصیتوں کی تعمیل میں کوئی رکاوٹ نہ ہوتو ان کی تعمیل کر دینی چاہیئے۔

وارثوں کو نقصان پہنچانے کی غرض سے وصیت :-

کوئی ایسی وصیت کرنا جس کا مقصد ثواب کے بجائے وارثوں کو نقصان پہنچانا ہو کہ ان کو کم حصہ ملے، یہ مفت میں اپنی آخرت خراب کرنے ولی بات ہے بعض صورتوں میں تو ایسی وصیت نافذ ہی نہیں ہوتی، اور بعض میں نافذ تو ہوجاتی ہے مگر وصیت کرنے والا سخت گنہگار رہوتا ہے؛ وصیت کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی دیکھئے!

مِنْ م بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصٰى بِهَا اَوْ دَيْنٍ غَيْرَ مُضَآ رٍّ (النساء)

میراث کی تقسیم وصیت کی تعمیل اور قرض کی ادیئگی کے بعد ہوگی بشرطیکہ اس وصیت و قرض سے وارثوں کو نقصان پہنچانا مقصود نہ ہو

اور ایسی وصیت کے متعلق رسول پاک ﷺ کا ارشاد ہے:

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ ان الرجل لَيَعْمَلُ وَالْمَرْءَةَ بِطَاعَةِ اللهِ سِتِّيْنَ سَنَةً ثُمَّ يَحْضُرُهُمَا الْمَوْتُ فَيُضَالّاَنِ فِیْ الْوَصِيَّةِ فَتَبُ لَهُمَاالنَّارُ (رواه الترمذی وابو داؤدوابن ماجة)

حضرت ابو ہریرۃؓ سے روایت ہے کہ رسول پاک ﷺ نے فرمایا:: کتنے مرد عورت ایسے ہیں کہ ساٹھ سال تک (عمر بھر) اللہ کی عبادت وطاعت میں گذارتے ہیں پھر جب موت کا وقت قریب ہوتا ہے تو کے وصیت کے ذریعہ وارثوں کو نقصان پہنچاتے ہیں جس کی وجہ سے جہنم کے مستحق ہوجاتے ہیں

(ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

ایک تہائی سے زیادہ وصیت کرنا بھی وارثوں کو نقصان پہنچانے میں داخل ہے اور غیر مستحق کو وصیت کرنا بھی باعث گناہ ہے، مثلاً کسی کے یتیم محتاج پوتے موجود ہوں جو بیٹوں کی وجہ سے وراثت سے محروم ہوتے ہوں پھر وہ ان کے لئے وصیت تو نہ کرے اور کسی دوسرے کارِ خیر کیلئے وصیت کر دے۔

مرض الموت میں صدقہ وصیت ہے:-

انسان کی وہ آخری بیماری جس میں اس کی موت واقع ہوجائے ''مرض الوفات یا مرض الموت،، کہلاتی ہے، اس بیماری میں اگر کوئی کہے کہ میری طرف سے اتنا مال راہ خدا میں خیرات ہے، یا یہ کہ میری طرف سے اتنا مال فلاں آدمی کو دیدو، یا میں نے فلاں چیز فلاں آدمی کو تحفہ میں دیدی، تو اس کا حکم صدقہ، خیرات یا تحفہ کا نہیں ہوتا بلکہ وصیت کا ہوتا ہے لہٰذا کفن دفن اور قرضوں کی ادئیگی کے بعد وصیت کے قانون کے مطابق ایک تہائی مال میں ہی اس کی یہ خواہش جاری ہوگی، چونکہ اس میں وارثوں کا نقصان ہوتا ہے جس سے منع کیا گیا ہے اور اللہ کے نزدیک پسندیدہ صدقہ وخیرات وہی ہے جو آدمی تندرستی وصحت میں کرے، حدیث میں ہے:

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ قَالَ رَجُـلُ لِـلـنبـی ﷺ اَیُّ الـصَـدَقَةِاَفْـضَـلُ قَـالَ اَنْ تَـصَـدَّ قَ وانْــتَ صَحِیْحٌ حَـرِیْـصٌ تَـأْ مَـلُ الْغِنـیٰ وَتَخْشَی الْفَقْرَ وَلَا تُمْهِلُ حَتّٰـی اِذَا بَـلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ قُـلْـتَ لِفُلاَنٍ کَذا او لِفُلاَ نٍ کَذا وَقَدْ کَانَ لَفُلاَنٍ (رواہ البخاری)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا کہ یارسول اللہ! افضل صدقہ کونسا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اس وقت کا جب تم تندرست وتوانا ہو، تمہیں مال اکٹھا کرنے کی حرص ولالچ ہو، امیری کی خواہش اور غریبی کا ڈر ہو، اور تم صدقہ کرنے میں اتنی دیر نہ کرو، یہاں تک کہ جب موت حلق میں آپہنچے پھر تم کہو فلاں کیلئے اتنا، فلاں کیلئے اتنا، (اب اس کا کیا فائدہ) جبکہ وہ تو خود ہی فلاں فلاں کا ہو چکا۔ (بخاری)

اسی ضمن میں علماء کرام فرماتے ہیں کہ بیوی کیلئے درست نہیں کہ وہ مرض الوفات میں رشتیداروں کی اجازت کے بغیر شوہر کو مہر معاف کردے چونکہ اس کا فائدہ محض شوہر ہی کو ہوگا۔

وصیت کے متفرق مسائل:۔

(۱) وصیت کرنے والا جب چاہے اپنی وصیت سے رجوع کرسکتا ہے، مثلاً کسی کارخیر کی وصیت کی پھر کچھ دنوں بعد اپنی بات واپس لے لی تو اب وصیت ختم ہوگئی، اور اگر زبان سے تو رجوع نہیں کیا لیکن ایسا طرز عمل اختیار کیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے وصیت سے رجوع کرلیا ہے تو بھی وصیت ختم ہوگئی، مثلاً ایک تھان کپڑا الگ کرکے وصیت کی کہ میرے مرنے کے بعد اس کو خیرات کردینا لیکن پھر بعد میں اس کو پھاڑ کر اس میں سے اپنے کپڑے بنوالئے تو وصیت ختم ہوگئی، یا کسی زمین کی وصیت کی پھر خود ہی اس میں کاشت شروع کردی تو وصیت کالعدم ہوگئی، ہاں اگر دوبارہ وصیت کی تجدید کردے گا تو وصیت ہوجائیگی۔

(۲) اگر کوئی مرتے وقت وصیت کرے کہ میری اتنی نمازیں چھوٹ گئیں ہیں، یا اتنے روزے رہ گئے ہیں یہ میری طرف سے ادا کردینا، تو یہ وصیت باطل ہے چونکہ دوسرے کی طرف سے نماز پڑھنا یا روزہ رکھنا درست نہیں ہاں نماز وروزہ کیلئے فدیہ دینے کی وصیت کی جاسکتی ہے، اور ایک نماز یا ایک روزہ کا فدیہ ایک سیر ساڑھے بارہ چھٹا نک گندم ہے، احتیاطاً دو کلو گندم یا اس کی قیمت ادا کردیں تو بہتر ہے یعنی وتر سمیت دن رات کی چھ نمازوں کا فدیہ احتیاطاً بارہ کلو گندم یا اس کی قیمت ادا کریں۔

(۳) اگر کسی کی کچھ نمازیں چھوٹ گئی تھیں، پھر اس نے ان کے فدیہ کی وصیت بھی نہیں کی تو اب وارثوں کو یہ فدیہ دینا ضروری تو ہے نہیں، لیکن وہ سب اپنی مرضی سے ان کا فدیہ ادا کردیں تو قبولیت کی امید ہے، بسا اوقات ورثاء فضولیات بلکہ خرافات میں تو خوب اُڑاتے ہیں، مگر متوفی کی نمازوں یا روزوں کا کبھی سوچتے تک نہیں۔

(۴) اگر کسی کے ذمہ حج فرض تھا مگر وہ نہ کرسکا پھر مرتے وقت حج بدل کی وصیت کی، لیکن ایک تہائی مال اتنا نہیں ہے جس سے حج بدل کیا جاسکے تو اس کی ایک آسان شکل یہ ہے کہ ایسے آدمی سے حج بدل کروایا جائے جو عرب میں ہی مقیم ہو، تاکہ کم خرچ میں حج ہوجائے۔

پسماندگان کو نیک کاموں کی وصیت:-

اگر کوئی نیک بخت اپنے پسماندگان کو نیک کاموں کی وصیت کر جائے تو بڑی خوش نصیبی کی بات ہے ،اگر اس کے عزیز و اقارب یا دوست احباب اس کی وصیت کے مطابق نیک عمل کرتے رہیں گے تو اس کو بھی وصیت و تاکید کرنے کا ثواب ملتا رہیگا ،رسول اللہ ﷺ نے اجتماعی طور پر تمام اُمت کو بھی وصیت فرمائی ہے اور انفرادی طور پر صحابہ کرام کو خاص خاص کاموں کی وصیت بھی فرمائی ہے ،نمونے کے طور پر دو حدیثیں یہاں نقل کیجاتی ہیں۔

عَنِ الْعِرْبَاضِ ابْنِ سَارِيَةَؓ قَالَ صَلّٰى بِنَا رَسُوْلُ اللهِ ﷺ ذَاتَ يَوْمٍ ثُمَّ اَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِه فَوَعَظَنَا مَوْعَظَةً بَلِيْغَةً وَذَرَفَتْ مِنْهَا الْعُيُوْنُ وَجِلَتْ مِنْهَا الْقُلُوْبُ فَقَالَ رَجُلٌ يَارُسُوْلَ اللهِ كَاَنَّ هٰذِه مَوْعَظَةُ مُوَدِّعٍ فَاَوْصِنَا فَقَالَ اُوْصِيْكُمْ بِتَقْوَاللهِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَاِنْ كَانَ عَبْدًا حَبْشِيًّا فَاِنَّهُ مَنْ يَّعِيْشُ مِنْكُمْ بَعْدِى فَسَيَرٰى اِخْتِلَافًا كَثِيْرًا فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِىْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمُهْتَدِيْنَ تَمَسَّكُوْا بِهَا وَعَضُّوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ وَاِيَّاكُم

حضرت عرباض ابن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن ہمیں نماز پڑھائی پھر ہماری طرف متوجہ ہو کر ہمیں ایسا پر اثر وعظ فرمایا کہ اس سے آنکھوں میں آنسوں اُتر آ ئیا ور دل دہل گئے ،ایک صاحب نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ یہ نصیحت تو گویا رخصت ہونے والے کی نصیحت ہے ،لہٰذا آپ ﷺ ہمیں کچھ وصیت فرمائیں آپ ﷺ نے فرمایا میں تمہیں اللہ سے ڈرتے رہنے اور امیر کی اطاعت کرنے کی وصیت کرتا ہوں اگر چہ تم پر حبشی غلام ہی ہو جو شخص تم میں سےمیرے بعد زندہ رہا تو وہ بہت اختلافات دیکھے گا پس تم اپنے اوپر میری سنت و میرا طریقہ اور خلفائے راشدین کی سنت لازم کرلو،اور اس کو مضبوطی سے پکڑے رکھو تم نئی نکالی ہوئی باتوں سے بچو!

وَمُحْدَثَاتِ الْاُمُورِ فَاِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ

رواہ احمد وابوداؤد، والترمذی، وابن ماجة)

بیشک دین میں نکالی ہوئی ہرنئی بات بدعت ہے اور یقیناً بدعت گمراہی ہے۔

(مسند احمد، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ)

عَنْ اَبِی ذَرٍّ قَالَ قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ یا اَبَا ذَرٍّ اِنِّیْ اَرَاکَ ضَعِیْفًا وَاِنِّی اُحِبُّ لِنَفْسِیْ فَلاَ تَاَمَّرَنَّ عَلَی اثْنَیْنِ وَلَا تُوَلِّیَنَّ مَالَ الْیَتِیْمِ

(رواہ ابوداؤد)

حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:- اے ابوذرؓ! میں تم کو کمزور وضعیف دیکھتا ہوں اور میں تمہارے لئے وہی پسند کرتا ہوں جو اپنے لئے پسند کرتا ہوں (اور میں تمہیں وصیت کرتا ہوں) کہ تم دو آدمیوں کا بھی حاکم نہ بننا اور کسی یتیم کے مال کا ولی ذمہ دار نہ بننا ایسا نہ ہو کہ تم احتیاط نہ کرسکو۔

(ابوداؤد)

د: تقسیم وراثت

احکام وراثت کن احوال میں نازل ہوئے؟

عَنْ جَابِرٍؓ ابن عبد الله قَالَ خَرَجْنَامع رَسولِ الله ﷺ حَتّٰی جِئْنَا اِمْرَأَةً مِنَ الْاَنْصَارِ فِی الْاَسْوَافِ فَجَائَتِ الْمَرْئَةُ بِابْنَتَیْنِ لَهَا فَقَالَتْ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ!

حضرت جابر ابن عبداللہؓ فرماتے ہیں کہ ایک روز ہم حضور ﷺ کے ساتھ باہر نکلے اتنے میں ہمارا گذر اسواف میں ایک انصاری عورت پر ہوا وہ عورت اپنی دولڑکیوں کو لے کر حضور ﷺ کی خدمت میں آئی اور عرض کیا: یارسول اللہ ! ﷺ یہ دونوں لڑکیاں (میرے شوہر) ثابت

هَاتَانِ بِنْتَا ثَابِتُ ابْنِ قَيْسٍ رضی اللہ عنہ قُتِلَ مَعَكَ يَوْمَ اُحُدٍ وَقَدْ اسْتَفَا عَمُّهُمَا مَالَهُمَا وَمِيْرَاثَهُمَا كُلَّهُ وَلَمْ يَدَعْ مَالًا اِلا اَخَذَهُ فَمَا تَرٰى يَارَسُوْلَ اللهِ ! فَوَاللهِ لَاتُنْكَحَانِ اَبَدًا اِلا وَلَهُمَا مَالٌ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ يَقْضِى اللهُ فِىْ ذَالِكَ وَقَالَ نَزَلَتْ سُوْرَةُ النِّسَاءِ يُوْصِيْكُمُ اللهُ فِىْ اَوْلَادِ كُمْ ...... الاية فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اُدْعُوْلِىْ الْمَرْئَةَ وَصَاحِبَهَا فَقَالَ لِعَمِّهِمَا اَعْطِهِمَا الثُّلُثَيْنِ وَاَعْطِ اُمَّهُمَا الثُّمَنَ وَمَابَقِىَ فَلَكَ	بن قیسؓ کی ہیں جو آپ ﷺ کے ہمراہ غزوہ اُحد میں شہید ہوگئے ان لڑکیوں کا چچا ان کے پورے مال اور ساری میراث پر قابض ہوگیا ہے ، ان کیلئے کچھ باقی نہیں چھوڑا ہے اس معاملہ میں آپ ﷺ کیا فرماتے ہیں؟ قسم بخدا اگر ان کے پاس کچھ مال نہیں ہوگا تو کوئی شخص ان کو نکاح میں رکھنے کیلئے تیار نہ ہوگا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : اللہ تمہارے حق میں خود فیصلہ فرمائے گا ؛ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں پھر سورہ نساء کی آیتیں یُوْصِیْکُمُ اللهُ فِىْ اَوْلَادِ کُمْ آخر تک نازل ہوئیں ؛ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس عورت کو اور لڑکیوں کے مال پر قبضہ کرنے والے اس کے دیور کو بلاؤ! جب وہ آگئے تو آپ ﷺ نے لڑکیوں کے چچا سے فرمایا: لڑکیوں کو کل مال میں سے دو تہائی دیدو ، اور ان کی ماں کو آٹھواں حصہ دیدو اور جو باقی بچ جائے وہ تم رکھلو۔
(رواه ابوداؤد والترمذى)	(ابوداؤد ، ترمذی)

حدیث کی کتابوں میں بالکل اسی نوعیت کا ایک دوسرا واقعہ حضرت سعد ابن ربیعؓ کی بیٹیوں اور ان کی بیوی کا بیان کیا گیا ہے اور امام ابوداؤدؒ فرماتے ہیں کہ در حقیقت یہ واقعہ حضرت سعدؓ کی بیٹیوں ہی کا ہے حضرت ثابت ابن قیسؓ کی طرف اس کی نسبت کسی راوی کی غلطی سے ہوگئی ہے ، واللہ اعلم ۔

بہرحال اسی طرح کی یتیم و بے سہارا بچیوں پر ہمارے پروردگار نے رحم فرما کر میراث کا قانون

نازل فرمایا۔ وللہ الحمد

اب قرآن کریم کی اسی ترتیب کے اعتبار سے قانون میراث اور وارثوں کے حصے بیان کئے جاتے ہیں، قرآن کریم نے سب سے پہلے اولاد کا حصہ بیان فرمایا ہے۔

اولاد کا حصہ:-

يُوصِيكُمُ اللهُ فِي	اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے تمہاری اولاد کے (میراث
اَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ	پانے کے) سلسلہ میں (وہ یہ کہ) لڑکے کا حصہ
حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ج فَاِنْ	دولڑکیوں کے برابر ہے، اور اگر صرف لڑکیاں ہی
كُنَّ نِسَاءً ا فَوْقَ اثْنَتَيْنِ	ہوں گو (دو ہوں) یا دو سے زیادہ ہوں تو ان کیلئے دو
فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَاتَرَكَ ج	تہائی ہے اس مال کا جو متوفی نے چھوڑا اور اگر ایک
وَ اِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً	ہی لڑکی ہو تو اس کو کل مال کا نصف ملیگا (سورہ
فَلَهَا النِّصْفُ ہ	نساء)

بیٹوں کا حصہ:-

شریعت نے بیٹوں کا حصہ متعین کر کے بیان نہیں کیا ہے کہ ان کو چھٹا یا تہائی وغیرہ ملیگا، بلکہ ایک عام اصول بیان کیا ہے، کہ اگر لڑکے کے ساتھ لڑکی بھی ہو تو لڑکے کو لڑکی سے دوگنا ملیگا اور اگر صرف لڑکا ہو تو ظاہر ہے بقیہ وارثوں کو دیکر باقی سارا ترکہ لڑکے کو مل جائے گا اور اگر لڑکے ایک کے بجائے زیادہ ہوں تو وہ آپس میں برابر برابر تقسیم کریں گے،

لیکن یہ اصول ہمیشہ یاد رکھئے کہ بیٹے بیٹیوں کو دینے سے پہلے ان رشتیدار وارثوں کو ان کا حصہ دینا ضروری ہے جن کا حصہ متعین کر کے شریعت نے بیان کیا ہے، مثلاً ماں باپ بیوی یا شوہر وغیرہ ان کو دینے کے بعد اگر صرف بیٹے ہوں تو باقی ترکہ ان میں برابر تقسیم کر دیں اور اگر بچیاں بھی ہوں تو لڑکوں کو لڑکی سے دوگنا دیں۔

مثال:-

فرض کیجئے! ایک متوفی کے چار بیٹے اور چار بیٹیاں ہیں اور ان کے علاوہ ماں، باپ، بیوی کوئی رشتیدار نہیں تو کل ترکہ کے بارہ حصہ کر کے دو دو بیٹوں کو اور ایک ایک بیٹیوں کو دیدیں۔

بیٹیوں کا حصہ:-

وراثت پانے کے اعتبار سے بیٹیوں کی تین حالتیں ہیں (۱) اگر بیٹیوں کے ساتھ کوئی بیٹا بھی ہو تو بیٹی کو بیٹے سے آدھا ملیگا جیسا کہ بیان ہوا (۲) اگر متوفی کا کوئی لڑکا نہ ہو صرف لڑکی ہو تو اب اگر لڑکی ایک ہی ہو تو اس کو کل ترکہ (یعنی متوفی کے تمام مال) میں سے نصف ملیگا اور باقی دوسرے وارثوں کو مل جائے گا؛ مثلاً ایک شخص نے بیوی ماں، باپ کے علاوہ ایک بیٹی چھوڑی تو کل ترکہ میں سے آدھا بیٹی کو مل جائے گا اور باقی دوسرے ورثاء کو (۳) اگر متوفی کا بیٹا کوئی نہ ہو لیکن بیٹیاں ایک سے زائد ہوں دو ہوں یا دو سے زیادہ، تین، چار پانچ وغیرہ ہوں تو کل ترکہ میں سے بیٹیوں کو دو تہائی ۲/۳ ملیگا اور باقی دوسرے وارثوں کو اور دو تہائی کو ان میں برابر تقسیم کر دیں گے، مثلاً ایک شخص نے بیوی، ماں باپ اور دو بیٹیاں چھوڑیں تو کل مال کے تین حصے کر کے دو حصے دونوں لڑکیوں کو (یعنی ایک ایک حصہ) مل جائے گا، اور باقی ایک تہائی حصہ دوسرے وارثوں کو مل جائے گا۔

لڑکیوں کو حصہ دینے کی اہمیت:-

اللہ تعالیٰ کے نزدیک لڑکیوں کے حصے کی کس قدر اہمیت ہے اس کا اندازہ کرنے کیلئے ایک مرتبہ پھر قرآن کریم کے الفاظ پر غور فرمائے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے برابر ہے، حالانکہ یوں بھی کہا جا سکتا تھا کہ لڑکی کو لڑکے سے آدھا ملیگا لیکن لڑکیوں کی میراث کی اہمیت کے پیش نظر میراث میں ان کو اصل قرار دیا پھر فرمایا کہ لڑکوں کو دو لڑکیوں کے برابر ملیگا؛ اور کیوں نہیں! جبکہ آپ دیکھ چکے ہیں تقسیم میراث کا شان نزول ہی لڑکیوں کا حصہ بیان کرنا تھا؛ سبحان اللہ! اسلام نے حقوق نسواں کو کس قدر تحفظ فراہم کیا ہے بلکہ سچ پوچھئے تو اسلام نے ہی عورت کو اس کا جائز حق دیا ہے جو لوگ ماں باپ کی جائداد میں سے بہنوں کو ان کا ''وراثت کا حصہ،، نہیں دیتے وہ ان آیات پر غور فرمالیں اس صریح حکم قرآن کو ٹھکرا کر وہ کیونکر مسلمان رہ سکتے ہیں؟ اور اگر بہنوں میں

سے کوئی نابالغ بھی ہوتو دوہرا گناہ! ایک بہن کو میراث نہ دینے کا دوسرا یتیم کا مال ہڑپ کرجانے کا!

اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِىْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا (النساء)

بیشک جولوگ ظلماً یتیموں کا مال کھاتے ہیں وہ بلاشبہ اپنے پیٹوں میں آگ بھر رہے ہیں (سورہ نساء)

ایسے لوگ کتنے ہی متقی پرہیزگار کیوں نہ کہلائیں مگران کا ایمان یقیناً خطرے میں ہے بہنیں بھی عموماً ماں باپ کے انتقال پر شرما شرمی بھائیوں سے وراثت کا مطالبہ نہیں کرتی ہیں سمجھدار بہنوں کو چاہیئے کہ وہ اللہ کا عطا کردہ حق وصول کریں تاکہ یہ مثال بنیں یہ محض جہالت ہے کہ لوگ طعنہ دیں گے کہ بھائیوں سے حق مانگتی ہے! کیوں؟ جب بھائی آپس میں میراث تقسیم کرکے اپنا اپنا حصہ لیتے ہیں ان کو کوئی بُرا نہیں کہتا ہے، پھر آپ دنیا میں اندر اندر تو جلتی رہیں اور دل سے معاف بھی نہ کریں اور لوگوں کی شرم کی وجہ سے اپنا حق وصول بھی نہ کریں تو قیامت کے دن آپ یہ کیسے برداشت کریں گے کہ آپ کا حصہ ادا نہ کرنے کی وجہ سے آپ کا بھائی آپ کے سامنے آگ میں جلے!؟

لڑکیوں کو جو تحفے تحائف شادی میں یا دوسرے وقتوں میں دئے جاتے ہیں وہ میراث کا بدل نہیں ہوسکتے ہیں چونکہ اگر ان کی شادی والدین نے کرائی ہے تو اس کا میراث سے کوئی تعلق نہیں ہے میراث تو متوفی کے بعد اس مال میں جاری ہوتی ہے جو مرتے وقت اس کی ملکیت میں ہو اور اگر ان کی شادی بھائیوں نے کرائی ہے تب بھی شادی کے تحفے میراث کا بدل نہیں کیونکہ وہ تو ایک متعین حق ہے ہاں! یہ صورت ممکن ہے کہ والد یا والدہ کے انتقال پر میراث تقسیم کرکے بہنوں کو ان کا حصہ دیدیا جائے پھر بوقت شادی جہیز کی رسموں کے بجائے وہ اپنا حصہ ساتھ لے جائیں الغرض مظلوم عورتوں پر ظلم کرنے والوں اور ان کے حصص کو ہضم کرجانے والوں کو اللہ سے ڈرنا چاہیئے کہ یہ حقوق العباد ہیں جو توبہ سے بھی معاف نہیں ہوتے بلکہ ان کا ادا کرنا ہی ضروری ہے ﴿وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ﴾ یقیناً آخرت کا عذاب بہت بڑی چیز ہے۔ (سورہ ن)

کچھ اصطلاحیں:-

قرآن وحدیث میں کچھ وارثوں کا حصہ متعین کرکے بیان کیا گیا ہے، جیسے نصف ۲/۱، تہائی ۳/۱، دو تہائی ۳/۲، چوتھائی ۴/۱، چھٹا ۶/۱، آٹھواں ۸/۱ ایسے لوگوں کو جن کا حصہ متعین ہے علم میراث کی

اصطلاح میں ذوی الفروض کہتے ہیں، جیسے ماں، باپ، بیوی، شوہر وغیرہ اور کچھ وہ وارث ہیں جن کا حصہ متعین کر کے بیان نہیں کیا گیا ہے، بلکہ جن کا حصہ متعین ہے ان کو دینے کے بعد جو ترکہ بچ جاتا ہے وہ ان کو ملتا ہے مثلاً بیٹا، پوتا، پڑپوتا، بھائی، بھتیجہ، چچا وغیرہ ایسے وارثوں کو عصبہ کہتے ہیں اور کچھ عصبہ اور ذوی الفروض دونوں ہوتے ہیں جیسے باپ، دادا کہ ان کا حصہ متعین بھی ہے لیکن اگر بیٹا، پوتا نہ ہو تو متعینہ حصے دینے کے بعد جو بچ جاتا ہے وہ بھی انھیں کو مل جاتا ہے، ان دو قسموں کے علاوہ کچھ وہ دور کے رشتیدار ہیں جن کو تب حصہ ملتا ہے جب قریب کا کوئی بھی وارث موجود نہ ہو مثلاً ماموں، خالہ، پھوپھی وغیرہ ان کو ذوی الارحام کہتے ہیں، اب آئندہ بحث میں آپ غور فرماتے رہیں کہ وہ ورثا کون ہیں جن کا حصہ متعین ہے اور وہ کون ہیں جن کا حصہ متعین نہیں؛ بلکہ باقی ماندہ سارا ترکہ ان کو ملتا ہے، ویسے ہم تسہیل فہم کی خاطر ان اصطلاحات سے صرف نظر کر رہے ہیں۔

پوتے پوتیوں کا حصہ:-

پوتے پوتیوں کا حصہ اولاد کے ہی ضمن میں بیان ہوا ہے، لہٰذا اگر متوفی کا کوئی لڑکا نہ ہو، تو پوتے پوتیوں کی میراث پانے کے اعتبار سے وہی حالتیں ہیں جو لڑکے لڑکی کی بیان ہوئیں؛

(۱) اگر کوئی لڑکا زندہ نہ ہو اور پوتے پوتیاں زندہ ہوں تو پوتے کو پوتیوں سے دوگنا ملیگا۔ تو باقی وارثوں کو دینے کے بعد جو بچے گا اس کے تین حصہ کر کے دو حصہ پوتے کو ایک حصہ پوتی کو دیا جائے گا؛

(۲) اگر متوفی کا کوئی پوتا بھی نہ ہو صرف ایک پوتی زندہ ہو تو اس کو کل ترکہ میں سے آدھا مل جائے گا جیسے ایک بیٹی کو کل ترکہ میں سے آدھا ملتا ہے؛

(۳) اگر پوتا نہ ہو اور پوتیاں ایک سے زیادہ ہوں تو ان کو کل ترکہ میں سے دو تہائی ملیگا، باقی دوسرے وارثوں کو جیسے ایک سے زیادہ بیٹیوں کو دو تہائی ملتا ہے۔

ہدایت:-

اگر متوفی کا کوئی لڑکا زندہ ہو تو پوتے پوتیوں کو کچھ نہیں ملیگا وہ محروم رہیں گے ایسے پوتے پوتیوں کیے لئے متوفی کو چاہے کہ وہ ان کیلئے تہائی مال میں سے کچھ وصیت کر جائے پھر وصیت کے مطابق ان کو ملیگا۔

(۱۲)اگر متوفی کا کوئی بیٹا تو نہ ہولیکن بیٹیاں ہوں تو ان کی وجہ سے پوتے محروم نہ ہوں گے بلکہ بیٹیوں کواور باقی تمام وارثو کودینے کے بعد حسب قاعدہ باقی ترکہ پوتے کوملیگا اوراگر پوتے کے ساتھ پوتی بھی ہوتو پوتے کو پوتی سے دوگنا ملیگا۔

(۳) اگر متوفی کا بیٹا بھی نہ ہو پوتے بھی نہ ہوں البتہ بیٹیاں اور پوتیاں ہوں،تو اگر بیٹیاں دو یا دو سے زیادہ ہوں،تو اب پوتیاں محروم ہو جائینگی لیکن اگر بیٹی صرف ایک ہوتو پوتیوں کو چھٹا حصہ ملیگا وہ ایک ہو یا زیادہ سب چھٹے میں شریک ہونگے مثلا ایک متوفی شخص نے ایک بیٹی اورایک پوتی چھوڑی تو بیٹی کونصف اور پوتی کو چھٹا حصہ دیدیں باقی دوسرے وارثوں کواس مسئلہ کے تعلق سے احادیث میں ایک اہم واقع مذکور ہے وہ یہ ہے کہ حضرت حزیل ابن شرحبیلؓ فرماتے ہیں،ایک مرتبہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے یہ مسئلہ معلوم کیا گیا،کہ ایک شخص کا انتقال ہوا ہے اس کے وارثوں میں ایک بیٹی،ایک بہن،ایک پوتی موجود ہے میراث کیسے تقسیم کریں؟ فرمایا آدھا بیٹی کواور آدھا بہن کومل جائے گا پوتی محروم ہوجائے گی پھر فرمایا یہ مسئلہ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے بھی دریافت کرلو،وہ بھی میری طرح ہی بیان کریں گے چنانچہ لوگوں نے یہ مسئلہ حضرت ابن مسعودؓ سے معلوم کیا اوران کوحضرت ابوموسیٰؓ کا جواب بھی بتایا اس پر حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے افسوس کے ساتھ فرمایا

لَقَدْ ضَلَلْتُ اِذًا وَ مَا اَنَا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ اَقْضِىْ فِيْهَا بِمَا قَضَى النَبِىُ ﷺ لِلْبِنْتِ النِّصْفُ وَلِاِبْنَةِابْنِ السُّدُ سُ تَكْمِلَةً الثُّلُثَيْنِ وَ مَا بَقِىَ فَلِلْاُخْتِ

اگر میں ایسا ہی فیصلہ کروں پھر تو میں گمراہ ہو چکا ہوں اور میں ہدایت یافتہ لوگوں میں سے نہیں ہوں میں اس مسئلہ میں ویسا ہی فیصلہ کروں گا جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے کیا ہے وہ یہ کہ بیٹی کوآدھا پوتی کو چھٹا اب دوتہائی ہوگیا جو باقی بچا ایک تہائی وہ بہن کوملیگا۔

راوی کہتے ہیں کہ پھر ہم نے حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کے جواب سے حضرت ابوموسٰی اشعریؓ کو آگاہ کیا تو انھوں نے (اس کو تسلیم کرتے ہوئے) فرمایا جب تک تمھارے درمیان یہ علم کا سمندر موجود ہے مجھ سے کوئی مسئلہ مت پوچھو،، (بخاری شریف وغیرہ)

ماں باپ کا حصہ:-

وَلِاَبَوَيۡهِ لِكُلِّ وَاحِدٍمِنۡهُمَا	اورمیت کے ماں باپ دونوں میں سے ہر ایک کیلئے
السُّدُ سُ مِمَّاتَرَكَ اِنۡ	ترکہ کا چھٹا حصہ ہے اگر میت کی کوئی اولا د ہوتو، اور
كَا نَ لَهٗ وَلِدٌ فَاِنۡ لَّمۡ يَكُنۡ	اگراس کی کوئی اولا د نہ ہواور ماں باپ ہی وارث ہو
لَّهٗ وَلَدٌ وَوَرِثَهٗ اَبَوَ اهُ فَلَاُ مِّهِ	ں تو اسکی ماں کا ایک تہائی ہے (اور دو تہائی باپ کا)
الثُّلُثُ ، فَاِنۡ كَانَ لَهٗ اِخۡوَ ةٌ	اوراگر متوفی کے کچھ بھائی بھی ہوں تو اسکی ماں کو چھٹا
فَلِاُمِّـهِ السُّدُ سُ مِنۡ بَعۡدِ	ملیگا (باقی باپ کو) یہ تقسیم متوفی کی وصیت کی تعمیل
وَصِيَّةٍ يُوۡ صِیۡ بِهَا اَوۡ دَيۡنٍ	اورقرض کی ادائیگی کے بعد ہوگی۔ (سورہ نسآ)

ماں باپ کے اولا د سے حصہ پانے کی تین حالتیں ہوتی ہیں اور ہر ایک حالت میں کئی شکلیں ہیں تینوں صورتوں کو تفصیل سے دیکھیں؛ (۱) الف: اگر متوفی کا کوئی لڑکا موجود ہوتو ماں باپ کو چھٹا، چھٹا حصہ ملیگا، ب:۔اگر متوفی کا لڑکا کوئی نہ ہوالبتہ لڑکی ہواور ایک ہی ہوتو ماں کوتو چھٹا حصہ ہی ملیگا، مگر باپ کو پہلے چھٹا حصہ ملیگا پھر نصف لڑکی کو دیکر جو بچیگا وہ بھی باپ کو مل جائیگا مثلاً اس نے چھ ہزار روپے چھوڑے تو نصف یعنی تین ہزار لڑکی کو، چھٹا یعنی ایک ہزار ماں کو اور باپ کو بھی چھٹا ایک ہزار ملا، پیچھے بچا ایک ہزار وہ بھی باپ کو مل جائیگا اس طرح باپ کو دو ہزار اور ماں کو ایک ہزار ملا۔ ج:-اگر متوفی کا لڑکا تو نہ ہولیکن لڑکی ایک سے زائد، دو، تین وغیرہ ہوں تو دو تہائی بیٹیوں کو اور چھٹا چھٹا ماں باپ کو مل جائیگا، چونکہ اس صورت میں چھٹے کے بعد مزید باپ کیلئے بچیگا ہی نہیں، مثلاً متوفی کا چھ ہزار روپیہ ترکہ ہے تو اس میں سے دو تہائی یعنی چار ہزار بیٹیوں کو، چھٹا حصہ یعنی ایک ہزار ماں کو اور باقی ایک ہزار یعنی چھٹا حصہ باپ کو مل جائیگا، (۲) الف:-اگر متوفی کی کوئی اولا د نہیں نہ بیٹا، نہ بیٹی، نہ پوتا، نہ پوتی، نہ پڑ پوتا، نہ پڑ پوتی، صرف ماں باپ زندہ ہیں، تو کل ترکہ

کے تین حصے کر کے ایک تہائی ماں کو اور دو تہائی باپ کو یعنی ماں سے دو گنا باپ کو ملیگا، ب:- ایسے ہی اگر متوفی کی کوئی اولاد تو نہ ہو البتہ اس کی بیوی ہو یا متوفی کوئی خاتون ہو اور اسکی اولاد تو زندہ نہ ہو مگر شوہر موجود ہو تو دونوں صورتوں میں پہلے بیوی یا شوہر کا حصہ نکال کر جو ترکہ بچ جائیگا اس میں سے دو حصے باپ کے اور ایک ماں کو ملیگا۔ (۳) الف:- اگر متوفی کی اولاد تو نہیں ہے البتہ اس کے ایک سے زیادہ بہن بھائی ہیں جیسے، ایک بھائی ایک بہن ہو، یا دو بھائی ہوں، یا دو بہنیں ہوں، یا دو سے زیادہ ہوں خواہ وہ حقیقی ہوں یا صرف ماں شریک ہوں یا صرف باپ شریک ہوں بہرصورت اس وقت ماں کا حصہ کم ہو جائیگا اس کو تہائی کے بجائے چھٹا حصہ ملیگا اور باقی کل ترکہ ۵/۶ والد کو مل جائیگا گویا اس صورت میں بھائی بہن کی وجہ سے ماں کا حصہ تو کم ہو گیا مگر بھائی بہن کو بھی کچھ نہیں ملا بلکہ باقی سب والد کو مل گیا، بظاہر یہ وجہ ہوسکتی ہے کہ بچوں کی کفالت باپ کے ذمہ ہوتی ہے واللہ اعلم۔

ب:- اگر اولاد نہ ہو اور بھائی بہنوں میں سے کوئی ایک ہو بھائی ہو، یا بہن، تو اب ماں کا حصہ کم نہ ہوگا بلکہ اس کو تہائی ہی ملیگا جیسے کہ بھائی نہ ہونے کی صورت میں ملتا ہے۔

دادا کی حیثیت اور اس کا حصہ:-

دادا کا حصہ باپ کے ہی ضمن میں بیان کیا گیا ہے چونکہ قرآن کریم نے یہاں اٰباء کا لفظ استعمال کیا ہے جس میں دادا بھی شامل ہے، لہٰذا دادا کی وہی تین حیثیتیں اور حصے ہیں جو باپ کے بیان ہوئے، البتہ باپ کی موجودگی میں دادا محروم رہتا اس کو پوتے کی وراثت میں سے باپ کی زندگی میں کچھ حصہ نہیں ملتا ہے جیسا کہ اگر دادا کا انتقال ہو اور بیٹا موجود ہو تو پوتا محروم رہتا ہے۔

(۱) جب متوفی کا کوئی بیٹا یا پوتا موجود ہو، باپ نہ ہو البتہ دادا ہو تو دادا کو کل ترکہ میں سے چھٹا ملیگا، جیسے کہ باپ کو ملتا ہے،

(۲) اگر متوفی کا بیٹا پوتا تو نہ ہو البتہ بیٹی ہو تو کل ترکہ میں سے پہلے دادا کو چھٹا حصہ ملیگا پھر ان لوگوں کو دیں جنکا حصہ متعین ہے مثلاً بیوی یا شوہر یا بیٹی وغیرہ اس کے بعد جو باقی بچ جائیگا وہ بھی باپ کیطرح دادا کو مل جائیگا،

(۳) اگر متوفی کی اولاد میں سے بیٹا بیٹی کوئی بھی نہ ہو تو جن وارثوں کا حصہ متعین ہے (مثلاً بیوی یا شوہر اور ماں) ان کو دیکر جو باقی بچیگا وہ سب دادا کا ہی ہوگا اگر دادا نہ ہو البتہ پردادا یا نکڑ دادا ہو تو اس کا بھی یہی حکم ہے، جو دادا کا بیان ہوا دادا کے متعلق رسول اللہ ﷺ کا فیصلہ ملاحظہ فرمائیے!

عَنْ عِمْرَانَ ابْنِ حُصَيْنٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلٰى رَسُول الله ﷺ فَقَالَ اِنَّ بُنِىْ مَاتَ فَمَا لِىْ مِنْ مِيْرَاثِه قَالَ لَکَ السُّدُسُ

حضرت عمران ابن حصین ؓ فرماتے ہیں کہ ایک صاحب نے دربار رسالت ﷺ میں حاضر ہوکر عرض کیا: میرے پوتے کا انتقال ہوگیا ہے تو اس کی میراث میں میرا کتنا حصہ ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تمہارے لئے چھٹا حصہ ہے (ابوداؤد، ترمذی)

(رواہ ابوداؤد والترمذی)

چونکہ متوفی کا والد موجود نہیں تھا، بس اس کی اولاد اور دادا موجود تھے اس لئے دادا کیلئے چھٹا حصہ کا فیصلہ ہوا۔

دادی اور نانی کا حصہ:-

دادی اور نانی کو میراث میں تب حصہ ملتا ہے جب متوفی کے والدین زندہ موجود نہ ہوں اور اگر متوفی کی ماں موجود ہو تو پھر دادی، نانی دونوں میراث سے محروم ہوجائیں گی، اور اگر متوفی کی والدہ تو موجود نہ ہو مگر والد زندہ ہو پھر دادی تو باپ کی وجہ سے محروم ہوجائیگی تاہم نانی کو ماں کے نہ ہونے کی وجہ سے حصہ ملیگا اور ماں باپ دونوں زندہ ہوں تو دادی نانی دونوں محروم ہوجائیں گی؛

بہرحال جب والدین نہ ہوں اور دادی یا نانی زندہ ہوں تو ان کو کل ترکہ میں سے چھٹا ۱/۶ حصہ ملیگا، اگر دونوں ہوں گی تو دونوں کو یہی چھٹا حصہ ملیگا جو ان میں برابر برابر تقسیم کردیا جائے گا، اور یہ بھی یاد رکھنے کا نکتہ ہے کہ نانی، دادی کا حصہ چھٹے سے کم یا زیادہ نہیں ہوتا، یعنی جس طرح اولاد نہ ہونے کی شکل میں ماں کو ایک تہائی ملتا تھا نانی اور دادی کو اس صورت میں بھی چھٹا ہی ملے گا۔ فرض کیجئے! ایک شخص

کے انتقال پر والدین تو نہیں ہیں البتہ دادا، دادی، نانی اور اس کا ایک بیٹا ہے، اور اس کا کل ترکہ چھ ہزار روپے ہیں تو چھٹا حصہ یعنی ایک ہزار دادا کو، اور چھٹا یعنی ایک ہزار میں سے دادی نانی کو پانچ پانچ سو مل جائیں گے؛ باقی چار ہزار لڑکے کو ملیں گے؛ حدیث پاک میں ہے:

عن قبیصة ابن ذُویبٍ قال جائتِ الجدة الی ابی بکر تسئله میراثها فقال لها مالکِ فی کتاب الله شیء ومالک فی سنة رسول الله ﷺ شیئفارجعی حتی اسئل الناسَ فسئل فقال المغیرة ابن شعبة حضرت رسول الله ﷺ اعطاها السدس فقال ابوبکر هل معک غیرک فقال محمدٌ ابن مسلمة مثل ماقال المغیرة فانفذه لها ابوبکر ثم جاء ت الجدة الاخری الی عمر تسئله میراثها فقال هو ذالک السدس فان اجتمعتما فهو بینکما وایتکما خلت به فهو لها

رواه المالک واحمدوالترمذی وبوداؤد وابن ماجة

حضرت قبیصہ ابن ذویبؓ فرماتے ہیں ایک نانی حضرت ابوبکرؓ کے پاس آئیں اور اپنے متوفی نواسے کی وراثت میں سے حصہ مانگنے لگیں، حضرت ابوبکرؓ نے ان سے فرمایا: اللہ کی کتاب میں تمہاری (یعنی نانی کی) میراث کا کوئی ذکر نہیں ہے، اور نہ ہی حدیث رسول ﷺ میں نانی کیلئے کچھ حصہ بیان ہوا ہے لہٰذا اس وقت تم جاؤ! یہاں تک کہ میں صحابۂ کرام سے یہ مسئلہ دریافت کرلوں؛ پھر انھوں نے معلوم کیا تو حضرت مغیرہ ابن شعبہؓ نے فرمایا: میں رسول اللہ ﷺ کی مجلس مبارکہ میں حاضر تھا آپ ﷺ نے نانی کو چھٹا حصہ دیا تھا حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا: تمہارے ساتھ کوئی اور بھی ہے، تو حضرت محمد ابن مسلمہؓ نے وہی بات کہی جو حضرت مغیرہ ابن شعبہؓ نے فرمائی تھی تب حضرت ابوبکرؓ نے نانی کیلئے یہ حکم جاری فرمایا پھر انھیں متوفی کی دادی حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں ان کے پاس آئیں اور اپنا میراث کا حصہ مانگنے لگیں تو حضرت عمرؓ نے فرمایا: وہی چھٹا حصہ ہے اگر تم دو نانی دادی جمع ہو تب یہی چھٹا حصہ ۱/۶ دونوں میں مشترک ہوگا اور جو اکیلی ہوگی تو چھٹا حصہ اسی کو ملیگا؛

(مؤطا امام مالکؒ، مسند احمد، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

ایک دوسری روایت میں ہے کہ خود حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس ہی نانی اور دادی دونوں بیک وقت آئیں تھیں تو انھوں نے ان دونوں کیلئے چھٹے حصہ کا فیصلہ فرمایا، جوان کے درمیان برابر برابر تقسیم کیا گیا، (مؤطا امام مالک)

یاد رہے! یہ وہ نانی اور دادی تھیں جن کی موجودگی میں ماں باپ میں سے کوئی نہیں تھا ان کی موجودگی میں نانی، دادی یقیناً محروم ہوتی ہیں۔

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں: رسول اللہ نے ایک صاحب کے انتقال پر جن کے وارثوں میں سے صرف دادی اور ایک بیٹا موجود تھا دادی کو چھٹا حصہ دیا تھا اور باقی تمام ترکہ بیٹے کو دیدیا تھا، (ترمذی ،دارمی ملخصا) اور حضرت بریدہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے نانی کیلئے چھٹے حصے کا فیصلہ فرمایا تھا جبکہ متوفی کی ماں موجود نہیں تھی (ابوداؤد) چونکہ ماں کی موجودگی نانی محروم ہوتی ہے۔

نوٹ:۔ ہم نے یہاں پر نانی و دادی کی وراثت کا مسئلہ بہت مختصر کر کے لکھ دیا ہے؛ لیکن یہ مسئلہ کافی طویل ہے اس لئے کہ شریعت میں نانی صرف ماں کی ماں کو ہی نہیں کہا جاتا ہے بلکہ (۱) ماں کی ماں (۲) ماں کی نانی (۳) نانی کی نانی، یہ سب نانی ہی کہلاتی ہیں، ایسے دادی صرف باپ کی ماں ہی کو نہیں کہا جاتا بلکہ (۱) باپ کی ماں (۲) دادا کی ماں یہ سب دادی ہی کہلاتی ہیں اور ان سب کو کبھی حصہ ملتا ہے، مگر اس میں تفصیل ہے اس لئے جب کبھی کئی نانی و دادی کا مسئلہ پیش آجائے تو خود کوئی فیصلہ نہ کریں بلکہ کسی عالمِ ماہرِ علم میراث سے دریافت کرلیں۔

تقسیم میراث میں رائے زنی کا اختیار نہیں:۔

وراثت کی تقسیم میں آدمی کی رائے کی کیا حیثیت ہے؟ اس کا اندازہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے کیجئے! اللہ تعالیٰ والدین اور اولاد کا حصہ بیان فرمانے کے بعد ارشاد فرماتا ہے:

اٰبَــآءُ كُــمْ وَاَبْـنَــآءُ كُــمْ لَاتَـدْرُوْنَ اَيُّهُـمْ اَقْـرَبُ لَكُمْ نَـفْعًاo فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ كَــانَ عَــلِيْــمًـا حَكِيْمًاo (النساء)	تمہارے آباء (واجداد) اور تمہارے بیٹے تم نہیں جانتے کہ ان میں سے تمہارے لئے نفع مند ہونے کے لحاظ سے کون زیادہ قریب ہے، یہ اللہ کا مقرر کردہ حصہ ہے وہ علم والا حکمت والا ہے (النساء)

یعنی اگر اللہ تعالیٰ میراث کی تقسیم کو خود بیان نہ کرتا اور تمہاری رائے پر چھوڑ دیتا، تُم اپنی میراث کا حقدار اسے بتاتے جس سے زیادہ نفع کی اُمید ہوتی، مگر تم کو تو معلوم ہی نہیں کہ تمہارے لئے کون زیادہ نفع مند ہے اور اللہ کو چونکہ معلوم ہے اور وہ علم وحکمت والا ہے اس لئے اس نے تقسیم میراث کو تمہاری رائے پر نہیں چھوڑا بلکہ اپنے علم وحکمت کے لحاظ سے میراث کے یہ حصے خود مقرر فرمادئے ہیں ،اوراب تمہیں اس میں رائے زنی کی گنجائش نہیں ہے۔

شوہر کا حصہ:-

وَلَکُمْ نِصْفُ مَاتَرَکَ اَزْوَاجُکُمْ اِنْ لَّمْ یَکُنْ لَّھُنَّ وَلَدٌ ہ فَاِنْ کَانَ لَھُنَّ وَلَدٌ فَلَکُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَکْنَ مِنْ بَعْدِ وَصِیَّۃٍ یُوْصِیْنَ بِھَا اَوْ دَیْنٍ ہ (النساء)

اور تمہاری بیویوں نے جو کچھ چھوڑا ہو اس کا آدھا تمہارے لئے ہے،اگر ان کی کوئی اولاد نہ ہو، اور اگر ان کی کوئی اولاد ہو تو ان کے کل ترکہ میں سے تمہارے لئے چوتھائی حصہ ہے،ان کی وصیت کی تعمیل کے بعد اور ان کے قرض کی ادائیگی کے بعد (نساء)

یعنی اگر بیوی کا انتقال ہو جائے تو اس کے ترکہ میں سے شوہر کے حصہ پانے کی دوشکلیں ہیں:

(۱) اگر متوفیہ کی کوئی اولاد نہیں ہے تو اس کے کل ترکہ میں سے آدھا شوہر کو مل جائے گا، اور باقی دوسرے وارثوں مثلاً ماں باپ یا بھائی بہن وغیرہ کو ملیگا۔

(۲) اگر متوفیہ کی کوئی اولاد ہو بیٹا ہو یا بیٹی، ایک ہو یا ایک سے زیادہ ہوں، اسی شوہر سے ہوں یا اس سے پہلے کسی اور شوہر سے ہوں جو مر چکا ہو یا طلاق دے چکا ہو، بہر حال اس شکل میں بیوی کے ترکہ میں سے شوہر کو چوتھائی ۱/۴ ملے گا، اور باقی دوسرے وارثوں کو بیٹا، بیٹی، ماں، باپ وغیرہ کو مل جائے گا۔

فرض کیجئے! فاطمہ کا انتقال ہوا اور اس کے پس ماندگان میں شوہر کے علاوہ ایک لڑکا ایک لڑکی ہیں اور اس کا کل ترکہ صرف چار ہزار روپے ہیں، تو ایک چوتھائی یعنی ایک ہزار روپے شوہر کو ملیں گے اور باقی میں دوگنا یعنی دو ہزار لڑکے کو اور اکہرا یعنی ایک ہزار روپے لڑکی کو مل جائے گا، اور اگر متوفیہ کے ان کے ساتھ ساتھ ماں باپ بھی زندہ ہوں تو شوہر کو چوتھائی دینے کے بعد ماں باپ کو چھٹا چھٹا حصہ دیکر جو باقی بچ جائے گا وہ بیٹا بیٹی کو مذکورہ اصول کے مطابق مل جائے گا۔

بیوی کا حصہ متوفی شوہر کے ترکہ میں سے:-

وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَا اَوْ دَيْنٍ ط

اور تم نے جو کچھ چھوڑا ہے اس میں سے تمہاری بیوی کیلیئے چوتھائی حصہ ہے اگر تمہاری کوئی اولاد نہ ہوتو تمہارے ترکہ میں سے ان کے لیے آٹھواں حصہ ہے تمہاری وصیت کی تکمیل کے بعد اور تمہارے قرض کی ادائیگی کے بعد۔

(سورۃ النساء)

یعنی شوہر کے انتقال پر بیوی کے اس کی جائداد میں سے حصہ پانے کی بھی دوشکلیں ہیں:

(۱) اگر متوفی کی کوئی اولاد نہیں ہےتو کُل ترکہ میں سے بیوی کو چوتھائی حصہ مل جائے گا اور باقی تین حصہ دوسرے رشتیدار ماں، باپ، یا بھائی بہن میں حسب قاعدہ تقسیم ہو جائیں گے۔

(۲) اگر متوفی کی کوئی اولاد ہے ایک ہے یا ایک سے زائد ہیں، لڑکے ہیں یا لڑکیاں، اسی بیوی سے یا کسی دوسری بیوی سے، بہرحال اس صورے میں بیوی کو اپنے مرحوم شوہر کی جائداد میں سے آٹھواں ۸/۱ حصہ مل جائے گا، اور باقی سات حصے دوسرے وارثوں بیٹا، بیٹی ماں، باپ میں حسب ضابطہ تقسیم ہو جائیں گے۔

تنبیہ:-

یاد رکھیئے! اگر بیوی ایک سے زیادہ ہوں دو ہوں، تین ہوں، یا چار ہوں تو انکو علاحدہ سے حصہ نہیں دیا جائے گا بلکہ یہ ہی چوتھائی یا آٹھواں حصہ الگ کیا جائے گا پھر اگر ایک بیوی ہوگی تو وہ اسی کو مل جائیگا اور اگر ایک سے زیادہ ہوں گی تو یہی حصہ ان کے درمیان برابر تقسیم ہو جائے گا۔

یہ بھی یاد رکھنے کی بات ہے کہ اب تک جتنے وارثوں کا ذکر ہوا ہے ان میں سے چھ وارث ایسے ہیں جو کبھی بھی کسی حالت میں بھی متوفی کے ترکہ سے محروم نہیں ہوتے جب بھی زندہ ہوں تو حصہ پاتے ہیں؛ قرآن کریم میں بھی اہمیت کے ساتھ انہیں چھ کو بیان کیا گیا ہے، وہ چھ یہ ہیں ''بیٹا، بیٹی، ماں باپ، شوہر، بیوی،، اس لئے ان چھ ورثہ کے حصے خوب یاد کر لیجیئے، باقی ورثہ مثلاً دادا، پوتا وغیرہ کو کبھی

ملتا ہے اور کبھی وہ محروم ہو جاتے ہیں ،جیسے دادا کو تب ملتا ہے جب باپ نہ ہو پوتا کو تب ملتا ہے جب بیٹا نہ ہو۔

بھائی بہنوں کا حصہ:-

قرآن کریم میں پروردگار نے بھائی بہنوں کے حصے بھی بڑی تفصیل اور اہمیت کے ساتھ بیان فرمائے ہیں ؛ بھائی بہنوں کی تین قسمیں ہیں (۱) حقیقی بھائی بہن (۲) صرف باپ شریک بھائی بہن یعنی وہ بھائی بہن جن کا والد ایک ہے مگر والدہ علاحدہ علاحدہ ہیں (۳) صرف ماں شریک بھائی بہن وہ اس طرح کہ کوئی خاتون ایک شوہر سے نکاح کرے پھر ان کا انتقال ہو جائے یا وہاں طلاق ہو جائے اور اس کے بعد دوسرے شوہر سے نکاح کرے،اور دونوں سے اولاد ہو تو یہ اولاد آپس میں ماں شریک بھائی بہن ہو جائیں گے ؛عرف عام میں ان دونوں قسموں کو سوتیلے بہن بھائی بھی کہتے ہیں ؛ ان تینوں قسم کے بھائی بہنوں کو اپنے مرحوم بھائی و بہن کی وراثت میں سے حصہ ملتا ہے ،قرآن کریم نے سب سے پہلے ماں شریک بھائی بہنوں کے حصص بیان کئے ہیں، دیکھئے! ارشاد باری تعالیٰ!

ماں شریک بھائی بہنوں کا حصہ:-

وَاِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً اَوِ امْرَاَةٌ وَّلَهٗۤ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ ۚ فَاِنْ كَانُوْۤا اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَآءُ فِى الثُّلُثِ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصٰى بِهَاۤ اَوْ دَيْنٍ ۙ غَيْرَ مُضَآرٍّ ۚ وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ۚ (النساء)

اگر وہ مرد یا عورت جس نے ترکہ چھوڑا ہے ''کلالہ،، ہو(یعنی نہ اس کا باپ دادا ہو نہ بیٹا پوتا ہو)اور اس کا (ماں شریک) بھائی یا بہن موجود ہو تو ان میں سے ہر ایک کیلئے چھٹا حصہ ہے اور اگر وہ ایک سے زیادہ ہوں تو وہ سب (ترکہ) کے تہائی حصہ میں شریک ہوں گے اس وصیت کی تعمیل کے بعد جو اس نے کی ہو اور اس کے قرض کی ادائیگی کے بعد بشرطیکہ وہ (وارثوں کیلئے) ضرر رساں نہ ہو، یہ اللہ کی وصیت ہے ،اوراللہ جاننے والا اور برد بار ہے۔(سورہ نساء)

کلالہ:- کلالہ کی کئی طرح تعریف کی گئی ہے لیکن مختار قول یہی ہے کہ کلالہ وہ شخص ہے جس کا لڑکا، لڑکی، پوتا پوتی اور باپ دادا، پردادا کوئی نہ ہو؛ لہٰذا اگر ان میں سے کوئی بھی زندہ ہوگا یعنی لڑکا، لڑکی یا پوتا پوتی، یا باپ دادا میں سے کوئی بھی زندہ ہو تو ماں شریک بہن اور بھائی دونوں محروم ہونگے ان کو تب ہی وراثت میں سے حصہ ملتا ہے جب ان میں سے کوئی بھی نہ ہو؛ اور اگر ان میں سے کوئی نہ ہو تو پھر ماں شریک بہن، بھائی کے میراث میں سے حصہ پانے کی دو شکلیں ہیں:-

(۱) اگر صرف ایک ماں شریک بھائی ہو یا ایک ماں شریک بہن ہو تو اس کو کل ترکہ میں سے چھٹا ۱/۶ حصہ ملیگا اور باقی دوسرے رشتیداروں کو مل جائے گا؛ مثلاً ایک شخص کا انتقال ہوا اس کے ورثہ میں صرف بیوی، ماں شریک ایک بھائی اور ایک چچا ہے، تو کل ترکہ میں سے چوتھائی بیوی کو، چھٹا ماں شریک بھائی کو اور باقی سب چچا کو ملیگا۔

(۲) اگر ماں شریک بھائی، بہن ایک سے زیادہ ہوں مثلاً دو بھائی ہوں یا دو بہنیں ہوں یا ایک بھائی اور ایک بہن ہو یا دو سے زیادہ چار پانچ ہوں تو ان کو متوفی کے کل ترکہ میں سے ایک تہائی حصہ ملے گا، اور ان میں برابر برابر تقسیم کردیا جائے گا؛ فرض کیجئے! ایک شخص کے انتقال پر اس کے وارثوں میں سے بیوی، چچا، ماں شریک ایک بھائی اور ماں شریک ایک بہن موجود ہیں اور اس کا کل ترکہ چوبیس ہزار روپے ہے تو بیوی کو چوتھائی یعنی چھ ہزار اور ماں شریک بہن بھائی کو ایک تہائی یعنی چوبیس میں سے آٹھ ہزار کو دونوں میں برابر چار چار ہزار تقسیم کرکے دئے جائیں گے، اور اب باقی جو دس ہزار بچ گئے وہ چچا کو ملیں گے۔

ہدایت:-

اگر ماں شریک بھائی، بہن دونوں بیک وقت موجود ہوں تو یاد رکھنا چاہئے کہ ان دونوں کو ایک تہائی میں سے برابر ملیگا، ایسا نہیں کہ بھائی کو دوگنا اور بہن کو اکہرا امام قرطبیؒ فرماتے ہیں: یہی وہ ایک مقام ہے جہاں عورت کو مرد کے برابر حصہ ملتا ہے۔

نیز واضح رہے کہ اس آیہ کریمہ میں اگرچہ ''بھائی بہن،، کا لفظ مطلق آیا ہے لیکن امت کا اتفاق ہے کہ اس سے مراد ماں شریک بھائی بہن ہیں چونکہ حقیقی بھائی بہنوں کا حصہ تو اسی سورہ کے ختم پر الگ سے بیان ہوا ہے، اور وہاں پر اگرچہ بھائی بہن کا لفظ قرآن نے مطلق استعمال کیا ہے لیکن مراد حقیقی

بہن بھائی اور باپ شریک بھائی بہن ہیں، تو لیجئے اُسی آیہ کریمہ کے حوالہ سے حقیقی بہن بھائیوں کے حصص ملاحظہ فرمایئے!

حقیقی بہن بھائیوں کا حصہ:-

اِنِ امْرُؤٌا ھَلَکَ لَیْسَ لَہٗ وَلَدٌوَلَہٗ اُخْتٌ فَلَھَا نِصْفُ مَا تَرَکَ ج وَ ھُوَ یَرِ ثُھَا اِنْ لَّمْ یَکُنْ لَّھَا وَلَدٌ ط فَاِنْ کَانَتَا اثْنَتَیْنِ فَلَھُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَکَ ط وَاِنْ کَانُوْا اِخْوَۃً رِجَالًا وَّ نِسَاءً ا فَلِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ یُبَیِّنُ اللّٰہُ لَکُمْ اَنْ تَضِلُّوْا ط وَاللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ہ (النساء)

اگر کوئی ایسا شخص مرجائے جس کی کوئی اولاد نہ ہو، (اور نہ ہی باپ دادا ہوں) اور اس کی ایک بہن ہو تو اس بہن کو اس کے کل ترکہ میں سے آدھا ملیگا، اور اگر بہن بے اولاد مرجائے تو بھائی اس کے ترکہ کا وارث ہوگا، اور اگر ایسی میت کی دو بہنیں ہوں تو اُن کے لئے کل ترکہ میں سے دوتہائی حصہ ہے، اور اگر بھائی بہن کئی ہوں تو مرد دو عورتوں کے برابر حصہ پائے گا اللہ تمہارے لئے کھول کھول کر بیان کرتا ہے تا کہ تم گمراہ نہ ہوجاؤ، اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا ہے (سورہ نساء)

حقیقی بھائی بہنوں کی میراث میں سے حصہ پانے کے اعتبار سے پانچ شکلیں بنتی ہیں

(۱) اگر متوفی کے باپ دادا، پردادا یا اولاد میں سے بیٹا، پوتا، پڑپوتا، کوئی زندہ موجود ہو تو حقیقی بھائی بہن محروم ہوجائیں گے[ا] ان کو ماں شریک بھائی بہنوں کی طرح کچھ نہیں ملیگا۔

(۲) الف:- اگر باپ دادا، بیٹا، پوتا، میں سے کوئی نہ ہو اور متوفی کا حقیقی بھائی زندہ ہو تو اس کا کوئی متعین حصہ نہیں ہے بلکہ جن لوگوں کے حصے متعین ہیں ان کو دیکر جو کچھ بچ جائے گا وہ بھائی کو مل جائے گا۔

ا۔ یہ احناف کا مفتیٰ بہ قول ہے لیکن آیمہ ثلاثہ اور احناف میں سے امام ابو یوسف کا قول یہ ہے کہ دادا کی وجہ سے بھائی محروم نہیں ہوتا بلکہ دادا اور بھائی دونوں کو میراث ملتی ہے اور بھائی کی موجودگی میں دادا کو میراث ملنے کی کئی صورتیں ہیں۔ تاہم احناف کا مفتیٰ بہ قول وہی ہے جو متن میں ذکر ہوا۔ واللہ اعلم

ب:۔اگر حقیقی بھائی ایک سے زیادہ ہوں تو باقی وارثوں کا حصہ دیکر باقی ترکہ ان میں برابر، برابر تقسیم کر دیا جائے گا؛ فرض کیجئے! متوفی کی ایک بیٹی اور بیوی اور دو بھائی ہیں تو بیوی کو آٹھواں، بیٹی کو آدھا اور باقی ترکہ بھائی کو مل جائے گا۔

ج:۔اگر اسی مذکورہ شکل میں متوفی کے بھائی کے ساتھ بہن بھی ہوں تو جن وارثوں کا حصہ متعین ہے ان کو دیکر باقی ترکہ میں سے بھائی کو دوگنا اور بہن کو ایک گنا مل جائے گا، مثلا متوفی کی بیوی اور ایک بھائی، ایک بہن ہیں تو کل ترکہ میں سے چوتھائی بیوی کو باقی تین حصوں میں سے بھائی کو دو اور بہن کو ایک حصہ مل جائے گا؛

یا فرض کیجئے ایک خاتون کا انتقال ہو گیا اس کے ورثہ میں سے شوہر اور ایک بھائی زندہ ہے تو آدھا شوہر کو اور باقی آدھا بھائی کو دیں گے، اور اگر بھائی کے ساتھ بہن بھی ہو تو آدھا شوہر کو دیکر باقی آدھا ترکہ کے تین حصے ہوں گے جن میں سے دو بھائی کو ایک بہن کو دیا جائے گا۔

(۳) اگر متوفی کا بھائی زندہ نہ ہو صرف ایک بہن ہو تو کل ترکہ میں سے بہن کا آدھا حصہ ہوگا مثلاً ایک خاتون کا انتقال ہوا اب اس کے شوہر کے علاوہ صرف اس کی بہن زندہ ہے تو آدھا بہن کو اور آدھا ترکہ شوہر کو ملیگا

(۴) اگر متوفی کا بھائی تو نہ ہو لیکن بہن ایک سے زیادہ، دو یا دو سے زیادہ ہوں تو کل ترکہ میں سے ان کو دو تہائی ملے گا اور اس دو تہائی کو وہ آپس میں برابر تقسیم کریں گی گویا باپ دادا بیٹا بیٹی نہ ہونے کی صورت میں بہن کا وہی حکم ہے جو بیٹی کا ہے۔

(۵) اگر متوفی کے باپ، دادا اور بیٹا، پوتا تو نہ ہوں لیکن پوتی یا پڑپوتی میں سے کوئی ہو، اور اس کا کوئی بھائی نہ ہو البتہ بہن ہو تو اب پہلے ان وارثوں کے حصے دیں گے جن کے حصے متعین ہیں پھر جو باقی بچ جائے گا وہ بہن کو مل جائے گا؛ مثلاً ایک صاحب کے انتقال پر بیوی، ایک بیٹی اور ایک بہن زندہ موجود ہوں تو کل ترکہ کے آٹھ حصے کیجئے! ایک حصہ یعنی آٹھواں بیوی کو؛ آدھا یعنی چار حصے بیٹی کو؛ باقی بچے تین حصے تو یہ بہن کو مل جائیں گے اور اگر بیوی کے بجائے ایک پوتی ہو مثلاً ایک بیٹی، ایک پوتی ایک بہن ہوں تو کل ترکہ کے چھ حصے کر کے چھٹا یعنی ایک حصہ پوتی کو؛ آدھا یعنی تین حصے بیٹی کو؛ باقی بچے دو حصے تو وہ بہن کو مل جائیں گے اور یہ وہی شکل ہے جس کے متعلق ابو موسیٰ اشعریؓ سے پوچھا گیا تھا پھر حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے اس کا مذکورہ بالا جواب عنایت

فرمایا تھا۔

بھائی بہنوں کے متعلق مذکورہ پانچ شکلوں میں سے چار تو صراحت سے قرآن کریم میں موجود ہیں اور پانچویں شکل حدیث سے معلوم ہوئی ہے مذکورہ حدیث کے علاوہ آپ ﷺ کا مشہور ارشاد ہے ''دو بہنوں کو بیٹو کے ساتھ عصبہ بنا دو یعنی بچا ہوا دیدو،،

واضح رہے کہ حقیقی بھائیوں یا بہنوں کے ساتھ اگر ماں شریک بھائی بہن موجود ہوں اور میت کے باپ دادا و اولاد میں سے کوئی نہ ہو تو ماں شریک بھائی بہن حقیقی بھائی بہن کے ساتھ اپنا حصہ پائیں گی وہ حقیقی بھائی بہن کی وجہ سے محروم نہیں ہوں گے۔

باپ شریک بھائی بہن کے حصے:-

باپ شریک بھائی اور بہن کے حصے کو مذکورہ آیت میں حقیقی بھائی بہنوں کے ضمن میں بیان کیا گیا ہے، لہٰذا ان کا بالکل وہی حکم ہے جو حقیقی بھائی بہنوں کا ہے؛ تفصیل اس طرح ہے:

(۱) اگر متوفی کے باپ دادا یا بیٹا پوتا میں سے کوئی زندہ ہو تو حقیقی بھائی بہن کی طرح باپ شریک بھائی اور بہن بھی محروم ہوں گے ان کو کچھ نہیں ملیگا۔

(۲) اگر متوفی کا کوئی حقیقی بھائی موجود ہو تو بھی باپ شریک بھائی بہن دونوں محروم ہو جائیں گے۔

(۳) لیکن اگر متوفی کے مذکورہ رشتہ دار تو نہ ہوں مگر حقیقی بہن ہوں تو پھر دیکھئے! کیا اس بہن کے ساتھ متوفی کی کوئی بیٹی بھی ہے؟ اگر حقیقی بہن کے ساتھ ساتھ متوفی کی کوئی بیٹی یا پوتی ہوگی تو چونکہ اس صورت میں بیٹی پوتی وغیرہ کا متعینہ حصہ دینے کے بعد باقی سب بہن کو مل جاتا ہے لہٰذا باپ شریک بھائی اور بہن دونوں محروم ہو جائیں گے، مثال کے طور پر ایک شخص کے انتقال پر ایک بیٹی، ایک بہن حقیقی اور باپ شریک بھائی اور بہن ہیں تو کل ترکہ میں سے آدھا بیٹی کو اور باقی آدھا بہن کو مل جائے گا اور باپ شریک بھائی بہن دونوں محروم ہو جائیں گے۔

(۴) اگر متوفی کی بیٹی، پوتی کوئی نہیں البتہ بہن ہے اور اس کے ساتھ باپ شریک بھائی بہن ہیں تو اب بہن ایک ہو یا کئی ہوں ان کو ان کا متعینہ حصہ یعنی نصف یا دو تہائی دیکر جو باقی بچے گا وہ باپ شریک بھائی بہنوں میں اس طرح تقسیم ہوگا کہ بھائی کو دو بہنوں کے برابر ملیگا۔ مثلاً کسی کی دو بہنیں ہیں اور ایک باپ شریک بھائی ایک باپ شریک بہن بھی موجود ہیں تو پہلے دو تہائی دونوں حقیقی بہنوں کو دیں گے پھر بقیہ

کے تین حصے کر کے دو باپ شریک بھائی کو ایک باپ شریک بہن کو دیدیں گے۔

(۵) مذکورہ شکل میں اگر حقیقی بہن زندہ ہے اور باپ شریک بھائی تو کوئی نہیں لیکن بہن ہے تو دیکھیئے! اگر حقیقی بہن ایک سے زائد ہوں گی تو اس صورت میں باپ شریک بہن محروم ہو جائیگی، اور حقیقی بہن صرف ایک ہو تو کل ترکہ میں سے نصف اس کو ملے گا اور باپ شریک بہن کو چھٹا حصہ مل جائے گا اگر وہ ایک ہوگی تو اسی کو یہ چھٹا حصہ مل جائے گا اور ایک سے زائد ہوں گی تو وہ سب اسی چھٹے حصے میں شریک ہوں گے۔

(۶) اگر متوفی کے باپ دادا اور بیٹا نہ ہوں نیز حقیقی بھائی بہن میں سے بھی کوئی نہ ہو اب ان کی میراث سے حصہ پانے کی وہی شکلیں ہیں جو ابھی حقیقی بھائی بہنوں کی بیان ہوئی گویا باپ شریک بھائی بہن حقیقی بھائی بہنوں کے قائم مقام ہو جائیں گے۔

بھتیجہ کا حصہ:-

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ قال قال رسول الله ﷺ الحقوا الفرائض باھلھا فما بقی فھو لاولی رجل ذکر (رواہ البخاری ومسلم)

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت ہے: رسول اللہ ﷺ نے فریا: میراث پہلے ان لوگوں کو دو جن کا حصہ شریعت میں متعین ہے پھر جو کچھ باقی ہو وہ اس شخص کو دو جو مردوں میں میت کے زیادہ قریب ہے۔ (بخاری مسلم)

اس ارشاد پاک کی روشنی میں اُمت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ وراثت تقسیم کرتے ہوئے سب سے پہلے ان لوگوں کو حصہ ملے گا جن کا حصہ شریعت نے متعین کر کے بیان کیا ہے پھر جو باقی رہے گا وہ اس شخص کو ملے گا جو اس کا سب سے زیادہ قریب ہے اور جب تک یہ قریب والا وارث رشتیدار موجود ہوگا تو دور والے کسی رشتیدار کو یہ باقی مال نہیں ملے گا اور یہ چار قسم کے لوگ ہیں (۱) بیٹا، پوتا، پڑپوتا، نکڑ پوتا وغیرہ جب تک یہ زندہ ہوں باقی ترکہ سب انھیں کو مل جائے گا۔

(۲) باپ، دادا، پڑدادا، نکڑ دادا جب تک یہ زندہ ہیں تو بھائی چچا وغیرہ محروم ہوں گے۔

(۳) متوفی کے بھائی پھر ان کی اولاد یعنی بھتیجا اور بھتیجوں کی اولاد جب تک یہ زندہ ہیں بقیہ

انھیں کو ملے گا اور ان کے مقابلہ میں چچا محروم ہوگا۔

(۴) چچا اور پھر چچا کی اولاد یعنی چچیرے بھائی پھر چچیرے بھائی کی اولاد ان چار قسموں کو عصبہ کہتے ہیں۔

ان میں سے بھائی تک کے وارثوں کی تفصیل تو آ چکی لیکن اگر کسی کے انتقال پر بیٹا، پوتا، پڑپوتا، باپ، دادا، پڑدادا اور بھائیوں میں سے کوئی نہ ہو البتہ بھائی کی اولاد ہو یعنی متوفی کا بھتیجا زندہ ہو تو ان وارثوں کو دیکر جن کا حصہ متعین ہے، باقی تمام بھتیجا کو مل جائے گا اگر ایک ہی بھتیجا ہوگا تو باقی سب ترکہ اس کو مل جائے گا اور اگر ایک سے زائد بھتیجے ہوں تو ایک بھائی کی اولاد ہو یا کئی بھائیوں کی تو یہ باقی ترکہ ان تمام میں برابر برابر تقسیم ہو جائے گا۔مثلاً کسی کے انتقال پر اس کے وارثوں میں صرف بیوی اور ایک بہن اور ایک بھتیجا زندہ ہیں تو کل ترکہ میں سے چوتھائی بیوی کو، آدھا بہن کو، باقی بھتیجا کو مل جائے گا۔

تنبیہ:-

یاد رکھیئے! جس طرح بیٹے کے ساتھ بیٹی پوتے کے ساتھ پوتی بھائی کے ساتھ بہن کو حصہ ملتا ہے اسی طرح اگر بھتیجا کے ساتھ بھتیجی ہو تو اس کو حصہ نہیں ملتا ہے بلکہ وہ بھتیجا کی موجودگی میں محروم رہتی ہے اس کا شمار دور کے رشتیدار (ذوی الاحرام) میں ہوتا ہے اس کو تب حصہ میراث ملتا ہے جب قریب کے تمام وارث موجود نہ ہوں جیسے آگے ذوی الارحام کا ذکر آ رہا ہے اور یہ بھی واضح رہے جب تک بھتیجا یا بھتیجا کی اولاد زندہ ہوں گی تو چچا اور اس کی اولاد محروم ہو جائی گی۔

چچا کا حصہ:-

اگر کسی کے انتقال پر اس کا بیٹا، پوتا، پڑپوتا، اور باپ، دادا، پڑدادا، اور بھائی، بھتیجا، نیز بھتیجا کی اولاد میں سے کوئی موجود نہ ہو تو پھر جن وارثوں کا حصہ متعین ہے ان کا حصہ دیکر باقی جتنا ترکہ بچ جائے گا وہ متوفی کے چچا کو حدیث بالا کی روشنی میں مل جائے گا، اگر ایک ہی چچا ہو تو اُسی کو ملے گا اور اگر کئی ہوں تو سب میں برابر برابر تقسیم ہو جائے گا مثلاً کسی کے انتقال پر اس کے وارثوں میں صرف دو بیٹیاں، بیوی اور چچا زندہ ہوں تو کل ترکہ میں سے آٹھواں بیوی کا، دو تہائی دونوں بیٹیوں کا اور باقی ترکہ چچا کا ہوگا؛ فرض کیجئے! اگر اس کے پاس صرف ۲۴ ہزار روپے ہوں تو

آٹھواں یعنی تین ہزار بیوی کو، دوتہائی یعنی سولہ ہزار دونوں بیٹیوں کومل جائیں گے اب باقی بچے پانچ ہزارتو یہ چچا کومل جائیں گے۔

تنبیہ:-

واضح رہے کہ جس طرح بھتیجا کی موجودگی میں بھتیجی محروم رہتی ہے چونکہ وہ دور کے رشتہ دار(ذوی الارحام) میں سے ہے اسی طرح چچا کے ساتھ اگر چچا کی بہن یعنی متوفی کی پھوپھی موجود ہوتو وہ بھی محروم ہوجائے گی ،اس کو چچا کے ساتھ حصہ نہیں ملے گا اس لئے کہ یہ بھی ذوی الارحام میں شمار ہوتی ہے۔

حضرت محمد بن ابوبکرؒ فرماتے ہیں: میرے والد صاحب فرمایا کرتے تھے کہ امیر المومنین حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ پھوپھی کا بھی عجیب معاملہ ہے اس کے مرنے پر اگر باپ دادا، بیٹا پوتا،اور بھائی وغیرہ نہ ہوں تو بھتیجا کو پھوپھی کی وراثت میں سے حصہ بطور عصبہ ملتا ہے ،لیکن اگر بھتیجا کا انتقال ہوجائے اور مذکورہ رشتیدار نہ ہوں تو پھوپھی کواس کی میراث میں سے حصہ نہیں ملتا(موٴطا امام مالک)

اگر مذکورہ رشتیدار بھی نہ ہوں اورمتوفی کا کوئی چچا بھی موجود نہ ہوتو پھر جن لوگوں کا حصہ متعین ہے ان کو دیکر باقی چچا کی اولاد یعنی چچیرے بھائیوں کو ملے گا؛ مثلاً کسی خاتون کے انتقال پراس کے ورثہ میں سے صرف شوہراورایک چچیرا بھائی موجود ہےتو نصف شوہر کواورنصف چچیرے بھائیوں کو مل جائے گا۔

ذوی الارحام کے حصے:-

اگرکسی متوفی کے مذکورہ بالا قریبی رشتہ داروں (یعنی اولاد ،والدین ،اوردادا، پڑدادا، بھائی بہن ،بھتیجا، چچا اورچچیرے بھائیوں وغیرہ) میں سے کوئی موجو ہی نہ ہوالبتہ اس کے دور کے رشتہ دار مثلاً نواسے ،نواسیاں ،نانا، بھانجا، بھتیجیاں، پھوپھیاں ،خالہ ماموں وغیرہ میں سے کوئی موجود ہوتو اب متوفی کا ترکہ اس کو دیا جائے یا نہ دیا جائے ؟اس بارے میں فقہائے کرام کے درمیان اختلاف ہے بعض فقہائے کرام کی تحقیق ہے کہ اگر مذکورہ رشتہ داروں میں سے کوئی نہ ہوتو تمام مال بیت المال میں جمع کردیا جائے ،جبکہ علمائے احناف اوردیگر بہت سے علماء فرماتے ہیں کہ جب مذکورہ بالا اول درجہ

کے وارثوں میں سے کوئی نہ ہوتو اب اس کے دور کے دوسری قسم کے رشتہ داروں کوترکہ مل جائے گا اس اختلاف کی وجہ محض قیاس نہیں بلکہ روایات کامختلف ہونا ہے۔

ان دوسری قسم کے رشتہ داروں کو''ذوی الارحام،، کہتے ہیں اور یہ بھی عصبہ کی طرح چار درجہ کے لوگ ہیں جب پہلے درجہ کے موجود ہوں گے تو باقی سب محروم ہو جائیں گے اور جب دوسرے درجہ کے موجود ہوں گے تو تیسرے درجہ کے محروم ہو جائیں گے اسی طرح تیسرے درجہ کے ہوتے ہوئے چوتھے درجہ کے محروم ہوں گے۔ یہ درجہ بندی اس طرح ہے:

درجہ اول:-مرنے والے کی اولاد کی وہ اولاد جس کو عصبہ کے ہوتے ہوئے حصہ نہیں ملتا ہے،یعنی نواسے،نواسیاں۔۔۔بیٹوں،پوتوں کے نواسے،نواسیاں۔

درجہ دوم:-والدین سے اوپر کے رشتیدار یعنی نانا،پرنانا،باپ کے نانا،پرنانا،ماں کے نانا،دادا،دادی وغیرہ۔

درجہ سوم:- بھائی بہن کی وہ اولاد جو اب تک محروم تھی یعنی بھتیجی،بھانجا،بھانجی،اوران کی اولا نیز اخیافی بھائی بہن کی اولاد۔

درجہ چہارم:- پھوپھی،خالہ،ماموں،اوران سب کی اولاد۔

لیکن ایسی نوبت چونکہ بہت کم پیش آتی ہے لہٰذا ان کے حصص کی تفصیل یہاں ترک کی جاتی ہے اگر کبھی ضرورت پیش آجائے تو ماہر علماء سے معلوم کرلیں۔

عول اوراس کا طریقہ:-

آپ اگر گذشتہ ابواب پر ایک گہری نگاہ ڈالیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ کبھی کبھی ایسے رشتہ دار بھی جمع ہو جاتے ہیں کہ اگر ٹھیک قاعدہ کے مطابق ان کو ان کا حصہ دیں تو دوسرے بعض ورثہ کو بالکل ہی محروم ہو جانا پڑتا ہے،یا کچھ کا حصہ شریعت کے بیان کردہ حصہ سے کم ہو جاتا ہے،فرض کیجئے! ایک خاتون کا انتقال ہوا اس کے وارثوں میں والدین واولاد میں سے تو کوئی نہیں ہے تاہم دو حقیقی بہنیں دو ماں شریک بہنیں اور شوہر زندہ موجود ہے تو اب اگر دو حقیقی بہنوں کو ان کا حصہ دوتہائی اور ماں شریک بہنوں کا ایک تہائی ان کو دیدیں تو شوہر کیلئے کچھ بچتا ہی نہیں،اوراگر پہلے شوہر کو دیں تو بہنوں کا حصہ کم ہو جاتا ہے یعنی ان کو شریعت کے اصول کے مطابق اپنا پورا پورا حصہ لینا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔

یہی مسئلہ حضرت عمرؓ کے دور میں صحابہ کرام کو پیش آیا تھا تو صحابہ کرام کے مشورہ سے حضرت عمرؓ نے ایک مخصوص طریقہ سے تمام وارثوں کے حصہ کو کم کرنے کا ایک اصول نکالا تھا جس سے تمام وارثوں کو اپنا حصہ ملتا تو ہے تاہم اپنے حصہ کے حساب سے ہر ایک میں ذرا سی کمی ہو جاتی ہے؛ اسی طریقہ کو ''عول،، کہتے ہیں۔

عول کا طریقہ یہ ہے کہ سب سے پہلے تمام وارثوں کے حصے متعین کریں، پھر ایک قریبی چھوٹا عدد ایسا تلاش کریں جس سے بغیر کسر (یعنی ٹوٹے) کے تمام وارثوں کے حصے نکل آئیں یعنی کسی وارث کو پون یا سوا یا ڈھیڑ نہ دینا پڑے، پھر کسی ایک وارث کا حصہ نکالیں اور جب دوسرے وارثوں کا حصہ نکالتے ہوئے کم رہیں تو اتنا عدد اور بڑھالیں پھر آخر میں اس زیادتی کو اصل میں جمع کریں تو جو موجود حاصل جمع ہوگا وہی عدد ''عول،، کہلائے گا، اس طرح سب کے حصے نکل آئیں گے۔

مثال سے بات سمجھئے! ایک عورت کے انتقال پر شوہر اور دو بہنیں وارث ہوئیں تو شوہر کا آدھا ہے اور بہنوں کا دو تہائی ہے دونوں کو پورا حصہ ملنا مشکل ہے لہٰذا ''عول،، کرنا پڑے گا تو سب سے پہلے چھوٹا عدد تلاش کیجئے! جس سے بغیر کسر کے دونوں کا حصہ نکل آئے تو دیکھئے تین میں سے دو تہائی یعنی دو بہنوں کا حصہ تو نکلتا ہے مگر شوہر کا تین میں سے نصف ڈھیڑ ہو جاتا ہے، جو کسر ہے، پھر چار کا عدد دیکھا تو اس میں سے آدھا یعنی شوہر کا حصہ تو نکلتا ہے مگر بہنوں کا دو تہائی برابر نہیں نکلتا یہی حال پانچ کا ہے ،البتہ چھ کا نصف تین شوہر کا اور دو تہائی یعنی چار بہنوں کا حصہ بھی نکل سکتا ہے تو ہم نے چھ میں سے آدھا یعنی تین شوہر کو دیئے اور چھ میں سے چار دونوں بہنوں کو دئے تو یہ کل سات ہو گئے، گویا چھ کا ''عول،، سات میں ہو گیا، مان لیجئے! متوفی نے سات سو روپے چھوڑے تھے جن میں سے تین سو شوہر کو ملے حالانکہ اس کو نصف یعنی ساڑھے تین سو ملنے چاہیئے تھے، اور دو بہنوں کو سات سو میں سے دو تہائی چار سو چھیاسٹھ روپے ملنے تھے مگر ان کو چار سو روپے ہی ملے۔

یا مثلاً متوفی کے وارث شوہر، دو حقیقی بہنیں اور دو ماں شریک بہنیں ہیں ہم چھ حصوں میں سے نصف یعنی تین شوہر کو، چھ میں سے دو تہائی یعنی چار حقیقی بہنوں کو اور چھ میں سے ایک تہائی یعنی دو ماں شریک بہنوں کو دیں گے اس چھ کا عول نو تک ہو گیا؛ فرض کیجئے! اس کا ترکہ نو سو روپے ہے تو مذکورہ صورت میں شوہر کو تین سو، حقیقی بہنوں کو چار سو اور ماں شریک بہنوں کو دو سو مل جائے گا؛ آپ کہہ سکتے ہیں کہ اس صورت میں پہلے ہی نو سے حصے کیوں نہ نکالے گئے؟ چھ سے نکالنے کی کیا ضرورت؟ جی ہاں! اگر ہم نو

سے نکالیں تو سب کے حصے برابر نہیں ہوں گے مثلاً شوہر کا نصف ساڑھے چار ہو جائے گا اور معاملہ تب بھی حل نہیں ہوگا اس لئے آسان شکل یہی ہے کہ پہلے اس عدد سے حصہ نکالیں جس سے سب کو بغیر کسر (ٹوٹ) کے حصے ملیں پھر وہاں سے بڑھاتے جائیں۔

غور کیجئے!! آج سے چودہ سو سال پہلے جب کہ ابھی حساب وریاضی نے گھٹنوں چلنا بھی نہیں سیکھا تھا یہ دقیق مسائل کس خوبی سے حل کئے گئے ہیں!! وَذَالِکَ الْفَضْلُ یُؤْتِیهِ مَنْ یَّشَاءُ

واضح رہے! کہ بیٹے یا پوتے کی موجودگی میں کبھی عول کی ضرورت پیش نہیں آتی اس لئے کہ اس کی وجہ سے دوسرے بہت سے رشتہ دار محروم ہو جاتے ہیں جیسے اسی مثال مذکور میں بہنیں محروم ہو جاتی ہیں، یا پھر کچھ رشتہ دار وہ ہیں جن کا حصہ کم ہو جاتا ہے۔

ردکا بیان:-

جن وارثوں کا حصہ متعین ہے (جیسے بیٹی، پوتی، پڑپوتی، ماں، نانی، دادی) اگر کسی آدمی کے انتقال پر یہی وارث موجود ہوں اور ان وارثوں میں سے کوئی موجود نہ ہو جو باقی ماندہ مال لیتے ہیں (جیسے بیٹا، پوتا، پڑپوتا، والد، دادا، پڑدادا، بھائی، بھتیجا، چچا وغیرہ) تو یہ متعینہ حصے دینے کے بعد جو ترکہ باقی بچ جائے اس کو کیا جائے؟ اس بارے میں فقہائے کرام کی آراء مختلف ہیں مثلاً ایک شخص کے انتقال پر صرف ایک بیٹی وارث زندہ موجود ہے اور کوئی نہیں ہے تو بیٹی کو آدھا ترکہ مل جائے گا باقی کیا کریں؟ یا اس نے تین چار بیٹیاں چھوڑیں تو ان کو کل ترکہ میں سے دو تہائی ملا باقی ایک تہائی کا کیا جائے؟ حضرت امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کی تو یہ تحقیق ہے کہ ان کو ان کا متعین حصہ ملے گا اور جتنا ترکہ بچ جائے گا وہ بیت المال میں جمع کر دیا جائے گا لیکن حضرت امام احمدؒ اور ہمارے فقہاء احناف قرآن وحدیث پر غور کر کے اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ پہلے تو ان کو ان کا متعین حصہ دیں گے پھر جو بچ جائے گا وہ بھی انھیں وارثوں کو انھیں کے حصوں کے حساب سے لوٹا دیا جائے گا؛ اس طرح باقی ماندہ ترکہ کو انھیں ورثہ میں تقسیم کرنے کو علم میراث میں "رد کرنا" کہتے ہیں۔

یہ اختلاف درحقیقت صحابہ کرام کے مبارک زمانہ سے چلا آتا ہے؛ حضرت علیؓ اور کچھ دوسرے صحابہ کرام یہی فرماتے تھے کہ باقی ترکہ بھی انھیں کے درمیان ان کے حصوں کے حساب سے تقسیم ہو جائے گا، جبکہ حضرت زید ابن ثابتؓ اور دیگر صحابہ کرام یہ فرماتے تھے کہ جن لوگوں کا حصہ متعین ہے ان کو دیکر جو بچ جائے گا وہ بیت المال میں جمع کر دیا جائے گا اور ان کو اپنے متعین حصہ سے زیادہ

نہیں ملے گا؛ ایک مثال سے سمجھئے! ایک آدمی کے انتقال پر دو بیٹیاں اور ماں وارث ہوئیں اور دوسرا کوئی وارث زندہ موجود نہیں ہے تو کل ترکہ کے چھ حصے کر کے چھٹا یعنی ایک حصہ ماں کو مل گیا اور دوتہائی یعنی چھ میں سے چار حصے بیٹیوں کو مل گئے پیچھے بچ گیا ایک حصہ فقہائے حنابلہ اور احناف کے نزدیک یہ ایک حصہ بھی انھیں کو مل جائے گا اور یہ باقی ماندہ ایک حصہ ماں اور بیٹیوں کے درمیان اس طرح تقسیم کیا جائے گا کہ ماں کے لئے چھٹے حصے کا اور بیٹیوں کیلئے دوتہائی کا تناسب برقرار رہے؛ یا مثلاً کسی کے انتقال پر صرف اس کی تین بیٹیاں ہیں تو ان کو اول کل ترکہ میں سے دوتہائی مل جائے گا پھر جو ایک تہائی بچے گا وہ بھی انھیں میں برابر برابر تقسیم کر دیا جائے گا۔

آج دنیا میں عمل اکثر اسی رد کے قول پر ہو رہا ہے یعنی مالکیہ وشوافع بھی باقی ماندہ مال کو انھیں ورثہ میں ان کے حصوں کے تناسب کے اعتبار سے تقسیم کر دینے کا فتوی دیتے ہیں ,لیکن "رد" کے اس اصول سے میاں بیوی تمام اُمت کے نزدیک مستثنٰی ہیں یعنی ان کو کسی کے نزدیک بھی متعین حصہ سے زائد نہیں ملے گا ،مثلاً کسی خاتون کا انتقال ہوا اور شوہر کے علاوہ اس کا کوئی وراثت پانے والا عزیز زندہ موجود نہیں ہے تو شوہر کو اپنا نصف حصہ ملے گا باقی نصف میں سے اس کو کچھ نہیں دیا جائے گا یا شوہر کا انتقال ہو جائے اور اس کی وارث صرف بیوی بنے اور کوئی وارث موجود نہ ہو تو بیوی کو چوتھائی حصہ ہی ملے گا مزید نہیں ؛ میاں بیوی کا جو ترکہ بچ جائے گا وہ اگر ان کے دوسرے دور کے (ذوی الارحام) میں سے کوئی زندہ ہو تو ان کو مل جائے گا؛ مثلاً نواسی ،بھتیجی ،خالہ، پھوپھی ،ماموں وغیرہ اور اگر نہ قریب کا کوئی وارث ہو نہ دور کا تو باقی ترکہ بیت المال میں جمع ہو جائے گا۔

اگر بیت المال کا نظم ہی نہ ہو جیسا کہ آج اکثر یتی دنیا کا حال ہے تو پھر کیا کیا جائے؟ اس بارے میں متقدمین کی رائے معلوم نہ ہو سکی؛ ظاہر یہی ہے کہ پھر مجبوراً رد ہی پر عمل ہوگا۔ واللہ اعلم بالصواب

مطلقہ بیوی کی وراثت کا مسئلہ:-

بیوی کو اگر تین طلاق مغلظہ دیدی ہو یا خلع وتفریق کے ذریعہ سے اس نے خود جدائی اختیار کر لی ہو تو اس صورت میں وہ دونوں ایک دوسرے کے وارث نہیں ہو سکتے چاہے شوہر یا بیوی کا انتقال عدت کے دوران ہی کیوں نہ ہو، لیکن اگر عورت کو ایک یا دو طلاق رجعی دی ہوں اور اس طلاق کے بعد عدت ختم ہونے سے پہلے شوہر کا انتقال ہو جائے تو اس کو وراثت ملے گی یا عدت ختم ہونے سے پہلے اس کا انتقال ہو جائے تو شوہر کو بھی میراث ملیگی ،اور اگر عدت ختم ہونے کے بعد دونوں میں سے

کسی کا انتقال ہوتو دونوں میں سے کوئی ایک دوسرے کا وارث نہ بن سکے گا؛ طلاق بائن اگر تندرستی میں دی ہو اور پھر عدت کے دوران شوہر کا انتقال ہو جائے تو مطلقہ بیوی اس کی وارث نہیں ہوگی لیکن اگر شوہر نے مرض الموت میں بیوی کی مرضی کے خلاف صرف اس کو میراث سے محروم کرنے کیلئے طلاق دی پھر عدت کے دوران شوہر کا انتقال ہو گیا تو اب احناف کے نزدیک بیوی شوہر کی میراث میں سے حصہ پائے گی (شامی)

وہ باتیں جن سے کوئی میراث سے محروم نہیں ہوتا:-

کچھ باتیں ایسی ہیں کہ وہم ہوتا ہے کہ ان سے وراثت سے وارث محروم ہو جاتا ہوگا، یا ناواقف عوام سمجھتے ہیں کہ ان کی وجہ سے میراث نہیں ملتی، لیکن شریعت میں میراث ملتی ہے، اس طرح کی چند باتیں!!

کم عمر ہونا:-

جس کو شریعت کے قاعدہ واصول کے اعتبار سے وراثت ملتی ہے اس کی عمر خواہ کتنی بھی ہو اس کو وراثت ملے گی عمر کے کم یا زیادہ ہونے کا کچھ اعتبار نہیں ہے، یہاں تک کہ اگر کسی شخص کے انتقال پر اس کی اہلیہ حمل سے تھی تو وضع حمل کے بعد اس بچہ کو بھی میراث ملے گی بلکہ بعض ایسی صورتیں بھی ہوسکتی ہیں کہ اس کی ماں کو میراث تو نہ ملے لیکن پیٹ کے بچہ کو میراث مل جائے، مثلاً ایک شخص کے انتقال پر اس کی اولاد میں سے تو کوئی زندہ نہ ہو لیکن اس کے کسی متوفی بیٹے کی بیوہ حاملہ ہو تو بیوہ کو (بہو) کو تو میراث نہیں ملے گی لیکن اس کے پیٹ کے بچے کے پیدا ہونے پر اس کو اپنے والد اور دادا دونوں کی وراثت میں سے اپنا حصہ ملے گا، الغرض جو بچہ زندہ پیدا ہو تو اس کو میراث کا حصہ ملتا ہے، حدیث میں ہے:

عَنْ جَابِرٍ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اِذَا اسْتَهَلَّ الصَّبِیُّ صُلِّیَ عَلَیْهِ وَوُرِّثَ (رواه ابن ماجه)

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب بچہ پیدائش کے وقت چیخے یعنی زندہ پیدا ہو پھر مرجائے تو اس کی نماز جنازہ بھی پڑھی جائے گی اور اس کو وراثت بھی ملے گی (ابن ماجہ)

اس کی شکل یہ ہوگی فرض کیجئے! ایک شخص کا انتقال ہوا اس کی اہلیہ حاملہ تھیں اور ورثہ میں ایک بیٹا، ماں

،اور باپ موجود ہیں تو جب تک حاملہ کو وضع حمل نہ ہوجائے وراثت تقسیم نہ کریں پھر بیوہ کو بچہ پیدا ہونے کے فورا بعد مرگیا تو اب اس کی وراثت میں سے آٹھواں حصہ اہلیہ کو، چھٹا چھٹا ماں باپ کو، اور باقی ترکہ ان دونوں بچوں میں برابر تقسیم کریں گے پھر زندہ کو تو اس کا حصہ مل جائے گا اور جو بچہ پیدا ہوتے ہی مرگیا ہے اس کا حصہ دوبارہ موجود ورثہ میں تقسیم کریں گے جسمیں سے اسکی والدہ یعنی مرحوم کی بیوہ اور اسکے دادا کو ملے گا دادی اور اس کا بھائی محروم ہوجائیں گے؛ جمہور فقہائے کرام کی یہی رائے ہے اور اسی پر فتوٰی ہے البتہ امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ دادا کو چھٹا ملے گا اور باقی ماندہ بھائی کو مل جائے گا یعنی ان کے نزدیک بھائی محروم نہ ہوگا ،جس طرح کہ ایک شخص کے انتقال پر اس کی بیوہ حاملہ ہو اور اس کا والد زندہ ہو تو جب اس حاملہ کو بچہ پیدا ہوگا تو بیوہ کو آٹھواں حصہ، باپ کو چھٹا، اور باقی ماندہ اس نومولود بیٹے کو ملتا ہے۔

ایک اور مثال دیکھئے! ایک شخص کے انتقال پر اس کی بیوہ حاملہ ہے، ابھی اس کو وضع حمل نہیں ہوا تھا کہ متوفی کا باپ یعنی اس بیوہ کے سسر کا انتقال ہوگیا ،تو سسر کی وراثت میں سے بہو کا حصہ تو نہیں ہے لیکن جب اس کے شکم کا بچہ پیدا ہوگا تو وہ اپنے دادا کی جائداد کا وارث ہوگا ، پھر اتفاق سے اگر اس بچہ کی بھی وفات ہوجائے خواہ پیدائش کے فوراً بعد ہی ہوجائے تو اس بچہ کو اپنے دادا کی جائداد سے جو وراثت ملی تھی اس میں سے اس کی والدہ کو حصہ ملے گا بلکہ اگر کوئی دوسرا وارث موجود نہ ہو تو سارا اس کی والدہ ہی کو مل جائے گا ،اس طرح بیٹے کے ذریعہ سے بہو کو اپنے سسر کی میراث مل جائیگی۔

بیوہ کی شادی ہوجانا:-

بیوہ کو اپنے مرحوم شوہر کے ترکہ میں سے آٹھواں یا چوتھا حصہ ضرور ملتا ہے لیکن اگر کسی کے انتقال پر اس کے وارثوں نے اس کی جائداد تقسیم نہیں کی ،اس کو ٹالتے رہے یہاں تک کہ اس کی بیوہ بیوی نے دوسری جگہ نکاح کرلیا تو جب بھی اس کے اس مرحوم شوہر کا ترکہ تقسیم ہوگا بیوہ کو اپنا حصہ ضرور ملے گا خواہ تقسیم ترکہ میں کتنا ہی عرصہ بیت جائے ،اور تفصیل اس کی گذر چکی کہ اگر مرحوم کی کوئی اولاد ہوگی تو آٹھواں ورنہ چوتھائی ،دوسری جگہ شادی کرلینے سے وہ اپنے پہلے شوہر کے ترکہ سے محروم نہیں ہوگی خواہ نکاح ثانی کو بھی عرصہ بیت جائے ،اور دوسرے شوہر کے یہاں اس کے بچے

بھی کیوں نہ ہو جائیں ؛ اکثر لوگ بیوہ کے دوسری جگہ شادی کر لینے سے اس کو مرحوم شوہر کے ترکہ سے محروم کر دیتے ہیں اور ترکہ پر خود قابض ہو جاتے ہیں ۔ یہ لوگ یقیناً نارِ جہنم مول لے رہے ہیں ۔

بیٹیوں کی شادی ہو جانا :-

بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ بیٹیوں کی شادی ہو جائے اس کے بعد اگر ماں باپ میں سے کسی کا انتقال ہو تو اب ان کو والدین کی میراث میں سے حصہ نہیں ملے گا اب صرف بیٹے ہی وارث ہوں گے، یہ بھی صراصر جہالت اور ظلم عظیم ہے، بیٹی خواہ بوڑھی ہو جائے بلکہ اس کے بچے بھی بوڑھے ہو جائیں جب بھی اس کے ماں باپ میں سے کسی کا انتقال ہوگا تو ان کی جائداد میں سے بیٹی کو اپنا حصہ ضرور ملیگا ؛غور فرمایئے ! جب بیٹا بڑا ہونے سے اور شادی کرنے سے محروم نہیں ہوتا تو بیٹی کو کیوں محروم سمجھا جائے !!

وہ اسباب جن سے ہمیشہ کیلئے وراثت سے محروم ہو جاتا ہے :

جن اسباب کی وجہ سے کوئی وارث اپنے رشتہ دار کی وراثت سے ہمیشہ کیلئے محروم ہو جاتا ہے وہ دو ہیں ؛ (۱) وراثت چھوڑنے والے کا قتل کرنا (۲) اختلاف دین

قتل مورث :-

اگر کسی عاقل بالغ آدمی نے اپنے اس رشتہ دار کو جس کی میراث میں سے اس کو حصہ ملتا ظلماً قتل کر دیا تو اب اس کی جائداد میں سے اس کو کچھ حصہ نہیں ملے گا ،قتل خواہ قصداً کیا ہو یا غلطی سے ہو گیا ہو، حدیث میں ہے :

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ ؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اَلْقَاتِلُ لَا یَرِثُ (رواہ الترمذی و ابن ماجة)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : قاتل وارث نہیں بن سکتا ہے (ترمذی، ابن ماجہ)

لیکن قاتل کے وراثت سے محروم ہونے کیلئے مذکورہ تین شرطیں ضروری ہیں ،لہٰذا اگر کوئی نابالغ یا

کوئی مجنون اپنے رشتیدار کوقتل کر دے تو وہ محروم نہ ہوگا اس کو وراثت کا حصہ ملے گا ایسے ہی اگر قتل ظلماً نہ کیا ہو بلکہ قاضی کے حکم سے شریعت کی حد نافذ کرنے کیلئے کیا ہو تو بھی محروم نہ ہوگا۔

اختلاف دین:۔

یعنی مسلمان کے رشتیدار غیر مسلم ہوں تو ان کے انتقال پر ان کے ترکہ میں سے مسلمان کو حصہ نہیں ملے گا اور اگر مسلمان کا انتقال ہو جائے تو اس کے غیر مسلم رشتہ دار اس کی میراث نہیں پائیں گے ،مرتد کا بھی یہی حکم ہے مثلاً کسی کا بیٹا بدقسمتی سے مرتد ہو گیا ،اس نے یہودیت ،عیسائیت ،وثنیت وغیرہ کوئی مذہب اختیار کرلیا یا قادیانی ومرزائی بن گیا یا مذہب کو اختیار نہیں کیا بلکہ لا مذہب دہریہ منکر خدا بن گیا تو اب وہ اپنے مسلمان والد کے انتقال پر اس کے ترکہ میں سے حصہ نہیں پائے گا آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

عَنْ اُسَامَةَ ابنِ زَیْدٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللہ ﷺ لَایَرِثُ الْمُسْلِمُ الْکَافِرَ وَلَا الْکَافِرُ الْمُسْلِمَ (رواہ البخاری ومسلم)

حضرت اسامہ ابن زیدؓ سے روایت ہے کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کافر مسلمان کا اور مسلمان اپنے رشتیدار کافر کا وارث نہیں بن سکتا؛ (بخاری ومسلم)

ان دو اسباب کے علاوہ دو سبب اور بھی ہیں (۱) غلامی (۲) اور اختلاف وطن لیکن آج یہ اسباب پیش نہیں آتے اس لئے دو ہی کا ذکر کیا گیا ہے۔

وہ رشتیدار جن کو کبھی وراثت میں سے حصہ نہیں ملتا:۔

کچھ ایسے بھی رشتیدار ہیں، جو اگرچہ قریبی رشتہ دار معلوم ہوتے ہیں لیکن ان کو وراثت میں سے کبھی حصہ نہیں ملتا مثلاً (۱) شوہر بیوی کے رشتہ دار ،یعنی شوہر کے ترکہ میں سے بیوی کو تو حصہ ملتا ہے لیکن بیوی کے رشتہ دار ماں باپ، بھائی ،بہن وغیرہ وہ اپنے داماد یا بہنوئی کے وارث کبھی نہیں بن سکتے ایسے ہی اگر ان کا انتقال ہو جائے تو شوہر بھی اپنے سسر یا سالہ وغیرہ کا وارث نہیں بنے گا ،ایسے ہی بیوی کے انتقال پر شوہر کو تو حصہ ملتا ہے مگر شوہر کے دوسرے رشتہ دار مثلاً متوفیہ کے دیور ساس سسر وغیرہ کو کچھ حصہ نہیں ملے گا۔

(۲) سوتیلی اولاد بھی اپنے سوتیلے باپ یا سوتیلی ماں کے ترکہ میں سے حصہ نہیں پائیں گے اور سوتیلے باپ یا سوتیلی ماں بھی اپنی سوتیلی اولاد کے وارث نہیں ہو سکتے ،مثلاً ایک آدمی کی دو تین بیویاں ہوں تو ہر ایک بیوی اپنی اولاد کی وارث تو ہوگی مگر دوسری سوکن کی اولاد کی وارث نہیں ہوگی ؛ یا کسی خاتون نے یکے بعد دیگے کئی شادیاں کی ہوں تو اس کی اولاد اپنے باپ کے ترکہ سے تو حصہ پائیں گے لیکن سوتیلے باپ کے ترکہ سے ان کو حصہ نہیں ملے گا۔

(۳) متبنیٰ یا لے پالک یعنی جس بچہ کو گود لے لیا ہو یا کسی کو منہ بولا بیٹا بنالیا ہو تو وہ بھی اپنے مربی کی جائیداد سے وراثت نہیں پائے گا؛ ہاں ! اپنی زندگی میں لے پالک کو اگر کچھ دیدیا اور اس کو اس کا مالک بنادیا تو وہ اسی کا ہے یا دوسری شکل یہ ہے کہ ایک تہائی میں سے اس کیلئے وصیت کردے تو اس وصیت کی صورت میں متبنیٰ کو وصیت کے قانون کے مطابق کچھ مل جائے گا۔

(۴) بدکاری سے پیدا ہونے والا لڑکا یا لڑکی بھی اپنے بدکار روالد سے حصہ نہیں پائیں گے اور بدکار باپ بھی اس بدکاری کی اولاد کا وارث نہیں ہوسکتا ہے؛ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

عَنْ عَمْرٍو ابنِ شعیبٍ عن اَبِیْہِ عَنْ جَدِّہٖ اَنَّ النَّبِیَ ﷺ قَالَ اَیُّمَا رَجُلٍ عَاھَرَ بِحُرَّۃٍ اَوْ اَمَۃٍ فَالْوَلَدُ وَلَدُ زِنًا لَا یَرِثُ وَلَا یُوْرَثُ (رواہ الترمذی)	حضرت عمرو ابن شعیبؓ اپنے والد سے اور وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جو شخص کسی آزاد عورت یا باندی سے بدکاری کرے تو اس سے پیدا ہونے والی اولاد ولد زنا ہے نہ وہ میراث پائے گا اور نہ اس کی میراث اس کو ملے گی (ترمذی)

وراثت تقسیم کرنے کا طریقہ

جب کسی عزیز کا انتقال ہوجائے تو اس کے مال یعنی ترکہ میں سے اس کی تجہیز وتکفین کریں، پھر اگر اس پر کچھ قرض ہو تو وہ ادا کریں، پھر اگر اس نے کوئی جائز وصیت کی ہو تو وہ پوری کریں، اس کے بعد اس کی جائداد یا ترکہ تقسیم کرنے سے پہلے آپ اس کی ملکیت میں اس وقت جو بھی ہو سب کو جمع کرلیں یا کم از کم کاغذ پر سب کو یکجا فہرست میں شامل کرلیں ،کوئی چھوٹی بڑی چیز یہاں تک کہ سوئی دھاگہ بھی فرو

گذاشت نہ کریں، پھر تمام وارثوں کی ایک فہرست بنالیں ،اور سب سے پہلے یہ دیکھیں کہ ان میں سے حصہ کس کس کو ملیگا ،اور محروم کون کون ہوں گے،مثلاً رشتیداروں کی فہرست بناتے ہوئے تو باپ ،دادا، بیٹا، پوتا، بھائی، بھتیجہ، چچاوغیرہ سب کوفہرست میں لکھ لیں، پھر اگر باپ موجود ہوتو دادا چونکہ محروم ہوتا ہےاس لئے اس کوفہرست سے نکال دیں ،ایسے ہی بیٹا موجود ہوتو پوتے کو بھی نکال دیں ،اور باپ بیٹا میں سے کوئی ایک موجود ہوتو چچا بھتیجا کو بھی فہرست سے نکال دیں، چونکہ یہ سب محروم ہوتے ہیں ،اس لئے جتنے حصہ پانے والے وارث موجود ہیں ان کی از سرنو ایک فہرست بنا کر سب کے حصے متعین کریں، پھر وہ چھوٹے سے چھوٹا عدد تلاش کریں جس سے بغیر کسر (ٹوٹ) کے سب کے حصے نکل آئیں، کسی کا حصہ پون یا سوایا ڈیڑھ نہ آئے، ورنہ تقسیم ترکہ میں ذرادشواری پیش آسکتی ہے، اس لئے کہ جب حصے بھی پون، سوا، ڈیڑھ وغیرہ ہوں اور جب اصل جائداد میں سے حصہ دیں اور وہ بھی سوا، پونا وغیرہ ہوتو سب کا حصہ دینا قدرے مشکل ہو جائے گا؛ الغرض جب اس طرح حصے بنالیں تو ایک لمبی لکیر کھینچ کر اس کے نیچے حصہ پانے والے تمام وارثوں کو لکھ دیں اور لکیر کے اوپر اس عدد کو لکھ لیں جس سے حصے بنانے ہوں پھر جو حصہ ملتا جائے وہ وارث کے نام کے نیچے لکھتے جائیں۔ایک مثال دیکھئے!

ساجد کا انتقال ہوا، کل ترکہ ۲۴ ہزار ہے۔

میت ساجد.................. تقسیم کنندہ عدد ۲۴.................................

ورثہ:--	ماں	باپ	بیوی	بھائی	بہن	دادا	بیٹا
شرح حصص	چھٹا ۱/۶	چھٹا ۱/۶	آٹھواں ۱/۸	محروم	محروم	محروم	باقی سب
ملنے والا	چار ہزار	چار ہزار	تین ہزار	-	-	-	تیرہ ہزار

اس مثال میں بھائی ،بہن اور دادا تو محروم ہیں باقی ورثہ میں ماں ، باپ کا چھٹا چھٹا اور بیوی کا آٹھواں حصہ نکالنے کیلئے ہم نے چھوٹا عدد ۲۴ پایا ہے چونکہ اسی سے بیوی کو آٹھواں یعنی پورے تین اور ماں باپ کو چھٹا چھٹا یعنی چار چار حصے ملتے ہیں اب ۲۴ میں سے ۱۱ نکل گئے تو باقی تیرہ بیٹے کو دیدئے گئے ،فرض کیجئے! اگر متوفی کا کل ترکہ ۲۴ / ہزار یا ۲۴ /لاکھ وغیرہ ہے تو اس میں سے بیوی کو تین اور ماں باپ کو چھٹا چھٹا دیکر باقی تیرہ لڑکے کو دیدیں گے۔

اب کچھ آسان آسان مثالیں لکھ دی جاتی ہیں انشاءٔ اللہ ان مثالوں سے گذشتہ ابواب بھی اچھی طرح ذہن نشیں ہو جائیں گے۔

اولاد، والدین اور میاں بیوی کے حصص کی مثالیں:-

(۱) میت، خالد...... تقسیم کرنے کا قریبی عدد ۲۴...... کل ترکہ ۱۲۰ کنال زمین..................

ورثہ:-	ماں	باپ	بیوی	لڑکے دو	لڑکی ایک
حصص:-	چھٹا	چھٹا	آٹھواں	باقی ماندہ	سب
شرح:-	۴	۴	۳	۳	۱
ترکہ کے حصے	۲۰ کنال	۲۰ کنال	۱۵ کنال	۲۶/ ۲۶ کنال	۱۳ کنال زمین

اس مثال میں متوفی کا کل ترکہ صرف ۱۲۰ کنال زمین ہے جس میں سے والدین کو چھٹا چھٹا حصہ یعنی ۲۰/ ۲۰ کنال ملے ہیں، بیوی کو آٹھواں یعنی حصہ کے لحاظ سے ۱۵ کنال اور باقی رہے ۶۵ کنال ان میں سے لڑکوں کو دوگنا یعنی ۲۶/۲۶ کنال اور لڑکی کو اکہرا یعنی ۱۳ کنال دیئے گئے۔

(۲) میت راشد........... تقسیم کرنے کا قریبی عدد ۶ کل ترکہ ۳۶ لاکھ روپے صرف...........

ورثہ	ماں	باپ	دادا	بھائی	دادی	بیٹا	بیٹا	بیٹی	بیٹی
حصص	چھٹا	چھٹا	محروم	محروم	محروم	باقی	ماندہ	سب	
شرح	۱	۱	-	-	-	-	-	-	-
ترکہ کا حصہ	۶/ لاکھ	۶/ لاکھ	-	-	-	۸/ لاکھ	۸/ لاکھ	۴/ لاکھ	۴/ لاکھ

یہاں آسانی کیلئے دو بیٹے اور دو بیٹیاں لکھنے کے بجائے بیٹا، بیٹا، بیٹی، بیٹی لکھ دیا ہے میراث میں سہولت کے پیش نظر یہی طریقہ اختیار کیا جاتا ہے۔

(۳) امجد کا انتقال ہوا، قریبی عدد ۲۴ نکلا کل ترکہ ۲۴۰ تولہ سونا ہے.........................

ورثہ	ماں	بیوی	بیٹا	بیٹا	بیٹا	بیٹی	بیٹی

حصص چھٹا چھٹا (باقی ماندہ سب)

حصص کی ۴ ۳ (باقی ۱۷)

شرح

ترکہ کا ۴۰ ۳۰ ۳۴؍تولہ ۳۴؍تولہ ۳۴؍تولہ ۳۴؍تولہ ۳۴؍تولہ ۱۷تولہ ۱۷تولہ

حصہ ؍تولہ ؍تولہ

(۴)عبدالرحمٰن کا انتقال ہوا ،......تقسیم کیلئے قریبی عدد ۲۴ نکلا،......کل ترکہ ۲۸ ہزار روپے

....

ورثہ:- ماں باپ بیوی بیٹی چچا دادا

حصص:- چھٹا۱/۶ چھٹااور باقی ماندہ آٹھواں ۱/۸ آدھا ۱/۲ محروم محروم

شرح حصص ۴ ۴+۱=۵ ۳ ۱۲ - -

ترکہ کے حصے ۸؍ہزار دس ہزار چھ ہزار ۲۴ ہزار - -

(۵)میت......عبدالرحیم ۲۴......کل ترکہ ۲۴ سوروپے..............................

ورثہ ماں باپ بیٹی بیٹی بیٹی بیٹی دادی نانی

حصص چھٹا چھٹا (دو تہائی ۲/۳) محروم محروم

حصہ ترکہ ۴؍سو ۴؍سو ۴؍سو ۴؍سو ۴؍سو ۴؍سو

شرح حصص ۴ ۴ (۱۶ ہرایک کو چار چار)

(۶)فاطمہ کاانتقال ہوا،کل ترکہ ساٹھ ہزارروپے......قریبی عدد برائے تقسیم ۱۲ عول ہوکر ۱۳......

ورثہ شوہر ماں بیٹی بیٹی بیٹی بیٹی بیٹی

حصص چوتھائی ۱/۴ چھٹا (دوتہائی - - -)

حصہ ترکہ ۱۵؍ہزار دس ہزار ۷؍ہزار ۷؍ہزار ۷؍ہزار ۷؍ہزار ۷؍ہزار

(۷)سلمٰی کاانتقال ہواکل ترکہ ۳۰ تولہ چاندی..

ورثہ شوہر ماں باپ دادا نانا دادی نانی

حصص	آدھا	باقی مس سے ایک تہائی ۱/۳	باقی میں سے دو تہائی ۲/۳	محروم	محروم	محروم	محروم
حصۂ ترکہ	۱۵/تولہ	۵/تولہ	۱۰/تولہ	-	-	-	-

(۸) نجمہ کا انتقال ہوگیا اسے اپنے وارثوں میں شوہر، باپ، ماں، بھائی اور ابہن وارث چھوڑے تو میراث اس طرح تقسیم ہوگی:

ورثہ:-	شوہر	ماں	باپ	بھائی	بہن
حصص:-	آدھا	چھٹا	باقی ماندہ سب	محروم	محروم
شرح حصص:-	۳	۱	۲	-	-

(۹) عبدالحمید کا انتقال ہوا اس نے ۲۰ لاکھ روپے چھوڑے جو مندرجہ ذیل وارثوں میں اس طرح تقسیم ہوں گے......

ورثہ:-	بیوی	ماں	باپ	بھائی	بھائی
حصص:-	چوتھائی	باقی میں سے ایک تہائی	باقی میں سے دوتہائی	محروم	محروم
شرح حصص	۱	۱	۲	-	
حصۂ ترکہ	۵/لاکھ	۵/لاکھ	۱۰/	-	

(۱۰) اکرم میت/۶............ترکہ چھ لاکھ روپے.......................................

ورثہ:-	ماں	باپ	بھائی	بھائی
حصص	چھٹا	باقی سب	محروم	محروم
شرح حصص	۱	۵		
حصۂ ترکہ	ایک لاکھ	۵/پانچ		

آخر کی ان مثالوں سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ متوفی کے اگر دو بھائی ہوں اور ماں باپ ہوں تو بھائی اگر چہ باپ کی وجہ سے محروم ہو جائیں گے البتہ اس شکل میں ماں کا حصہ کم ہو جاتا ہے اس کو صرف چھٹا ملے گا پھر اگر میاں، بیوی میں سے کوئی ہو تو ان کا حصہ نکال کر اور ماں کو چھٹا دیکر باقی سب والد کو مل جائے گا اور اگر میاں، بیوی میں سے کوئی نہ ہو تو ماں کو چھٹا دیکر باقی سب والد کو مل جائے گا۔

آپ اپنی سہولت کے اعتبار سے اس طرح بھی تقسیم میراث کا نقشہ بنا سکتے ہیں مثلاً ایک خاتون نعیمہ کا انتقال ہوا اس نے مندرجہ ذیل رشتیدار اور ترکہ چھوڑا:

ورثہ	ترکہ میں سے ملنے والے حصے	شرح حصص تقسیم کیلئے چھوٹا عدد ۱۲	ترکہ، نقد ۳ لاکھ ۱۲ ہزار	زمین ایک سو چھپن کنال
ماں	چھٹا: چونکہ اولاد ہے	۲/۱۲	۵۲۰۰۰	۲۶/کنال
باپ	چھٹا:..................	۲/۱۲	۵۲۰۰۰	۲۶/کنال
شوہر	چوتھائی............	۳/۱۲	۷۸۰۰۰	۳۹/کنال
بیٹے	جو باقی بچے گا اس میں سے بیٹے کو دوگنا	بیٹا، بیٹی دونوں کیلئے باقی ۵/۱۲	ہر ایک بیٹے کو ۲۰۰۰۰	ایک لڑکے کو ۱۰/کنال
بیٹیاں	بیٹیوں کو اکہرا		ہر ایک کو ۱۰۰۰۰	ایک لڑکی کو ۵/کنال

یاد رہے کہ چھوٹا عدد برائے اخراج حصص یہ بھی محض سہولت و آسانی کیلئے ہے اگر آپ چاہیں اور آپ کو اسی میں سہولت ہو تو آپ اصل ترکہ کی رقم سے بھی ہر ایک کا حصہ ۱/۸ یا ۱/۶ یا ۱/۴ یا ۲/۳ وغیرہ نکال سکتے ہیں۔

اسلام کے قانون تقسیمِ وراثت پر ایک نظر

آپ اسلام کے تقسیم وراثت کے اس قانون پر ایک نگاہ پھر ڈال لیئے! اور دیکھئے! کہ ہمارے پروردگار نے کس قدر منظّم، مربوط اور مبنی بر انصاف قانون بنایا ہے، اگر آپ انصاف کی نگاہ سے دیکھیں گے تو یقیناً آپ کی عقل حیران و ششدرر رہ جائے گی اور آپ یہ کہنے پر مجبور ہوں گے کہ اگر اسلام بیٹی کو بیٹے سے نصف دیتا ہے، والد کی موجودگی میں دادا کو اور والدہ کی موجودگی میں نانی کو اور بیٹے کی موجودگی میں بھائی، بھتیجا، چچا کو محروم کرتا ہے تو حق یہ ہے کہ یہی انصاف ہے اگر جائداد وراثت کا حقدار چچا قرار دیا جاتا اور بیٹا محروم ہوتا تو یہ واقعۃً بڑی ناانصافی ہوتی، یہ ہمارے خالق کا بنایا ہوا نظام ہے جس

میں مرد وعورت کوان کا پورا پورا حق دیا گیا ہے،خصوصاً یتیم و بے سہارا لوگوں اور خواتین کو وہ حقوق دیئے گئے ہیں جو دنیا کے نظام میں آپ کو صبح قیامت تک نہیں مل سکتے، کیوں صاحب! غور فرمایئے! یہ اللہ ہی کا قانون ہے جس میں یہ کہا گیا ہے کہ بیٹی یا پوتی کی شادی کیوں نہ ہو جائے؛ وہ صاحب اولاد ،ساٹھ ستر سال کی بوڑھی ہی کیوں نہ ہو جائے! جب بھی اس کے والدین میں سے کسی کا انتقال ہوگا تو اس کو اپنے والدین کی جائداد میں سے بھائی کے ساتھ ضرور حصہ ملے گا، اور دیکھئے! ایک خاتون کی شادی ہوتی ہے، وہ اپنے شوہر کے گھر پہنچتی ہی ہے کہ شوہر کا انتقال ہو جاتا ہے ابھی چند لمحات بھی اس کے شوہر کے ساتھ نہیں گذرے ہیں کہ اب اس کے انتقال پر اس کو شوہر کی جائداد میں سے چوتھائی حصہ ملتا ہے، اور اگر اس شخص کی کسی پہلی بیوی سے اولاد ہو، تو بھی اس کو کل ترکہ میں سے آٹھواں حصہ ضرور ملتا ہے۔

یہی کیا! اگر کسی خاتون کا صرف نکاح ہی ہوا ابھی رخصتی بھی نہیں ہوئی تھی کہ شوہر کا انتقال ہو گیا تب بھی اس کو چوتھائی حصہ میراث ملتا ہے۔ صاحب اولاد شخص کے انتقال پر بوڑھے ماں باپ کو چھٹا ، چھٹا حصہ دیا جاتا ہے، کیا آپ کو یہ مبنی برانصاف قانون دنیا کے کسی نظام میں مل سکتا ہے!؟

بایں ہمہ کسی کے دماغ میں یہ اُلجھن پیدا ہوسکتی ہے کہ بیٹے کی موجودگی میں یتیم پوتے کو میراث کیوں نہیں ملتی ؟ یعنی دادا کے انتقال پر بیٹوں کو وراثت تو ملتی ہے، لیکن اگر کسی ایک بیٹا کا انتقال ہو چکا ہو اور اس کا یتیم بیٹا موجود ہو تو دادا کی جائداد میں سے اس پوتے کو بیٹوں کی موجودگی میں وراثت نہیں ملتی، بلکہ وہ اس کے چچا کو مل جاتی ہے، تو یہ بھی کوئی اشکال کی بات نہیں؛ چونکہ اسلام نے اس کا دوسرا نظام رکھا ہے: (۱) یتیموں کی پرورش کی ترغیب دلائی کہ چچا خود اپنے یتیم بھتیجے کا جو اس کے بھائی کی یادگار ہے خیال رکھے (۲) دادا کو ترغیب دی کہ وہ پوتے کو چچا پر نہ چھوڑے ہوسکتا ہے کہ چچا دنیاوی لالچ میں تمام مال پر قبضہ کر کے بھتیجے کو محروم کر دے، بلکہ دادا پوتے کو خود کچھ اپنے ہاتھ سے دیکر جائے، یا کم از کم اپنے تہائی مال میں سے پوتے کیلئے وصیت کر دے؛ (جس کا ذکر ہو چکا) اور یہی بات قرین قیاس ہے اس لئے کہ پوتے پر دادا، چچا سے زیادہ مہربان ہوتا ہے بلکہ تجربہ شاہد ہے کہ دادا کو بسا اوقات اپنے بیٹے سے اتنی محبت نہیں ہوتی ہے جتنی محبت، شفقت ومہربانی اس کو پوتے کے ساتھ ہوتی ہے، اور پوتے کے یتیم ہونے پر تو یہ محبت یقیناً اور زیادہ ہو جاتی ہے،

عین ممکن ہے کہ پروردگار عالم نے اس یتیم پوتے کی حالت پر رحم فرما کر پوتے کا معاملہ چچا پر نہیں رکھا بلکہ دادا کے حوالہ کر دیا، کہ وہ خود اس کو اپنی جائداد میں سے دیکر جائے یا وصیت کر دے؛ ہاں! اگر دادا ہی انصاف کو بالائے طاق رکھ دے اور پوتے کو نہ زندگی میں کچھ دے اور نہ ہی اس کیلئے وصیت کرے تو اس میں قانون وراثت کا کیا قصور؟!

اس تمام کے علاوہ یہ بات بھی یاد رکھئے! کہ پوتے کے اپنے والد کے انتقال پر اپنے والد کی جائداد میں سے تو حصہ پایا تھا؛ واللہ اعلم باسرار دینہ واحکامہ؛

اس سے علم میراث کی اہمیت بھی واضح ہوگئی کہ ہر ایک ایمان والے کو یہ معلوم ہونا کتنا ضروری ہے کہ اس کے عزیزوں میں سے کون کون دوسروں کی وجہ سے وراثت سے محروم ہو رہے ہیں؛ تا کہ جس رشتیدار کو ضرورت مند ہونے کے باوجود محروم ہوتا ہوا دیکھے تو اس کیلئے ایک تہائی میں سے وصیت کر دے۔

آخری گذارش

میراث کے ان ابواب سے میرا مقصد علم میراث کی تمام جزئیات بیان کرنا یا اس کے مسائل کا احاطہ کرنا نہیں تھا بلکہ تمام تر اصطلاحات وجزئیات سے صرف نظر کرتے ہوئے انتہائی سہل وآسان زبان میں اس فن کے بس موٹے موٹے مسائل لکھکر اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے اس قانون سے اس کے بندوں کو متعارف کرانا مطلوب تھا، تا کہ اللہ تعالیٰ کو اپنا رب ماننے والے، اس کے پیارے نبی جناب محمد رسول اللہ ﷺ کو اپنا محبوب ہادی ورہنما ماننے والے، قرآن کی ایک ایک آیت بلکہ ایک ایک فقرہ پر ایمان رکھنے والے، اور دین متین کی ہر ایک کلی، جزئی کو بسر وچشم قبول کرنے والے، اپنے رب کے اس نظام کو جو دنیا وآخرت میں کامیابی کا ضامن ہے اپنے اوپر نافذ کرنے کیلئے تیار ہو جائیں۔

اب جن نیک بندوں کو اس کی توفیق ہو جائے، کہ وہ اپنے ایمان کی حفاظت کرتے ہوئے اپنے عزیزوں کی میراث کو خدائی قانون کے مطابق تقسیم کریں، اپنی خواہش نفس کو جج نہ بنائیں، ان سے میری یہ گذارش ہے کہ وہ اس کتاب میں میراث کے یہ موٹے موٹے

مسائل دیکھکر ہرگز میراث تقسیم نہ کرنے لگ جائیں ، چونکہ علم میراث کی کافی جزئیات ہیں اور بعض ایسے دقیق مسائل بھی ہیں جو بادی النظر میں قدرے مشکل ہیں ، سرسری نگاہ میں ہر کس وناکس ان کونہیں سمجھ سکتا ، ان میں خطاء ہوجانے کا زبردست خدشہ بلکہ خطرہ ہے اس لئے جب کسی بندۂ خدا کو میراث تقسیم کرنے کی ضرورت پیش آئے تو وہ علم میراث کے ماہر کسی عالم دین سے معلوم کرے ، یا پھر میراث کی بڑی کتابو کا مطالعہ کرے۔

اسی پر بیماری ، جنازہ ، کفن ، دفن ، تعزیت ، ایصال ثواب ، اور پھر متوفی کی جائداد کی تقسیم سے متعلق مسائل کی ترتیب کا یہ سلسلہ اختتام پذیر ہوا۔ رب ذوالجلال سے دست بدعا ہوں وہ اس کو نافع عام بنائے ، اور ہم سب کو اپنی مرضیات پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یارب العلمین !

جو بندۂ خدا اس کے مطالعہ سے کسی طور پر بھی مستفید ہو راقم آثم کی اس سے دعائے مغفرت کی عاجزانہ درخوست ہے۔

و صلی اللہ علی النبی الکریم وعلی آلہ و صحبہ اجمعین .

اپنے رب کا عاجز ومحتاج بندہ

فیض الوحید

شب ۲۵ رمضان ۱۴۱۸ھ مطابق ۲۴ جنوری ۱۹۹۸ء

زندان مرکزی جموں بارک (۱)

مدارس دینیہ کیا ہیں؟؟؟

آپ اگر گردوپیش پر ایک گہری نگاہ ڈالیں تو آپ کو شوریدگی کے اس دورِ ابتلاء وتاریکی میں امید و روشنی کی ایک حوصلہ افزاء کرن بھی ضرور دکھائی دے گی کہ کتنی ہی بستیاں ہیں جو سالہا سال سے جہالت کی اندھیریوں میں ڈوبی پڑیں تھیں مگر اب وہاں علم خصوصاً علمِ دین کی مشعلیں چمکتی ہوئی دکھائی دیتی ہیں، جی ہاں! ابھی کل کی بات ہے ہمارے اکثر علاقے علم، علماء، حفاظ، قراء وغیرہ کے نام سے بھی نا آشنا تھے جبکہ اب قریہ قریہ، بستی بستی حافظ کلام اللہ اور علوم دینیہ کے ماہر علماء کرام نظر آرہے ہیں؛ جگہ جگہ علم کی دیپ روشن ہو رہی ہیں۔ کیوں! آپ کیا سمجھ رہے ہیں کیا یہ سب کچھ خود بخود ہی ہو رہا ہے؟ نہیں ہرگز نہیں! یہ تو کچھ اصحابِ دل کی مخلصانہ دعاؤں، سحر خیزیوں اور مختلف زاویوں کی محنتوں اور کاوشوں کا ثمرہ ہے۔ ان زاویوں میں مدارسِ اسلامیہ کا مقام کسی سے پوشیدہ نہیں۔ انھیں مدارس نے بستی بستی علم وعمل کے قمقمے روشن کر کے بھٹکتی ہوئی انسانیت کو ہدایت کا مینارۂ نور دکھایا، ایمان واخلاص اور روحانیت کے چشمے جاری کر کے مردہ دلوں کو زندہ کیا۔ مدارس کی اس کہکشاں یا سلسلۃ الذھب میں ایک ادارہ مرکز المعارف بٹھنڈی جموں بھی ہے۔ جس نے اٹھارہ سال کی قلیل مدت میں سیکڑوں حفاظ وعلماء اور داعیان دین پیدا کئے، جو تا حال اپنے منصوبہ جات کی طویل فہرست میں سے شعبہ حفظ، شعبۂ عالمیت اور شعبہ علوم عصریہ تین شعبہ جات قائم کرنے میں کامیاب ہو چکا ہے۔ شعبہ علوم عصریہ میں بھرپور دینی تعلیم واسلامی ثقافت کے ساتھ ساتھ دسویں تک انگلش میڈیم اسکول ہے، ان شعبہ جات میں ایک ہزار سے زائد طلباء زیرِ تعلیم ہیں۔

یاد رکھئے! جس طرح اللہ تعالی بے نیاز ہے، اسی طرح اُس کا دین بھی اپنی بقاوفروغ کیلئے کسی کا محتاج نہیں، ہاں! انسان کی دینا وآخرت کی کامیابی اسی میں پنہاں ہے کہ وہ تن من دھن سے خدا کے دین سے جڑ جائے۔ تو اے جنت کے طلبگارو! اُٹھو! اور دنیا وآخرت میں نہ ختم ہونے والی کامرانی کیلئے اللہ تعالیٰ کے نام پر چلنے والے ان دینی اداروں سے وابسطہ ہو جاؤ!

مرکز المعارف بٹھنڈی جموں فون ۲۴۶۳۲۵۱ ۰۱۹۱